ہدایہ

پر اعتراضات کا علمی جائزہ

جمع و ترتیب

پیر جی سید مشتاق علی شاہ صاحب

فہرست مضامین

موضوع	صفحہ نمبر
اعتراض نمبر 1۔ دوسری شادی کرنے والے کا کنواری/بیوہ دلہن کے پاس قیام۔	11
اعتراض نمبر 2۔ مذبوحہ حاملہ جانور کے حمل کا حکم۔	14
اعتراض نمبر 3۔ گدھوں اور گھوڑوں کی حرمت وحلت کے بارے میں۔	18
اعتراض نمبر 4۔ مرنے والے کے ذمہ روزوں کی قضا کا حکم۔	20
اعتراض نمبر 5۔ رضاعت کب ثابت ہوگی۔	23
اعتراض نمبر 6۔ کتنی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔	24
اعتراض نمبر 7۔ حق مہر کم سے کم کتنا ہو۔	29
اعتراض نمبر 8۔ والد کی ہبہ کی ہوئی چیز کی واپسی کا حکم۔	32
اعتراض نمبر 9۔ گم شدہ اونٹ کو قبضہ میں لینے کا حکم۔	33
اعتراض نمبر 10۔ غسل دیتے وقت مرنے والی عورت کے بالوں کا حکم۔	35
اعتراض نمبر 11۔ صلوۃ استسقاء باجماعت ادا کی جا سکتی ہے۔	37
اعتراض نمبر 12۔ دورانِ خطبہ، تحیۃ المسجد کی دو رکعتوں کا حکم۔	41
اعتراض نمبر 13۔ ایک رکعت وتر کا حکم۔	51
اعتراض نمبر 14۔ صلاۃ کسوف میں ایک سے زائد رکوع ہونے کا بیان۔	71
اعتراض نمبر 15۔ دانوں اور کھجوروں کا نصاب زکوۃ۔	79
اعتراض نمبر 16۔ جلسہ استراحت کا حکم۔	85
اعتراض نمبر 17۔ دوہری اذان کا حکم۔	96
اعتراض نمبر 18۔ پگڑی پر مسح کرنا۔	101

اعتراض نمبر 19۔ تیمم کے لیے ایک ہی ضرب کافی ہے۔ 104
اعتراض نمبر 20۔ نماز مغرب سے قبل دو رکعتیں۔ 113
اعتراض نمبر 21۔ غائبانہ نمازِ جنازہ کا حکم۔ 115
اعتراض نمبر 22۔ اذان واقامت کے کلمات کا حکم۔ 119
اعتراض نمبر 23۔ شراب کا سرکہ۔ 122
اعتراض نمبر 24۔ عورت کو مسجد جانے سے نہیں روکا جا سکتا۔ 126
اعتراض نمبر 25۔ بھول معاف ہے۔ 137
اعتراض نمبر 26۔ غلام کا قصاص بھی ہے اور دیت بھی۔ 140
اعتراض نمبر 27۔ کتے کی خرید وفروخت کا حکم۔ 145
اعتراض نمبر 28۔ مسجد میں نمازِ جنازہ کا حکم۔ 148
اعتراض نمبر 29۔ کافر کا قصاص مسلمان سے نہیں لیا جائے گا۔ 155
اعتراض نمبر 30۔ عورتوں کا عید گاہ جانا۔ 157
اعتراض نمبر 31۔ قصاص، تلوار کے ساتھ خاص نہیں۔ 163
اعتراض نمبر 32۔ تکبیرات عیدین کتنی اور کب۔ 166
اعتراض نمبر 33۔ پیشاب کے چھینٹوں سے بچنا از حد ضروری ہے۔ 168
اعتراض نمبر 34۔ ایام تشریق سارے سارے ایامِ ذبح ہیں۔ 174
اعتراض نمبر 35۔ زمین بٹائی پر دینا جائز ہے۔ 179
اعتراض نمبر 36۔ نابینا امامت کرا سکتا ہے۔ 181
اعتراض نمبر 37۔ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ 184
اعتراض نمبر 38۔ درندوں کے چمڑے کا استعمال ممنوع ہے۔ 193
اعتراض نمبر 39۔ جس چیز کا کثیر نشہ آور ہو اس کا قلیل بھی حرام ہے۔ 199
اعتراض نمبر 40۔ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ 201
اعتراض نمبر 41۔ جس برتن میں کتا منہ مارے اس سات بار دھونا ضروری ہے۔ 210

اعتراض نمبر 42۔ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ 214
اعتراض نمبر 43۔ گانا سننا حرام ہے۔ 216
اعتراض نمبر 44۔ کافر، مشرک اور برہنہ آدمی کا بیت اللہ میں داخلہ ممنوع ہے۔ 218
اعتراض نمبر 45۔ بیت اللہ کی چھت پر نماز، ممنوع ہے۔ 223
اعتراض نمبر 46۔ مدعی کے پاس صرف ایک گواہ کا ہونا۔ 225
اعتراض نمبر 47۔ عورت، عورتوں کی امامت کراسکتی ہے۔ 230
اعتراض نمبر 48۔ بائع اور مشتری کی بیع کب فسخ ہوگی۔ 235
اعتراض نمبر 49۔ سات سالہ بچہ امامت کراسکتا ہے۔ 239
اعتراض نمبر 50۔ تورّک سنتِ رسولؐ ہے۔ 243
اعتراض نمبر 51۔ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ 249
اعتراض نمبر 52۔ رات کی نماز، ایک سلام کے ساتھ نو رکعت پڑھنا درست ہے۔ 251
اعتراض نمبر 53۔ اقامت کے بعد نفل کا حکم۔ 263
اعتراض نمبر 54۔ ہر قسم کا سود قبیح ترین گناہ ہے۔ 272
اعتراض نمبر 55۔ فرض کے بعد فجر کی سنتوں کا حکم۔ 279
اعتراض نمبر 56۔ حلالہ حرام ہے۔ 283
اعتراض نمبر 57۔ رضاعت کے متعلق اکیلی عورت کی گواہی کا حکم۔ 285
اعتراض نمبر 58۔ ایک ساتھ دی گئیں تین طلاقیں ایک شمار ہوں گی۔ 289
اعتراض نمبر 59۔ بسم اللہ جہراً پڑھنا۔ 301
اعتراض نمبر 60۔ کسی کے لیے بھی نمازِ عید سے قبل قربانی کرنا جائز نہیں۔ 308
اعتراض نمبر 61۔ عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیرات کہنی ہوں گی۔ 310
اعتراض نمبر 62۔ اعتکاف کے لیے روزہ شرط نہیں۔ 314
اعتراض نمبر 63۔ قربانی کے اونٹ کو اشعار کرنا جائز ہے۔ 315
اعتراض نمبر 64۔ نمازِ جنازہ میں پانچ تکبیرات کہنا بھی ثابت ہے۔ 317

اعتراض نمبر 65۔ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا سنتِ نبویؐ ہے۔ 324
اعتراض نمبر 66۔ عورت کی نمازِ جنازہ پڑھانے کیلئے امام درمیان میں کھڑا ہو۔ 333
اعتراض نمبر 67۔ دورانِ مدتِ حمل گر جانے والے بچہ کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ 335
اعتراض نمبر 68۔ شاتم رسولؐ ذمی واجب القتل ہے۔ 339
اعتراض نمبر 69۔ مسلمان اور کافر کی دیت برابر نہیں۔ 343
اعتراض نمبر 70۔ سفر میں قصر و اتمام دونوں جائز ہیں۔ 344
اعتراض نمبر 71۔ تین میل کا فاصلہ ہو جانے سے قصر کا آغاز ہو جاتا ہے۔ 351
اعتراض نمبر 72۔ ظہر و عصر کا افضل و اول وقت۔ 357
اعتراض نمبر 73۔ بچی کے پیشاب کو دھویا جائے گا اور بچے کے پیشاب پر
چھینٹے مارے جائیں گے۔ 371
اعتراض نمبر 74۔ جمعہ کے دن نماز فجر کی پہلی رکعت میں سورۃ سجدہ
اور دوسری میں سورۃ دہر پڑھنا مسنون ہے۔ 373
اعتراض نمبر 75۔ سورۃ حج دو سجدوں پر مشتمل ہے۔ 378
اعتراض نمبر 76۔ سجدہ تلاوت واجب نہیں۔ 381
اعتراض نمبر 77۔ دورانِ وضو ایک ہی چلو سے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا۔ 384
اعتراض نمبر 78۔ اونٹ میں قربانی کے دس حصے ہیں۔ 388
اعتراض نمبر 79۔ پورے گھرانہ کی طرف سے ایک بکری قربانی کفایت کر جائے گی۔ 390
اعتراض نمبر 80۔ سفر میں بھی جمع بین الصلاتین کرنا مسنون ہے۔ 400
اعتراض نمبر 81۔ قربانی نفل ہے۔ 404
اعتراض نمبر 82۔ وتر کی تین رکعات کے درمیان سلام پھیرنا۔ 409
اعتراض نمبر 83۔ سلام پھیرے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔ 413
اعتراض نمبر 84۔ زبردستی کی وجہ سے نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ غلام آزاد ہوگا۔ 421
اعتراض نمبر 85۔ ریشمی کپڑے کا استعمال کسی طور جائز نہیں۔ 424

اعتراض نمبر 86۔ صدقہ فطر کی ادائیگی صرف مسلمان پر ہے۔ 433
اعتراض نمبر 87۔ اگر ظہر پانچ رکعت پڑھا دیں تو دو سجدے سہو کافی ہوں گے۔ 436
اعتراض نمبر 88۔ نفل پڑھنے والے کی اقتداء فرض پڑھنے والے کیلئے جائز ہے۔ 437
اعتراض نمبر 89۔ نماز میں شک میں مبتلا ہونے والا یقین پر بناء کرتے ہوئے نماز مکمل کر کے سجدہ سہو کرلے۔ 440
اعتراض نمبر 90۔ سجدہ میں پیشانی اور ناک دونوں کو زمین پر ٹکانا ضروری ہے۔ 446
اعتراض نمبر 91۔ کھجور کی بیع کھجور کے ساتھ کمی بیشی کے ساتھ سود ہے۔ 447
اعتراض نمبر 92۔ جمع بین الصلاتین میں ایک اذان اور اقامتیں ہوں گی۔ 451
اعتراض نمبر 93۔ زندہ جانور کے بدلے گوشت کی بیع ممنوع ہے۔ 454
اعتراض نمبر 94۔ تازہ کھجور کی بیع خشک کھجور کے ساتھ برابری پر بھی جائز نہیں۔ 455
اعتراض نمبر 95۔ بیع عرایا (اندازہ کر کے بیع کرنا) کی رخصت ہے۔ 457
اعتراض نمبر 96۔ کسی بھی صورت میں وقف، وقف کرنے والے کی ملکیت سے نہیں نکل سکتا۔ 460
اعتراض نمبر 97۔ شراب کی بیع ہر صورت میں حرام ہے۔ 463
اعتراض نمبر 98۔ صدقہ فطر کیلئے نصاب زکوۃ فرض نہیں۔ 465
اعتراض نمبر 99۔ نماز میں تکبیر (اللہ اکبر) کہنا ہے نہ کہ کوئی اور جملہ۔ 470
اعتراض نمبر 100۔ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا سنتِ نبویؐ ہے۔ 475

عرض مرتب

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم. اما بعد!

محترم قارئین کرام! برصغیر پاک وہند میں جب سے غیر مقلدین کا فرقہ نمودار ہوا ہے، اس وقت سے لے کر آج تک اس فرقہ کی طرف سے اہل سنت والجماعت کے خلاف تقریرًا وتحریرًا محاذ آرائی جاری ہے خاص کر امام اعظم ابوحنیفہؒ المتوفی ۱۵۰ھ کی شان میں گستاخیاں کرنا اور ان پر تنقید کرنا بلکہ ان کی توہین کرنا اور اس فرقہ کے بعض افراد کا امام ابوحنیفہؒ کی تکفیر کرنا بھی ثابت ہے۔ یہاں پر گنجائش نہیں کیونکہ اصل کتاب کافی ضیغم ہوگئی ہے اس لیے مقدمہ کو انتہائی مختصر کیا گیا ہے۔ ورنہ ہر بات کا ثبوت موجود ہے امام صاحب کے علاوہ آپ کے اساتذہ، آپ کے شاگردوں اور دیگر فقہائے احناف کو بھی ان لوگوں نے اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ (دیکھئے الجرح علی ابی حنفیہ۔ وامام ابوحنیفہ کا تعارف محدثین کی نظر میں) یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا کہ لوگ فقہ حنفی جو یہاں صدیوں سے رائج ہے اس کو چھوڑ دیں اور ہماری جدید فقہ پر عمل کریں۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور فقہ حنفی کے خلاف اس فرقہ کی طرف سے بے شمار کتابیں شائع ہوئی ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:۔

(۱) الظفر المبین فی ردِ مغالطات المقلدین۔ مصنف: غلام محی الدین، تاجر کتب لاہور

(۲) الظفر المبین جدید حصہ دوم۔ مصنف: مولانا محمد ابوالحسن سیالکوٹی

(۳) فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین۔ مصنف: علامہ بدیع الزماں برادر اکبر علامہ وحید الزماں

(۴) فقہ احناف کے اسراری گر۔ مصنف: مولانا عبدالجلیل سامرودی

(۵) حقیقت الفقہ۔ مصنف: مولانا محمد یوسف جے پوری

(۶) سبیل الرسول۔ مصنف: مولانا محمد سیالکوٹی

(۷) احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ۔ مصنف: مولانا اشرف سلیم

(۸) احناف کا رسولؐ سے اختلاف۔ مصنف: حافظ فاروق الرحمٰن یزدانی

(۹) راہ نجات قرآن وحدیث۔ مصنف: مولانا رحمت اللہ ربانی

(۱۰) فقہ وحدیث۔ مصنف: پیر بدیع الدین شاہ راشدی

(۱۱) کیا فقہ حنفیہ قرآن وحدیث کا نچوڑ ہے۔ مصنف: پروفیسر ڈاکٹر سید طالب الرحمٰن شاہ

ہم نے یہاں پر صرف گیارہ کتابوں کے نام لکھے ہیں ورنہ ایسی بے شمار کتابیں موجود ہیں۔

اوپر ہم نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے ان سب میں بھی ہدایہ پر اعتراضات کیے گیے ہیں مگر ہم یہاں پر چند ایسی کتابوں کا ذکر کرتے ہیں جو صرف ہدایہ کے رد میں لکھی گئی ہیں:۔

(۱) اصلاح الہدایہ۔ علامہ وحید الزماں۔ (۲) تنقید الہدایہ۔ علامہ وحید الزماں۔ (۳) اغلاط ہدایہ یعنی درایت محمدی۔ مولانا محمد صاحب جوناگڑھی۔ (۴) ہدایہ عوام کی عدالت میں۔ خواجہ محمد قاسم صاحب۔ (۵) شمع محمدی۔ مولانا محمد صاحب جوناگڑھی۔ (۶) احادیث ہدایہ فنی و تحقیقی حیثیت۔ مولانا ارشاد الحق اثری۔ (۷) فقہ و حدیث۔ پیر بدیع الدین شاہ راشدی یہ کتاب 20x26/8 سائز کے 189 صفحات پر مشتمل ہے۔ ترجمہ وتبویب الشیخ ذوالفقار علی طاہر نے کی ہے اور تقدیم مولانا عبداللہ ناصر رحمانی صاحب نے فرمائی ہے ناشر جمعیت اہل حدیث سندھ حلقہ کراچی ہے۔ اس کتاب میں ص40 سے لے کر ص139 تک پورے ایک سو(100) ایسے مسائل ہدایہ سے نقل کیے ہیں جو ان کے خیال میں حدیث کے بالکل خلاف ہیں۔ اور انہوں نے ان مسائل کو حدیث کے خلاف ثابت کرنے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔

ہم نے صرف اس حصہ کا ہی جواب دیا ہے ساری کتاب کا نہیں کتاب کی ترتیب اس طرح کی ہے کہ پہلے فقہ وحدیث سے سارا اعتراض من وعن نقل کیا ہے پھر جواب دیا ہے۔ ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ کتاب میں کوئی غلطی نہ ہو۔ اگر پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ضرور اطلاع کریں انشاءاللہ درست کردی جائے گی۔ ہمارا ایمان، عقیدہ اور نظریہ یہ ہے کہ ہم قرآن وسنت کے خلاف کسی کی بات نہیں مانتے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ آمین۔

سید مشتاق علی

بسم الله الرحمن الرحيم

اعتراض نمبر ①

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ ①: دوسری شادی کرنے والے کا کنواری / بیوہ دلہن کے پاس قیام؟

حدیث نبوی ﷺ

عن ابی قلابة عن انس من السنة اذا تزوج الرجل البکر علی الثیب اقام عندھا سبعا وقسم واذا تزوج الثیب اقام عندھا ثلاثا ثم قسم قال ابو قلابة ولو شئت لقلت ان انسا رفعه الی النبی ﷺ

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کی سنت یہ ہے کہ دوسری شادی کرنے والا دلہن کے پاس، اگر وہ کنواری ہو تو سات دن قیام کرے گا اور اگر وہ بیوہ ہے تو تین دن۔ پھر دونوں کے لئے باری مقرر کرے گا۔

(صحیح البخاري کتاب النکاح باب اذا تروج الثیب علي البکر صفحه 785 رقم الحدیث 5214) (صحیح مسلم ج 1 کتاب الرضاع باب قدر مانستحقه البکر والثیب من اقامة الزوج عقب الزفاف صفحه 476 رقم الحدیث 1461)

فقہ حنفی

والقدیمة والجدیدة سواء

(ھدایہ اولین ج 2 کتاب النکاح باب القسم صفحه 349)

یعنی پہلی اور دوسری بیوی تقسم کے اعتبار سے برابر ہیں۔ (فقہ وحدیث ص 40)

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ ؒ کا مذاہب قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے پیر بدیع الدین شاہ راشدی ؒ غیر مقلد نے ویسے ہی اس کو حدیث کے خلاف کہہ دیا ہے انہوں نے ہدایہ کی پوری عبارت بھی نقل نہیں کی ہدایہ میں امام ابوحنیفہ ؒ کے مذاہب کے دلائل بھی موجود تھے راشدی صاحب کو چاہئے تھا کہ اس مسئلہ کے متعلق پہلے قرآن پیش کرتے پھر دونوں قسم کی اختلافی احادیث نقل کرتے تاکہ عوام کو اس بات کا علم ہوتا کہ اس مسئلہ کے متعلق کتب احادیث میں دونوں قسم کی روایات موجود ہیں۔ پھر اپنے زور علم سے کسی پہلو کو راجح قرار دیتے۔ مگر راشدی صاحب نے ایسا نہیں کیا۔

قارئین کرام ہم یہاں پر حنفی مذہب کے دلائل نقل کرتے ہیں۔

حدیث:

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کی دو بیبیاں ہوں اور وہ ان میں سے ایک کی طرف جھکے یعنی ایک کا حق ادا کرے اور دوسری کا اسی کے برابر ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ آدھا دھڑ گرا ہوا ہوگا یعنی لنجا ہوگا۔

(ابو داود کتاب النکاح باب القسم بین النساء۔ ترمذی ابواب النکاح ما جاء فی التسویۃ بین الضرائر یہ حدیث حضرت انس ؓ سے بھی مروی ہے جس کی تخریج امام ابونعیم اصفہانی نے تاریخ اصبہان میں کی ہے دیکھئے۔ نصب الرایہ فی تخریج احادیث ہدایہ بحوالہ غایۃ السعایہ ج 7 ص 304)

حدیث:

حضرت عائشہ صدیقہ ؓ اسے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ہمیشہ شب باشی میں تقسیم کرتے اپنی عورتوں کے درمیان میں اور عدل کرتے اور پھر کہتے یا اللہ یہ میری تقسیم ہے اس چیز میں جس کا میں اختیار رکھتا ہوں سو تو ملامت مت کر مجھ کو اس میں جس کا میں اختیار نہیں رکھتا بلکہ تو اختیار رکھتا ہے یعنی محبت وغیرہ میں۔ (ترمذی ابواب النکاح باب ماجاء فی التسویۃ بین الضرائر ابو داؤد کتاب النکاح باب القسم بین النساء)

ہم نے صرف وہ دو حدیثیں نقل کی ہیں جن کو صاحب ہدایہ نے پہلے مسئلہ میں ذکر کیا ہے یہ دونوں مطلق ہیں جن میں نئی اور پرانی کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ حنفی مذہب ان احادیث کے مطابق ہے اور یہ احادیث قرآن کے مطابق ہیں۔

قرآنی دلائل

پہلی آیت: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً

پھر اگر تم ڈرو اس بات سے کہ نہ انصاف کر سکو گے تو نکاح کرو ایک ہی سے۔

(پارہ نمبر 4 سورۃ النساء آیت نمبر 3)

دوسری آیت:

وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِيۡلُوۡا كُلَّ الۡمَيۡلِ فَتَذَرُوۡهَا كَالۡمُعَلَّقَةِ

(پارہ نمبر 5 سورۃ نساء آیت نمبر 129)

اور تم عورتوں کے درمیان (محبت میں) ہرگز عدل نہ کر سکو گے خواہ تمہیں اس کی کتنی حرص ہو پھر ایسا تو نہ کرو کہ ایک کی طرف بالکل جھک جاؤ اور دوسری کو بیچ میں لٹکتا ہوا چھوڑ دو۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے درمیان نئی اور پرانی عورتوں کا فرق کئے بغیر عدل کو واجب کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ بھی تقسیم کے معاملہ میں اپنی ازواج میں عدل فرماتے تھے جیسا کہ اوپر حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں گذرا۔

رہی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے حنیفہ اس کا انکار نہیں کرتے۔ بلکہ اس کی ایسی توجیہ کرتے ہیں کہ یہ روایت قرآن اور ان احادیث کے مطابق ہو جائے جو ہم نے نقل کی ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک اس کا مطلب باری میں کمی زیادتی کرنا نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ باری کی ابتداء نئی بیوی سے ہونی چاہیے۔ یعنی اگر کنواری سے شادی کی ہے تو اس کے پاس سات رات رہے تو اور بیویوں کے پاس بھی سات سات رات رہے اور اگر شادی شدہ (بیوہ یا طلاق شدہ) عورت سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین رات رہے۔ تو اور بیویوں کے پاس بھی تین تین رات رہے پس جدیدہ بیوی باکرہ یا ثیبہ کے بعد سات یا تین کا دور اسی سے شروع کرے پھر قدیمہ کے پاس بھی اسی طرح رہے ہماری اس توجیہ کی تائید حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی ہوتی ہے جس کو امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

حدیث:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نکاح کرنے کے بعد ان کے پاس تین دن رہے پھر فرمایا تم اپنے شوہر کی نظروں سے اتری نہیں ہو، اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس ایک ہفتہ قیام کرلوں اور اگر میں تمہارے پاس ایک ہفتہ رہا تو میں اپنی تمام ازواج کے پاس ایک ایک ہفتہ رہوں گا۔

(مسلم کتاب الرضاع باب قدر ما تستحقه البکر و الثيب۔ مسلم کے علاوہ طحاوی مسند احمد۔
طبرانی مسند ابویعلیٰ۔ بیہقی وغیرہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے)

اس حدیث میں آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ پھر اوروں کے پاس بھی اسی قدر رہنا ہوگا اس بات پر صریح دلالت کرتا ہے کہ برابری ہونی چاہئے۔

اعتراض نمبر ②

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ ②: **مذبوحہ حاملہ جانور کے حمل کا حکم۔**

حدیث نبوی ﷺ

عن جابر ان النبی ﷺ قال زکوۃ الجنین زکوۃ امه

ترجمہ: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مادہ جانور کو ذبح کرنے سے اس کے پیٹ میں موجود بچہ بھی ذبح ہوجاتا ہے۔

(ابوداوٗد ج2 کتاب الضحایا باب ما جاء في ذکوة الجنين صفحه 34-35 رقم الحدیث 2828) (ترمذي ج1 ابواب الصيد باب ذکوة الجنين صفحه 178۔ عن ابي سعيد۔ رقم الحديث 1476)

فقہ حنفی

و من نحر ناقة او ذبح بقرة فوجد في بطنها جنينا ميتا لم يوكل اشعر اولم يشعر

(هداية اخرين كتاب الذبائح ص440 ص 4)

یعنی جس نے اونٹنی نحر کی یا گائے ذبح کی، اور اس کے پیٹ میں مرا ہوا بچہ پایا تو وہ بچہ کھانے میں استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ (فقہ و حدیث ص 41)

جواب:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کی دلیل یہ ہے کہ بچہ جب اپنی ماں کے پیٹ میں تخلیق کے تمام مراحل طے کر لیتا ہے اور اس میں روح پڑ جاتی ہے تو اب وہ محض ماں کے بدن کا ایک جزو نہیں رہتا بلکہ وہ ایک مستقل وجود بن جاتا ہے چنانچہ شریعت بھی اس کا اعتبار ایک مستقل وجود کے طور پر کر کے یہ قرار دیتی ہے کہ اگر کوئی شخص حاملہ عورت کو قتل کر دے تو ماں کے قصاص یا دیت کے علاوہ اس کے پیٹ میں موجود بچے کی بھی الگ دیت اس پر لازم آئے گی جیسا کہ (صحیح مسلم ج 2 ص 62 کتاب القسامۃ والمحاربین والقصاص والدیات باب دیۃ الجنین ووجوب الدیۃ) کی مندرجہ ذیل حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

حدیث:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہذیل کی دو عورتیں لڑیں اور ایک نے دوسری کے پتھر مار کر اسے اور اس کے پیٹ کے بچے کو ہلاک کر دیا۔ انہوں نے (مقتولہ کے ورثاء) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مقدمہ پیش کیا رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ پیٹ کے بچے کا تاوان ایک غلام یا باندی ہے اور عورت کی دیت اس کے قاتلہ کے عاقلہ (ددھیال کے رشتہ داروں) پر ہے اور عورت (مقتولہ) کی اولاد اور اس کے رشتہ داروں کو اس (دیت) کا وارث قرار دیا۔

حمل بن نابغہ ہذلی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں اس کا تاوان کیسے ادا کروں جس نے کھایا نہ پیا، نہ بولا نہ چلایا ایسے بچے کی دیت نہیں دی جاتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس مسجع عبارت (قافیہ والی عبارت) کی وجہ سے یہ شخص کاہنوں کا بھائی معلوم ہوتا ہے)

اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ ماں کے پیٹ کا بچہ ایک مستقل وجود رکھتا ہے جس کی وجہ سے ماں کی دیت کے علاوہ بچے کی الگ دیت کا حکم آپؐ نے دیا۔

اور فقہاء کے ہاں یہ بھی مسلم ہے کہ ماں کے پیٹ کے اندر بچے میں روح پڑھنے سے پہلے تو کسی شدید ضرورت کی بنا پر حمل گرانا جائز ہے۔ لیکن بچے میں روح پڑ جانے کے بعد حمل گرانا قتل کے حکم میں آتا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن حزم لکھتے ہیں۔

وان کانت عمدت قتلہ فالقود علیہا او المعاداۃ فی مالہا

اور اگر اس نے بچہ کو قتل کرنے کے ارادے سے اسقاط کیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا یا اس کے مال سے تاوان لیا جائے گا۔ (محلی ابن حزم ج 11 ص 31)

چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جب عقلاً و شرعاً جانور اور اس کے پیٹ کا بچہ دو الگ وجود ہیں تو ایک کو ذبح کرنے سے دوسرا حلال نہیں ہو سکتا۔ تجربہ بھی یہی ثابت کرتا ہے کہ جانور کو ذبح کرنے سے اس کے پیٹ میں موجود بچہ ذبح نہیں ہوتا۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بچہ اس کے پیٹ سے زندہ نکل آتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جانور کے پیٹ میں موجود بچہ اپنی ماں کے ذبح ہونے سے ذبح نہیں ہوتا۔ بلکہ ماں کی موت کے بعد سانس رک جانے کی وجہ سے دم گھٹ کر بھی مر جاتا ہے اور یہی چیز ہے کہ جس کو قرآن نے نام لے کر حرام قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ (پارہ نمبر 6 سورۃ المائدہ آیت نمبر 3)

تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو جانور کہ غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مر جاوئے اور جو کسی ضرب سے مر جائے اور جو اونچے سے گر کر مر جاوئے اور جو کسی ٹکر سے مر جاوئے اور جس کو کوئی درندہ کھانے لگے لیکن جس کو ذبح کر ڈالو۔

اس لئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جانور کے پیٹ سے مردہ نکلنے والے بچے کو حرام قرار دیتے ہیں۔ چونکہ اس کی (یعنی مردہ نکلنے والے بچے کی) حرمت نص قرآنی سے ثابت ہے قرآن نے میتہ کو حرام کہا ہے اور یہ میتہ ہے۔

تابعی کبیر حضرت امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ:

و كان يروى عن حماد عن ابراهيم انه قال لا تكون زكوة نفس زكوة نفسين

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ایک کا ذبح کرنا دو کا ذبح کرنا نہیں ہو سکتا۔

(موطا امام محمد کتاب الضحایا باب زکوۃ الجنین زکوۃ امہ)

قارئین کرام آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ فقہ حنفی کا اس مسئلہ میں قرآن پر عمل ہے، ہم نے یہاں پر صرف ایک آیت نقل کی ہے ویسے قرآن میں میتہ کے حرام ہونے پر کئی آیات موجود ہیں۔

رہی وہ روایت جو مولانا بدیع الدین صاحب غیر مقلد نے نقل کی ہے۔ اس کا ایسا مفہوم لینا

ضروری ہے جو قرآن کے مطابق ہو اس لئے فقہائے احناف نے اس حدیث کی کئی توجیہیں کی ہیں تاکہ یہ حدیث قرآن کے مطابق ہو جائے۔ اور قرآن و حدیث میں جو بظاہر تعارض نظر آ رہا ہے وہ ختم ہو جائے۔ ہم یہاں پر صرف دو توجیہیں نقل کرتے ہیں۔

پہلی توجیہہ یہ ہے کہ یہ حکم اس بچے کے بارے میں ہے جس کے اندر ابھی روح نہ ڈالی گئی ہو۔ روح ڈالنے سے قبل چونکہ وہ کوئی الگ زندہ وجود نہیں ہوتا بلکہ محض ماں کے جسم کا ایک حصہ ہوتا ہے اس لئے ذبح کرنے میں بھی وہ ماں کے تابع ہوگا۔ علامہ ابن حزم کی روایت کے مطابق امام ابو حنیفہ کا فتویٰ بھی اس صورت میں یہی ہے۔ البتہ روح پڑ جانے کے بعد اس کو ماں کے تابع قرار دینا مذکورہ بالا دلائل کے پیش نظر ممکن نہیں۔ اس صورت میں یہ ماں کے ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوگا۔

دوسری توجیہہ یہ ہے کہ اس حدیث کے الفاظ کا ترجمہ عربی زبان کی رو سے جسے وہ ہو سکتا ہے جو مولانا بدیع الدین صاحب نے کیا ہے اس طرح یہ ترجمہ بھی ہو سکتا ہے کہ جانور کے پیٹ کے بچے کو ذبح کرنا اس کی ماں کو ذبح کرنے ہی کی طرح ہے۔ یعنی جس طرح جانور کو ذبح کیا گیا ہے اسی طرح اس کے پیٹ میں موجود بچے کو بھی ذبح کرنا ضروری ہے اس کے بغیر وہ حلال نہیں ہوگا۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ جانور کے پیٹ سے مردہ نکلنے والا بچہ اپنی ماں کے ذبح ہونے سے ذبح نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے ذبح ہو جانے کے بعد دم گھٹنے سے اور سانس رُک جانے کی وجہ سے وہ مر جاتا ہے اور قرآن مجید نے ایسے جانور کو حرام قرار دیا ہے اس لئے حدیث کو یا تو اس جانور پر محمول کیا جائے گا جس میں ابھی روح نہیں ڈالی گئی یا یہ معنی لیا جائے گا کہ اس کی ماں کی طرح اس کے بچے کو بھی ذبح کرنا ضروری ہے۔

اگر ان میں سے کوئی سی توجیہہ بھی اختیار کی جائے تو یہ حدیث قرآن کے مطابق ہو جاتی ہے اور حنفی مذہب قرآن و حدیث کے مطابق قرار پاتا ہے۔

حنفی مذہب میں احتیاط کا پہلو زیادہ نمایاں ہے

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حلال و حرام کے مسائل میں زیادہ سخت ہیں کسی چیز میں ذرا بھی حرام کا شبہ پڑ جائے آپ اس سے منع کرتے ہیں۔ اور آپ کا یہ نظریہ حدیث کے مطابق ہے۔

حدیث:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی۔ ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ ہیں ان کو بہت

سے لوگ نہیں جانتے سو جو شخص ان مشتبہات سے بچا تو اس نے اپنا دین اور عزت بچالی اور جو مشتبات میں جا پڑا (گویا) وہ حرام میں جا پڑا جیسے چراگاہ کے اردگرد جانوروں کو چرانے والا قریب ہے کہ چراگاہ میں جا پڑے۔ (بخاری ج 1 ص 13 ابن ماجہ بن ص 296)

حدیث:

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ چیز چھوڑ دے جو تجھے تردد اور اشتباہ مین ڈالے۔

(مستدرک حاکم ج 2 ص 12)

ان احادیث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جن امور میں شک وشبہ ہو اس کو چھوڑ دینا بہتر ہوتا ہے۔ لہذا اس مسئلہ میں حنفی مذہب قرآن وحدیث کے مطابق ہے مخالف نہیں۔

اعتراض نمبر ③

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ③: گدھوں اور گھوڑوں کی حرمت وحلت کے بارے میں

حدیث نبوی ﷺ

عن جابر ان النبی ﷺ نھی یوم خیبر عن لحوم الحمر الاھلیة واذن فی لحوم الخیل

ترجمہ: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر والے دن پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے روک دیا اور گھوڑے کا گوشت کھانے کی اجازت دی۔

(صحیح بخاری ج2 کتاب المغازی باب غزوہ خیبر صفحہ 606 کتاب الذبائح والصید باب لحوم الخیل ص 829) (صحیح المسلم ج2 کتاب الصید والذبائح ومایوکل من الحیوان باب اباحة اکل لحم الخیل صفحہ 150, رقم الحدیث 1941 واللفظ لمسلم)

فقہ حنفی

ویکرہ لحم الفرس عند ابی حنیفة

(ھدایہ آخرین ج4 کتاب الذبائح ص 441)

یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے۔

(فقہ وحدیث ص 42)

جواب:

گھوڑوں کے گوشت کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا صحیح مسلک یہ ہے۔ کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ کی جامع الصغیر میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ میں گھوڑوں کا گوشت کھانے کو مکروہ سمجھتا ہوں۔ (جامع صغیر)

علامہ وحید الزماں غیر مقلد بھی امام ابوحنیفہ کا مذہب یہی بتاتے ہیں وہ فرماتے ہیں۔ ابوحنیفہ کے نزدیک بھی کراہت گھوڑے کی تنزیہی ہے۔ (ابوداؤد مترجم جلد سوم ص 146)

فقہاء احناف میں سے بعض نے اس کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا ہے اور بعض نے کراہت تحریمی پر لیکن فقہ حنفی میں صحیح یہی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ گھوڑے کا جھوٹا ان کے نزدیک پاک اور پیشاب نجاست خفیفہ ہے جب کہ حرام جانوروں کے بارے میں ان کا مسلک یہ ہے کہ ان کا جھوٹا ناپاک اور پیشاب نجاست غلیظہ ہے۔ (دیکھئے کتب فقہ)

گھوڑوں کے گوشت کے بارے میں یہی مسلک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔ امام مالک اور امام اوزاعی۔ حکم بن عیینہ امام زہری اور امام ابوعبید سے منقول ہے امام ابوحنیفہ اور یہ دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ گھوڑوں کا گوشت کھانا اگرچہ حلال ہے لیکن ان کی تخلیق کا اصل مقصد ان کے گوشت کا استعمال نہیں بلکہ ان پر سواری کرنا اور میدان جنگ میں ان سے خدمت لینا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید نے سورۃ نحل میں چوپایوں کا ذکر کر کے ان کے فوائد ومنافع اور ان کے گوشت کے استعمال کا بھی ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝

(پارہ نمبر 14 سورۃ نحل آیت نمبر 5)

اور اسی نے چوپایوں کو بنایا ان میں تمہارے جاڑے کا بھی سامان ہے اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے کھاتے بھی ہو۔

لیکن اس کے متصل بعد گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کا ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا

(پارہ نمبر 14 سورۃ نحل آیت نمبر 8)

اور گھوڑے اور خچر اور گدھے بھی پیدا کیے تا کہ تم ان پر سوار ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ فائدہ تو بتایا ہے کہ تم ان پر سواری کر سکو، لیکن ان کے گوشت کے استعمال کا ذکر نہیں کیا۔

اس سے اگر چہ یہ استدلال درست نہیں کہ ان کا استعمال صرف انہی کاموں کے لئے ہوتا ہے کسی دوسرے کام کے لئے نہیں ہوسکتا تاہم اس بات کا لحاظ ضرور رکھا گیا ہے کہ ان کے اصلی اور غالب منافع کا ذکر کیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گھوڑوں کی تخلیق اصلاً ان کا گوشت کھانے کے لئے نہیں بلکہ سواری اور جفاکشی کے لئے کی گئی ہے۔

اعتراض نمبر ④

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ④ مرنے والے کے ذمہ روزوں کی قضا کا حکم

حدیث نبوی ﷺ

عن عائشة ؓ قالت قال رسول الله ﷺ من مات و علیه صیام صام عنه ولیه

ترجمہ: سیدہ عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مرنے والے پر اگر روزوں کی قضا ہو تو وہ قضا اس کے وارث اس کی طرف سے پوری کریں گے۔

(صحیح بخاري ج 1 کتاب الصوم باب من مات علیه صوم صفحه 63-262 رقم الحدیث 1147) صحیح المسلم ج 1 کتاب الصیام باب قضاء الصوم عن المیت صفحه 362 رقم الحدیث 1952)

فقه حنفی

من مات و علیه قضاء رمضان فاوصی به اطعم عن ولیه لکل یوم نصف صاع من بر او من تمر او شعیر ولا یصوم عنه الولی

ھدایہ اولین ج1 کتاب الصوم باب مایوجب القضاء والکفارۃ صفحہ 222-23

یعنی مرنے والے پر اگر رمضان کے روزوں کی قضا ہو اور وہ ان کے بارے میں وصیت کر جائے تو اس کے وارث اس کی طرف سے روزے تو نہیں رکھ سکتے۔ البتہ ہر دن گندم یا کھجور یا جو کا آدھا صاع میت کی طرف سے (مسکینوں کو) کھلا سکتے ہیں۔

(فقہ و حدیث ص 43)

جواب:

امام ابوحنیفہ ؒ کا مسلک اس مسئلہ میں یہ ہے کہ ایسی عبادت جو محض بدنی ہیں جیسے نماز اور روزہ ان میں کسی دوسرے آدمی کی نیابت کرنے سے یہ عبادتیں ادا نہیں ہوتیں۔ البتہ جو عبادات محض بدنی نہیں بلکہ مالی بھی ہیں۔ جیسے حج ان میں اگر اصل شخص عاجز ہو جائے تو دوسرا شخص اس کا نائب بن کر اس کی طرف سے عبادت کر سکتا ہے۔ رہیں وہ عبادات جو محض مالی ہیں جیسے زکوۃ اور صدقہ فطر تو ان میں مطلقاً نیابت درست ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ امام صاحب کے نزدیک نماز یا روزہ کوئی شخص دوسرے کی طرف سے نائب بن کر ادا نہیں کر سکتا روزے کا فدیہ دوسرے شخص کی طرف سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ یہی مسلک امام شافعی امام مالک اور جمہور اہلِ علم کا ہے اور اس پر صریح اور واضح دلائل موجود ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص مر جائے اور اس کے ذمے رمضان کے مہینے کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھلانا کھلایا جائے۔ (ترمذی ج1 ص 152)

حدیث:

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں کوئی آدمی دوسرے آدمی کی طرف سے ہرگز نماز نہ پڑھے اور نہ دوسرے کی طرف سے روزہ رکھے بلکہ اگر تم کرنا ہی چاہتے ہو تو اس کی طرف سے صدقہ کر دو یا ہدیہ دے دو۔

(مصنف عبدالرزاق ج9 ص 61، سنن الکبری بیہقی ج4 ص 254۔ 425 ص 44، موطا امام مالک ص 245)

حدیث:

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں۔ کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کی طرف سے نماز نہ پڑھے اور نہ کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کی طرف سے روزہ رکھے بلکہ ہر روزے کے بدلے میں ایک مد کھانا کھلادے۔ (مشکل الآثار للطحاوی ج3 ص 141 تلخیص الحبیر ج2 ص209)

حدیث

حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے عمرہ بنت عبدالرحمن نے پوچھا کہ میری والدہ وفات پا گئی ہیں اور ان کے ذمہ رمضان کے روزے باقی تھے۔ تو کیا میں ان کی طرف سے قضا کرلوں؟

حضرت عائشہ رضی صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہیں بلکہ اس کی طرف سے ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین پر صدقہ کرو۔ یہ تمہارے روزے رکھنے سے بہتر ہے۔
(مشکل الاثار للطحاوی ج 3 ص 142 المحلی ابن حزم ج 7 ص 4 علامہ ماردینی نے اسکی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ الجواہر النقی ج 4 ص 25)

حدیث:

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے ذمے رمضان کے روزے باقی ہوں اور وہ مرجائے تو اس کی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو کھلانا کھلایا جائے۔ (مصنف عبدالرزاق ج4 ص 237)

اہل مدینہ کا عمل:

علاوہ ازیں صحابہ کرام کے دور میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جس میں کسی دوسرے آدمی کی طرف سے نماز یا روزہ کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہو۔ چنانچہ امام مالک فرماتے ہیں۔

> میں نے مدینہ منورہ میں صحابہ کرام یا تابعین میں سے کسی کے بارے میں یہ نہیں سنا کہ انہوں نے کسی دوسرے شخص کی طرف سے نماز یا روزہ ادا کرنے کا حکم دیا ہو بلکہ وہ سب اپنا عمل اپنے ہی لئے کرتے ہیں اور کوئی شخص بھی دوسرے کی طرف سے عمل نہیں کرتا۔ (نصب الرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ ج2 ص 463)

رہی وہ روایت جو پیر بدیع الدین شاہ راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کا مندرجہ بالا قوی اور صحیح دلائل کی روشنی میں ایسا مفہوم مراد لینا ضروری ہے جو مذکورہ احادیث کے خلاف نہ ہو۔

چنانچہ اس روایت کی یہ توجیہ کی گئی ہے کہ پہلے نیابتاً روزہ رکھنے کی اجازت تھی جو کہ بعد میں منسوخ

ہوگئی اور اس کے منسوخ ہونے کا قرینہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو کہ اجازت کی روایت کی راوی ہیں۔ ان کا فتوی اس کے خلاف موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اجازت منسوخ نہ ہوگئی ہوتی تو آپ اپنی روایت کے خلاف فتوی نہ دیتی۔ لہذا یہ روایت منسوخ ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ میت کی طرف سے نائب بن کر روزہ رکھا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی طرف سے نفلی روزہ رکھ کر اس کا ثواب میت کی روح کو پہنچا دے۔

تیسری توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے یعنی اس کی طرف سے روزہ رکھنا، کھانے سے اس کا تدارک کر دینا ہے پس جب مساکین کو کھانا دینے سے وہ میت رزوے سے بری ہوگی تو گویا اس شخص نے اس کی طرف سے روزے ادا کئے۔

قارئین کرام فقہ حنفی کا یہ مسئلہ احادیث کے مطابق ہے نہ کہ مخالف

اعتراض نمبر ⑤

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ⑤: رضاعت کب ثابت ہوگی؟

حدیث نبوی ﷺ

عن ام الفضل قالت ان النبی ﷺ و قال لا تحرم الرضعة او الرضعتان

ترجمہ: سیدہ ام الفضل بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک چسکی یا دو چسکیوں سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

(مسلم ج 1 کتاب الرضاع صفحہ 469 باب في المصة والمصتان رقم الحديث 3593)

فقہ حنفی

قلیل الرضاع و کثیرۃ سواء اذا حصل فی مدۃ الرضاع یتعلق بہ التحریم

(ھدایہ اولین ج 2 کتاب الرضاع صفحہ 350)

دودھ تھوڑا پیا ہو یا زیادہ، جب رضاعت کی مدت میں ہو تو اس سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ (فقہ و حدیث ص 44)

جواب:

امام ابوحنیفہ کا مسلک اس مسئلے میں قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ اُمَّهٰتُكُمۡ وَبَنٰتُكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ وَعَمّٰتُكُمۡ وَخٰلٰتُكُمۡ وَبَنٰتُ الۡاَخِ وَبَنٰتُ الۡاُخۡتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىۡۤ اَرۡضَعۡنَكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ مِّنَ الرَّضَاعَةِ

(پارہ نمبر 4 سورۃ نساء آیت نمبر 23)

حرام قرار دی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اورر تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں اور حرام قرار دی گئی ہیں تم پر تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ کی بہنیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف دودھ پلانے کی وجہ سے انا (یعنی دودھ پلانی والی) کو حرام کہا ہے کیونکہ وہ اس کی رضائی ماں ہوجاتی ہے۔

دودھ قلیل پیا ہو یا کثیر سب کو شامل ہے۔ اسی طرح جس لڑکے یا لڑکی نے کسی عورت کا دودھ پیا ہوگا چاہے قلیل ہو یا کثیر، رضائی بھائی بہن بن جاتے ہیں ان کا آپس میں نکاح حرام ہے۔

فقہ حنفی کا مسئلہ اس آیت کے مطابق ہے کیونکہ آیت میں مطلق دودھ پینے کا ذکر ہے کسی قسم کی کوئی مقدار اللہ تعالیٰ نے متعین نہیں فرمائی۔

اعتراض نمبر ⑥

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ⑥: کتنی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا؟

حدیث نبوی ﷺ

عن عائشہ عن رسول اللہ ﷺ قال لا تقطع ید السارق الا بربع دینار فصاعدا۔

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چور کا ہاتھ دینار کے چوتھے حصے (تین درہم) کے برابر چوری کرنے یا اس سے زیادہ کی چوری کرنے کی وجہ سے کاٹا جائے گا۔

بخاري ج2 كتاب الحدود باب قول الله والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما صفحه 10041003۔ رقم لحديث. 6790) (مسلم ج2 كتاب الحدود باب حد السارق و نصابها صفحه 63. واللفظ لمسلم رقم لحديث 4400)

فقہ حنفی

و اذا سرق العاقل البالغ عشرة دراهم او ما يبلغ فيمة عشرة دراهم مضروبة من حرز لا شبهة فيه و جب عليه القطع

(هداية اولين ج2 كتاب السرقة صفحه 537)

جب عاقل اور بالغ دس درہم کی چوری کرے گا یا ایسی چیز کی چوری کرے گا جس کی قیمت دس درہم ہے، تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔

(فقہ و حدیث ص 45)

جواب:

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی دلیل یہ ہے کہ نصاب سرقہ کے باب میں اصل کی حیثیت آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کو حاصل ہے کہ چوری کرنے والے کا ہاتھ ایک ڈھال کی قیمت سے کم مال میں نہ کاٹا جائے۔ (نسائی ج 2 ص 223)

اور اس اصولی حکم پر ہی آنحضرت ﷺ کی ساری زندگی میں عمل ہوا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں کسی چور کا ہاتھ ایک لاٹھی یا ڈھال کی قیمت سے کم میں نہیں کاٹا گیا۔ (صحیح بخاری کتاب الحدود پارہ 27)

ان دو احادیث سے معلوم ہوا کہ ڈھال کی قیمت پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔

اب یہ معلوم کرنا ہے کہ ڈھال کی قیمت کیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں ڈھال کی قیمت کے متعلق روایات مختلف آئیں ہیں۔ وہ ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

1- حضرت عائشہ ؓ کی روایت جس میں ربع دینار (یعنی تین درہم) کا ذکر آیا ہے وہ راشدی صاحب نقل کی ہے۔

2- عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ کاٹا ایک ڈھال کے چرانے میں جس کی قیمت پانچ درہم تھی۔ (نسائی ج2 ص257)

3- حضرت قتادہ سے روایت ہے میں نے انس ؓ سے سنا کہتے تھے ایک شخص نے ڈھال چرائی ابوبکر صدیق ؓ کے زمانے میں اس کی قیمت لگائی گئی پانچ درہم پھر اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔

(نسائی ج2 ص257)

4- حضرت عائشہ ؓ نے کہا بہت عرصہ نہیں گزرا میں بھول گئی چوتھائی دینار میں ہاتھ کاٹا جائے گا یا زیادہ میں۔ (نسائی ج2 ص257)

5- حضرت سلیمان بن یسار نے کہا نہ کاٹا جائے ہاتھ کا پنجہ مگر پنجے میں
(یعنی پانچ درہم کی مالیت میں) (نسائی مترجم جلد 3 ص 353 فرید بک سٹال لاہور)

6- حضرت عروہ ؓ سے روایت ہے حضرت عائشہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے نہ کاٹا جائے ہاتھ مگر ڈھال کی چوری میں یا اس کی قیمت کے برابر دوسری چیز میں۔ عروہ نے کہا ڈھال چار درہم کی ہوتی ہے۔ (نسائی مترجم جلد 3 ص 353)

7- حضرت ایمن سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ نہیں کٹوایا چور کا مگر ڈھال کی قیمت میں اور ڈھال کی قیمت ان دنوں ایک دینار تھی۔ (نسائی ج2 ص225)

8- حضرت ایمن سے روایت ہے چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا ڈھال کی قیمت میں اور ڈھال کی قیمت رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک دینار تھی اور عشرۃ دراھم
(یا دس درہم) (نسائی ج2 ص225)

9- حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کہتے تھے ڈھال کی قیمت ان دنوں دس درہم تھی۔ (نسائی)

10- حضرت عطا نے کہا کم سے کم جس میں ہاتھ کاٹا جائے ڈھال کی قیمت ہے اور وہ ان دنوں میں دس درہم تھی۔

(نسائی جلد 3 ص 453) (مصنف ابن ابی شیبہ ج9 ص474، مصنف عبدالرزاق ج10 ص 233)

ان متعارض روایات میں تطبیق دینا ضروری ہے چنانچہ علمائے احناف نے ان میں یوں تطبیق

[illegible] ہے کہ ڈھال کی قیمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مختلف اوقات میں بدلتی رہی ہے۔ ابتدا میں ڈھال کی قیمت ربع دینار (تین درہم) تھی اس لئے حضور ﷺ نے اس زمانے میں حکم دیا کہ ربع دینار کی چوری میں چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ پھر ڈھال کی قیمت بڑھ کر پانچ درہم ہوگئی ابن عمر کی دوسری روایت میں اسی کا ذکر ہے۔ پھر اس کے بعد ڈھال کی قیمت اور بڑھ کر دس درہم ہوگئی ابن عباس اور ایمن رضی اللہ عنہما کی روایات میں اسی زمانے کا ذکر ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے مثال کے طور پر پہلے اونٹوں کے سستا ہونے کی وجہ سے دیت چار سو درہم تھی بعد میں اونٹوں کے مہنگا ہو جانے کی وجہ سے یہ آٹھ سو درہم ہوگئی۔ (سنن ابی داؤد ج 1 ص 279)

چونکہ سب سے آخر میں ڈھال کی قیمت دس درہم ہوگئی تھی اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی یہ ہے کہ دس درہم سے کم مال میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا۔ اس فتوے کے حق میں مزید روایات حسب ذیل ہیں۔

1- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے تھے کہ حضور انور ﷺ کے زمانہ میں ڈھال کی قیمت دس درہم تھی۔ (نسائی جلد 3 ص 453)

2- عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ڈھال کی قیمت دس درہم تھی۔ (نسائی ج)

3- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا چور کا ہاتھ دس درہم سے کم نہیں کاٹا جائے گا۔

(کتاب الآثار امام محمد ص 109)

4- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ چور کا ہاتھ ڈھال سے کم قیمت کی چیز میں نہ کاٹا جائے۔ اور ڈھال کی قیمت دس درہم ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 9 ص 474)

5- حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ڈھال کی قیمت دس درہم ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 9 ص 474، مصنف عبدالرزاق ج 10 ص 233)

6- حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہاتھ نہ کاٹا جائے گا سوائے ایک دینار کے یا دس درہم کے۔ (مصنف ابی شیبہ ج 9 ص 474، مصنف عبدالرزاق ج 10 ص 233)

7- حضرت ابو جعفر سے روایت ہے کہ ڈھال کی قیمت ایک دینار ہے جس میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج9 ص474)

8- حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ ہاتھ نہیں کاٹا جاتا مگر ڈھال (کی قیمت) میں راوی نے کہا کہ میں نے ابراہیم سے کہا کہ اس کی کیا قیمت ہے (ابراہیم نے) کہا کہ ایک دینار۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج9 ص475، مصنف عبدالرزاق ج10 ص234)

9- عمرو بن شعیب سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں سعید ابن المسیب کے پاس گیا اور میں نے ان سے کہا کہ آپ کے ساتھی عروہ بن زبیر، محمد بن مسلم زہری اور ابن یسار کہتے ہیں کہ ڈھال کی قیمت پانچ درہم ہے؟ (میرے اس سوال کے جواب میں سعید بن المسیب نے) کہا کہ رہی یہ بات (ڈھال کی قیمت والی) تو اس بارے میں سنت نبویؐ چلی آرہی ہے کہ ڈھال کی قیمت دس درہم ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج9 ص474)

10- قاسم بن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ ایک آدمی کو جس نے کپڑا چرایا تھا حضرت عمر بن خطاب ؓ کے پاس لایا گیا تو انہوں نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمان ؓ نے کہا کہ اس کپڑے کی قیمت دس درہم سے کم ہے۔ چنانچہ تحقیق کی گئی تو اس کپڑے کی قیمت آٹھ درہم نکلی پس حضرت عمر ؓ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج9 ص474، مصنف عبدالرزاق ج10 ص233)

11- حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (نصب الرایہ 332)

12- حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا (عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا دس درہم سے کم میں نہیں ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا۔

(نصب الرایہ ج ص)

13- عن ابی المسیب قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سرق السارق ما یبلغ ثمن المجن قطعت یدہ و کان ثمن المجن عشرۃ دراھم

(مصنف عبدالرزاق ج10 ص233)

ابن المسیب ؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب چور کوئی ایسی چوری کرے جس کی قیمت ڈھال کی قیمت تک پہنچتی ہو تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے اور ڈھال کی قیمت دس درہم تھی۔

14- عن علی قال لا یقطع فی اقل من دینار او عشرۃ دراھم

(مصنف عبدالرزاق ج10 ص233) حضرت علی ؓ فرماتے ہیں کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم مال کی چوری پر ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

15- عبداللہ ابن مسعود ؓ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

16- حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص ؓ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ چور کا ہاتھ درہم سے کم مال میں نہ کاٹا جائے۔

فقہ حنفی کا مسئلہ ان احادیث آثار کے مطابق ہے۔ رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے وہ پہلے دور کی ہے اس لئے ان دلائل کے مقابلہ میں ہمارے نزدیک قابل عمل نہیں۔ ویسے بھی شریعت اسلامیہ کسی انسان پر ظلم و زیادتی نہیں کرتی اور حدود نافذ کرنے میں ہمارے اسلامی قانون میں بہت ہی احتیاط سے کام لیا جاتا ہے۔ اسلام کا منشاء کسی کو بلاوجہ بے کار کرنے کا نہیں۔ جب ثمن اور دس درہم کی روایات موجود ہیں۔ تو احتیاط اور شک شبہ سے پاک دس درہم والی بات ہی بہتر معلوم ہوتی ہے۔ اور صحابہ کرام کا عمل خاص کر خلیفہ راشد حضرت عمر بن خطاب کا عمل دس درہم والی روایت کے مطابق پایا گیا اس لئے امام ابوحنیفہ نے اس روایت پر عمل کیا جس پر صحابہ نے عمل کیا۔ اور جو آخری زمانہ سے تعلق رکھتی تھی۔

اعتراض نمبر ⑦

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ⑦: حق مہر کم سے کم کتنا ہو؟

حدیث نبوی ﷺ

عن جابر ان رسول اللہ ﷺ قال من اعطی فی صداق امراته ملا کفیه سویقاً او تمرا فقد استحل

ترجمہ: سیدنا جابر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اپنی بیوی کو حق مہر میں ستو یا کھجور کی دونوں ہتھیلیاں بھر کے دیں تو اس نے اس کو حلال کر دیا۔

(ابو داؤد ج1 کتاب النکاح باب قلة المهر صفحہ 294 رقم الحدیث 2110)

فقہ حنفی

واقل المهر عشرة دراهم ولو سمى اقل من عشرة فلها العشر عندنا

هداية اولین ج2 کتاب النکاح باب المهر صفحہ 324۔

حق مہر کم سے کم دس درہم ہے۔۔۔ اور اگر کسی نے دس درہم سے کم حق مہر مقرر کیا تو ہمارے مذہب کے مطابق وہ حق مہر دس درہم ہی ہوگا۔ (فقہ و حدیث ص 46)

جواب:

یہاں پر اصل مسئلہ یہ ہے کہ مہر کی کوئی مقدار مقرر ہے کہ نہیں غیر مقلدین کے نزدیک کوئی مقدار مقرر نہیں اور احناف کے ہاں مقرر ہے۔ احناف کا مسلک قرآن وسنت کی روشنی میں یہ ہے کہ دس درہم سے کم مہر نہیں ہو سکتا۔ فقہ حنفی کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

1- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **قد علمنا ما فرضنا علیهم فی ازواجهم** تحقیق ہمیں علم ہے جو کچھ ہم نے مردوں پر ان کی بیویوں کے بارے مقرر کیا ہے۔ (سورۃ احزاب آیت نمبر 50 پارہ نمبر 22)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے مہر کی ایک خاص مقدار مقرر کی ہے۔ لیکن قرآن مجید اس مقدار کے بیان میں مقرر ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے اس کی تشریح فرمائی ہے۔

2- حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دس درہم سے کم کوئی مہر نہیں۔

(سنن الکبری بیہقی ج7 ص 240، سنن دار قطنی ج ص 245)

3- حضرت علی ؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ دس درہم سے کم کوئی مہر نہیں۔

(سنن الکبری ج7 ص 240، سنن دار قطنی ج3 ص 245)

حضور نبی کریم ﷺ کا اپنا مہر

4- ابو سلمہ نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ ؓ سے نبی اکرم ﷺ کے مہر کی بابت سوال کیا۔

انہوں نے فرمایا کہ وہ بارہ اوقیہ اور نش۔ میں نے کہا نش کیا ہے؟ فرمایا نصف اوقیہ۔

(ابو داؤد ج ص)

ایک اوقیہ چالیس درہم کا تھا تو اس حساب سے ساڑھے بارہ اوقیے پانچ سو درہم ہوئے۔

-5 حضور ﷺ نے بالعموم ازواج رضی اللہ عنہن کو اس قدر مہر دیا ورنہ حدیث میں ہے کہ ام حبیبہ کا مہر نجاشی نے حضور ﷺ کی طرف سے چار سو دینار (یعنی چار ہزار درہم) ادا کیا تھا۔

-6 ابو سلمہ بن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ (اپنی ازواج کا) مہر کتنا رکھتے تھے؟ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے) فرمایا رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج کا مہر بارہ اوقیہ اور ایک نش رکھتے تھے پھر فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ نش کی کتنی مقدار ہے؟ میں نے کہا نہیں فرمایا نصف اوقیہ اور یہ (کل مقدار) پانچ سو درہم ہیں اور یہی رسول اللہ ﷺ کی ازواج کا مہر ہے۔ (مسلم ج ص کتاب النکاح)

ان تین روایات سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی کسی بیوی کا مہر پانچ سو درہم سے کم نہیں رکھا تھا۔ کسی ایک روایت سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنی کسی بیوی کا مہر دس درہم سے کم رکھا ہو۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے جس میں ستو اور کھجور کی ایک بک کو حق مہر قرار دیا گیا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ ان کو مہر نہیں بنایا جا سکتا۔ امام صاحب یہاں پر ایک اصولی قاعدہ کی بنا پر یہ بات کہتے ہیں کہ مہر میں مال کا ہونا ضروری ہے اور یہ مال نہیں ہے۔ امام صاحب کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت ہے:

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ۔ (سورۃ نساء آیت 24 پارہ 5)

اس آیت سے یہ بات واضح ہے کہ مہر میں صرف وہ چیز مقرر کی جا سکتی ہے جو مال ہو اس کے علاوہ کوئی چیز بھی مہر نہیں بن سکتی۔ اور شرعی طور پر مال وہ ہوتا ہے جس کی چوری پر حد لگے اور وہ اس دس درہم ہے۔ اس لئے امام صاحب فرماتے ہیں کہ حق مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہو گی۔ قرآن و سنت کے ان دلائل کے ہوتے ہوئے یہ روایت قابل عمل نہیں ہو سکتی۔

اعتراض نمبر ⑧

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ⑧: والد کی ہبہ کی ہوئی چیز کی واپسی کا حکم

حدیث نبوی ﷺ

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا یرجع احد فی ہبۃ الا والد عن ولدہ

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بھی شخص ہبہ کی ہوئی چیز واپس نہیں لے سکتا، مگر والد اپنے بیٹے سے (واپس لے سکتا ہے)

(نسائي ج2 كتاب الهبة باب رجوع الوالد فيما يعطي ولده صفحه 136)

(ابن ماجه ج2 ابواب الاحكام باب من اعطي ولده ثم رجع فيه صفحه 172 رقم الحديث 2378)

فقہ حنفی

اذا وھب الہبۃ لا جنبی فلہ الرجوع منہا .... بخلاف ہبۃ الوالد لولدہ

ھداية آخرين ج3 كتاب الهبة باب مايصح رجوعه ومايصح صفحه 289۔

جب ایک آدمی کوئی چیز کسی کو ہبہ کرتا ہے تو وہ واپس لے سکتا ہے، مگر والد بیٹے سے نہیں لے سکتا۔ (فقہ و حدیث ص 47)

جواب:

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث سے ثابت ہے حدیث ملاحظہ فرمائیں۔ قال رسول اللہ ﷺ اذا کانت الہبۃ الذی رحم محرم لم یرجع فیہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کسی شخص ذی رحم محرم کو کوئی چیز ہبہ کردی جائے تو واپس نہ لی جائے۔

(سنن الکبری بیہقی ج ص، دار قطنی ص، مستدرک حاکم ج ص)

یہ حدیث صریح ہے کہ ذی رحم محرم سے ہبہ نہ لوٹایا جائے۔ جس حدیث کا حوالہ راشدی صاحب نے دیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ باپ کو لے لینا اور خرچ کر لینا جائز ہے جیسے اور اموال اولاد میں باپ کو تصرف کرنا جائز ہے یہ معنی نہیں کہ ہبہ کا رجوع اور فسخ جائز ہے۔ ورنہ یہ معنی اس حدیث کے مخالف ہوں گے جو انہوں نے نقل کی ہے۔ پس حتی الامکان تطبیق اولی ہے۔

اعتراض نمبر ⑨

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ⑨: گم شدہ اونٹ کو قبضہ میں لینے کا حکم

حدیث نبوی ﷺ

عن زید بن خالد رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ (فی ضالۃ الابل) مالك و لها معها سقا. ها و حذائها ترد الماء و تاكل الشجر حتى يلقاها ربها

ترجمہ: سیدنا زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (گم شدہ اونٹ) کے بارے میں فرمایا کہ وہ پانی پیتا رہے گا، گھاس کھاتا رہے گا، یہاں تک کہ مالک اسے پا لے گا۔

(بخاري ج1 كتاب اللقطة باب اذا لم يوجد صاحب اللقطة بعد سنة فهي لمن وجدها صفحه 328، رقم الحديث 2429) (مسلم ج2 كتاب اللقطة صفحه 78، رقم الحديث 1722)

فقہ حنفی

و يجوز التقاط فی الشاة والبقرة والبعير

هداية اولين ج كتاب اللقطة صفحه 615۔

یعنی گم شدہ بکری گائے اور اونٹ لے لینا جائز ہے۔ (فقہ و حدیث ص 48)

جواب:

احناف کا طریقہ کسی بھی حدیث کو سمجھنے کا یہ ہے کہ وہ اس کے ظاہری الفاظ پر انحصار کرنے کے بجائے اس کی مصلحت، حکمت، استخراج کر کے اس پر اپنے مسلک کا مدار رکھتے ہیں۔

زیر بحث حدیث میں بھی یہی اصول پیش نظر ہے۔ گمشدہ جانور کو پکڑنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کو بحفاظت اس کے مالک تک پہنچایا جاسکے۔ بکری چونکہ کمزور جانور ہے اس لئے اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو خدشہ ہے کہ کوئی درندہ اسے نقصان پہنچائے گا۔ اس کے برخلاف اونٹ ایک بڑا اور طاقتور جانور ہے اور اس کو ایسا خطرہ بالمعوم درپیش نہیں ہوتا۔

احناف نے اس حکمت اور مصلحت کو پیش نظر رکھ کر یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دیانت امانت عام تھی اور یہ خدشہ نہیں تھا کہ اونٹ پر کوئی آدمی ناجائز طور پر قبضہ کرے گا۔ لیکن اب لوگوں میں شریفانہ اخلاق اور امانت و دیانت نادر ہو چکی ہے۔ اس زمانے میں اونٹ کو کھلا چھوڑ دینے میں خدشہ ہے کہ کوئی بددیانت آدمی اس کو پکڑ لے گا اور اصل مالک تک اس کا پہنچانا ناممکن ہو جائے گا۔ اس لئے اگر کسی دیانت دار آدمی کو گمشدہ اونٹ ملے تو اسے حفاظت کے نقطہ نظر سے پکڑ لینا چاہئے اور اس کے مالک تک پہنچانے کا انتظام کرنا چاہئے۔ کیونکہ حالات کے بدلنے سے احکام کا بدل جانا ایک مسلمہ قاعدہ ہے جب کہ صحابہ کے تعامل سے گمشدہ اونٹ کو پکڑنا بھی ثابت ہے۔

1- مالك عن يحيى بن سعيد عن سليمان بن يسار ان ثابت بن الضاك الانصارى اخبره انه وجد بعيرا بالحرة فعقله ثم ذكره بعمر بن الخطاب فامره عمر ان يعرفه ثلاث مرات. فقال له ثابت انه قد شغلنى عن ضيعتى فقال له عمر ارسله حيث وجدته (موطا امام مالک باب القضاء فی الضوال)

ثابت بن ضحاک کہتے ہیں کہ انہیں حرہ کے مقام پر ایک (گمشدہ) اونٹ ملا تو انہوں نے اسے (پکڑ کر) باندھ دیا پھر اس کا ذکر حضرت عمر ؓ سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تین دفعہ اس کا اعلان کرو ثابت نے کہا کہ اس (اونٹ) نے تو مجھے اپنی زمین (کے معاملات) سے مشغول کر دیا ہے۔ تو سیدنا عمر ؓ نے کہا کہ پھر جہاں سے یہ ملا تھا اس کو وہیں چھوڑ دو۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر ؓ نے اونٹ پکڑنے والے شخص کو یہ نہیں کہا کہ تم نے حدیث کی مخالفت کی ہے بلکہ یہ فرمایا کہ اعلان کرو تا کہ اس کو اس کے مالک تک پہنچایا جاسکے اگر یہ نہیں کر سکتے تو اس کو چھوڑ دو۔

2- حدثنى مالك انه سمع ابن شهاب يقول كانت ضوال الابل فى زمان عمر بن

الخطاب ابلا مویلة تناتج لا یمسها احد حتی اذا کان زمان عثمان بن عفان امر بتعریفها ثم تباع فاذا جاء صاحبها اعطی ثمنها (موطا امام مالک ص، موطا امام محمد ص)

ابن شہاب کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں گمشدہ اونٹ ہوتے تھے اور کوئی ان کو نہیں پکڑتا تھا۔ یہاں تک کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے اونٹوں (کو پکڑ کر ان) کا اعلان کرانے کا حکم دیا (اور کہا کہ اعلان کے بعد) انہیں بیچ دیا جائے۔ اور اگر پھر اس کا مالک آجائے تو اسے اس کی قیمت دے دی جائے۔

اشکال۔ یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں گمشدہ اونٹ کو کوئی نہیں پکڑتا تھا۔ اور اوپر والی روایت میں حضرت کے زمانہ کا واقعہ ہے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اطلاع ملی تو آپ نے اس شخص کو منع نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہا کہ اعلان کرو۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ دوسری روایت میں جو نفی کا ذکر ہے اس کو سرکاری حکم کی نفی پر محمول کریں گے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سرکاری حکم نہ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سرکاری حکم جاری کیا تھا۔ اور پہلی روایت میں انفرادی واقعہ بیان ہوا ہے۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کا جواب شروع میں اصولی طور پر ہو چکا ہے خود غیر مقلدین بھی اس پر عمل نہیں کرتے۔

سید امیر علی غیر مقلد لکھتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم آپ نے ایسی صورت میں فرمایا کہ اونٹ کے ضائع ہونے کا خوف نہ تھا۔ پس جب خوف ہو تو اس کا پکڑ لینا اولیٰ ہے۔ (عین الہدایہ جلد 2 ص 609)

اعتراض نمبر ⑩

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ⑩: غسل دیتے وقت، مرنے والی عورت کے بالوں کا حکم

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ان کو غسل دینے کے ذکر میں ہے کہ:

فضفرنا شعرھا ثلاثۃ قرون فالقینا خلفھا

ترجمہ: یعنی ہم نے ان کے بالوں کی تین چوٹیاں بنا کر پیچھے کی طرف ڈال دیا۔

(بخاری ج1 کتاب الجنائز باب یلقی شعر المراۃ خلفھا ثلاثۃ قرون صفحہ 69-168، رقم الحدیث 1263، واللفظ لہ)(مسلم ج1 کتاب الجنائز باب فی مشط شعر النساء ثلاثۃ قرون صفحہ 304)

فقہ حنفی

یجعل شعرھا صفرتین علی صدرھا

ھدایۃ اولین ج1 کتاب الصلوۃ باب الجنائز فصل التکفین صفحہ 179۔

عورت (میت) کے بالوں کی دو چوٹیاں بنا کر سینے کی طرف ڈال دیا جائے گا۔

(فقہ و حدیث ص 49)

جواب:

امام ابو حنیفہ یہاں پر ایک اصولی بات فرماتے ہیں کہ یہ کام زینت سے تعلق رکھتا ہے اور میت کو زینت کی ضرورت نہیں ہوتی جب کہ مینڈیاں بنا کر پیچھے ڈالنا زینت میں شمار ہوتا ہے۔ کسی بھی صحیح روایت میں یہ حکم موجود نہیں ہے۔ بخاری میں صرف ام عطیہ کا قول موجود ہے۔ غیر مقلدین تو کسی کا قول نہیں مانتے مگر یہاں پر اسی قول پر بنیاد رکھی ہے۔ اس قول کے مقابلہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث عن ابراھیم ان عائشۃ رات امراۃ یکدون راسھا فقالت غلام تصنون میتکم (مصنف ج 3 ص 437 رقم 6232 باب شعر المیت واظفارھا)

ابراہیم سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ ایک میت عورت کی مینڈیاں بنا رہی تھیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا خبردار کیا تم مردہ عورتوں کی مینڈیاں بناتی ہو۔

اس روایت سے مینڈیاں بنانے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے ناظرین دونوں قول آپ کے سامنے ہیں ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کو ترجیح دی ہے اور عقلی طور پر بھی امام اعظم کی بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ میت کو زینت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک لمبی روایت جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا ذکر ہے۔ اس میں ہے کہ پھر انہوں نے (یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے) اپنے کپڑے کی طرف دیکھا جس میں بیمار ہوئے تھے اس میں زعفران کا ایک نشان تھا فرمایا میرا یہ کپڑا دھوڈالو اور اس پر دو کپڑوں کا اضافہ کر دو اور ان میں مجھے کفن دو میں نے کہا (اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے) یہ پرانا کپڑا ہے فرمایا زندہ نئے کپڑوں کا مردے سے زیادہ مستحق ہے۔ (تفہیم البخاری ترجمہ وشرح صحیح بخاری ج2ص 443)

اس واقعہ سے بھی اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ مردہ کو زینت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ام عطیہ نے اپنی رائے سے یہ کام کیا تھا حضور ﷺ کا حکم نہ تھا۔

علامہ قسطلانی نے کہا کہ سرور کائنات ﷺ نے سر کے بالوں کے تین حصے کرنے کی تصریح نہیں فرمائی اور نہ ہی آپ نے اس طرف اشارہ فرمایا حدیث میں صرف یہ مذکور ہے کہ ام عطیہ نے تین چوٹیاں بنائیں یہ ان کا اپنا فعل ہے اس کو سید عالم ﷺ کی تقریر حاصل نہیں اور یہ کہنا کہ ام عطیہ نے آپ کے حکم سے کیا ہوگا محض ایک احتمال ہے جس سے حکم ثابت نہیں ہوسکتا۔

(بحوالہ تفہیم البخاری شرح صحیح بخاری جلد2ص 331)

غیر مقلد کہتے ہیں کہ ابن حبان کی روایت میں حضور ﷺ کا حکم بھی موجود ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ امر کا لفظ شاذ ہے اور ابن حبان کی سند بھی صحیح نہیں۔

نیز ایک روایت حضرت ام سلیم کی مجمع الزوائد سے نقل کی جاتی ہے، جس میں دو، تین مینڈیاں بنا کر پیچھے کرنے کا ذکر ہے۔ مگر اس میں بھی رسول اللہ ﷺ کا حکم موجود نہیں۔ بلکہ اس کی سند میں لیث بن سعد مدلس موجود ہے۔

اعتراض نمبر ⑪

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ⑪: صلوۃ استسقاء باجماعت ادا کی جاسکتی ہے؟

حدیث نبوی ﷺ

عن عبداللہ بن زید قال خرج رسول اللہ ﷺ بالناس الی المصلی

لیستقی فصلی بھم رکعتن جھر فیھما بالقراۃ واستقبل القبلۃ یدعو و رفع یدیہ و حول رداءہ حین استقبل القبلۃ

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن زید ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز استقاء کے لئے لوگوں کے ساتھ عید گاہ کی طرف نکلے جہاں آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی جس میں جہری قرات فرمائی پھر قبلے کی طرف رخ کیا اپنے ہاتھوں کو اٹھایا اور چادر کو پلٹا۔

(صحیح بخاری ج1 ص139۔ کتاب الاستقساء باب کیف حول النبی ﷺ ظھرہ، الی الناس رقم الحدیث 980 باختلاف یسیر)(مسند احمد ج6 ص39 رقم 16484)(سنن الدارقطنی ج2 کتاب الاستقاء رقم الحدیث 1776 ج4 صفحہ 212)(جامع ترمذی رقم الحدیث 556. ابواب السفر باب ماجاء فی صلاۃ الاستقاء ج1 ص82)

فقہ حنفی

قال ابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ لیس فی الاستسقاء صلاۃ مسنونۃ فی جماعۃ فان صلی الناس وحدان جاز

ھدایہ اولین ج1 کتاب الصلاۃ باب الاستسقاء صفحہ 176

ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ استقاء میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مسنون نہیں ہے، ہاں اگر لوگ اکیلے نماز پڑھ لیں تو جائز ہے۔ (فقہ و حدیث ص50)

جواب:

راشدی صاحب نے نماز استقاء کے حنفی مسئلہ کو حدیث کے خلاف قرار دیا ہے پہلے آپ ہدایہ کی عبارت کا مکمل ترجمہ دیکھیں امام ابوحنیفہ نے فرمایا استقاء میں نماز با جماعت سنت نہیں ہے اگر لوگ اکیلے اکیلے نماز پڑھیں تو جائز ہے استقاء تو صرف دعا اور استغفار ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا استغفار کرو اپنے رب سے بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے (اور اس استغفار کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ خوب برسنے والے بادل بھیجیں گے اور آنحضرت ﷺ نے (اکثر دفعہ) بارش کی دعا مانگی اور (ان اکثر واقعات میں) آپ سے نماز پڑھنا مروی نہیں اور صاحبین کہتے ہیں کہ نماز پڑھائے امام دو رکعت جیسا کہ آنحضرت ﷺ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے پڑھیں دو رکعت مثل عید کے اس کو ابن عباس ؓ نے روایت فرمایا ہم کہتے ہیں آپ نے ایک آدھ مرتبہ نماز پڑھی پھر چھوڑ دی پس سنت نہ ہوئی

(ہدایہ ج1 ص 176) یہ پوری عبارت ہے جو راشدی صاحب نے نقل نہیں کی راشدی صاحب کو مخالفت کے مفہوم کا معنی بھی نہیں آتا۔ امام صاحب اس نماز باجماعت کے سنت ہونے کی نفی کرتے ہیں حدیث کے خلاف جب ہوگا کہ آپ حدیث شریف میں لفظ سنت دکھادیں جو آپ قیامت تک نہیں دکھا سکتے اگر آپ کے نزدیک نماز باجماعت استسقاء کی مستقل سنت ہے تو فرمائیے۔

امام ابوحنیفہ کا صحیح مسلک:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کا صحیح مسلک یہ ہے کہ بارش کی دعا مانگنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کے ساتھ نماز بھی پڑھی جائے۔ بلکہ صرف دعا بھی کی جاسکتی ہے۔ یعنی امام صاحب نے نماز استسقاء کا انکار نہیں کیا بلکہ اس کے لئے ضروری ہونے سے انکار کیا ہے اور صرف دعا پر اکتفاء کرنا متعدد احادیث سے ثابت ہے۔

1- قرآن پاک نے بارش مانگنے کا جو طریقہ ذکر فرمایا اس میں استسقاء ہے نماز باجماعت کا ذکر نہیں کیا اس قرآنی طریقہ کو آپ خلاف سنت کہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدارا

یعنی طلب کرو مغفرت اپنے پروردگار سے وہ بخشنے والا ہے بھیجتا ہے ابر (بادل) تم پر برسنے والا۔

2- عبداللہ بن بن ابی نمر روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو سنا کہ ایک شخص جمعہ کے دن اس دروازہ سے مسجد میں داخل ہوا جو منبر کے ساتھ تھا اور رسول اللہ ﷺ کھڑے خطبہ دے رہے تھے اس نے کھڑے کھڑے رسول اللہ ﷺ کی طرف منہ کیا اور کہا یا رسول اللہ لوگوں کا مال تباہ ہوگیا راستے بند ہوگئے اس لئے آپ اللہ سے دعا کریں کہ بارش برسائے۔ انس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا کہ اے میرے اللہ ہمیں سیراب کر، اے میرے اللہ ہمیں سیراب کر، اے میرے اللہ ہمیں سیراب کر، انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا بخدا اس وقت آسمان پر نہ تو کوئی بادل اور نہ بادل کا کوئی ٹکڑا اور نہ کوئی چیز نظر آتی تھی اور نہ ہمارے اور سلع (پہاڑ) کے درمیان کوئی گھر یا مکان تھا سلع کے پیچھے سے ڈھال کے برابر ایک ابر کا ٹکڑا نمودار ہوا جب وہ آسمان کے بیچ

میں آیا تو وہ بدلی پھیل گئی پھر بارش ہونے لگی بخدا پھر ہم لوگوں نے ایک ہفتہ تک آفتاب نہیں دیکھا پھر ایک شخص اسی دروازے سے دوسرے جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ ﷺ کھڑے خطبہ دے رہے تھے وہ شخص آپ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوا۔ اور کہا کہ یارسول اللہ ﷺ لوگوں کا مال تباہ ہو گیا راستے بند ہو گئے اس لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ بارش بند کر دے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے پھر فرمایا اے اللہ ہمارے اردگرد برسا ہم پر نہ برسا اے میرے اللہ پہاڑوں ٹیلوں اور پہاڑوں اور درختوں کے اگنے کی جگہوں پر برسا راوی کا بیان ہے کہ بارش تھم گئی اور ہم دھوپ میں چلتے ہوئے باہر نکلے شریک کا بیان ہے کہ میں نے انس ؓ سے پوچھا وہ پہلا ہی آدمی تھا؟ انس ؓ نے کہا کہ میں نہیں جانتا۔

(بخاری ج 1 ص 138)

3- عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں ایک اعرابی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ میں آپ کی خدمت میں ایک ایسی قوم کی جانب سے آیا ہوں کہ ان کے چرواہوں کو کھانے کے لئے نہیں ملتا حتیٰ کہ ان کے دلوں میں اونٹوں کا خیال تک بھی باقی نہ رہا آپ منبر پر چڑھے اللہ کی حمد وثنا کی اور کہا:

اللھم استقنا غیثا مغیثا فریئا طبقا مریعا غرقا عاجلا غیر رائث۔

پھر منبر سے اتر آئے پھر جو قوم بھی آپ کے پاس آئی اس نے یہی کہا کہ ہم پر خوب بارش ہوئی۔

(ابن ماجہ ص 90)

4- حضرت سعد ؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے قحط سالی کی شکایت کی تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنے گھٹنوں کے بل جھک جاؤ اور دعا کرو۔ اے رب اے۔۔۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا اور بارش برسنا شروع ہو گئی۔

(صحیح ابوعوانہ، التلخیص الحبیر ج 1 ص 148)

ان تمام واقعات میں حضور ﷺ نے صرف بارش کی دعا مانگی ہے اس کے ساتھ نماز نہیں پڑھی جس کا مطلب یہی ہے کہ صرف دعا مانگ لینا بھی درست ہے۔

5- امام شعبی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر ؓ بارش کی دعا کرنے کے لئے نکلے اور صرف استغفار کر کے پلٹ آئے۔ (مصنف عبدالرزاق ج 3 ص 87، سنن سعید بن منصور بحوالہ عمدۃ القاری ج 3 ص 144)

6- ابومروان الاسلمی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ استسقاء کے لئے نکلے تو آپ نے استغفار کے علاوہ اور کچھ نہ کیا۔ (ابن ابی شیبہ سعید بن منصور زجاجہ ج 1 ص 422)

اگر یہ طریقہ خلاف سنت ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیوں ایسا کرتے اور مہاجرین و انصار اور دیگر صحابہ جو ساتھ تھے وہ اس ترک سنت پر کیوں خاموش رہتے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے اعضاء وضو کا ایک ایک دو دو مرتبہ دھونا آپؐ کے فعل سے ثابت ہے مگر سنت نہیں سنت تین تین مرتبہ دھونا ہے۔

اعتراض نمبر ⑫

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ⑫: دوران خطبہ، تحیۃ المسجد کی دو رکعتوں کا حکم

حدیث نبوی ﷺ

عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ و هو يخطب اذا جاء احدكم يوم الجمعة والامام يخطب فليركع ركعتين وليتجوز فيهما

ترجمہ: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن جب امام خطبہ دے رہا ہو اور تم میں سے کوئی ایک آئے تو اس کو چاہیئے کہ ہلکی دو رکعتیں پڑھ لے۔

(مسلم ج 1 كتاب الجمعة باب من دخل المسجد والامام يخطب اوخرج للخطبة فليصل ركعتين و ليتجوز فيها صفحه 287 رقم الحديث 2024)

فقہ حنفی

اذا خرج الامام يوم الجمعة ترك الناس الصلاة والكلام حتى يفرغ من خطبة

ھدایة اولین ج 1 كتاب الصلوة باب الجمعة صفحه 171

جمعہ کے دن جب امام جمعہ نماز کے لئے نکلے تو لوگوں کو نماز اور کلام ترک کر دینا چاہیئے۔ (فقہ و حدیث ص 51)

جواب:

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور جمہور صحابہ وتابعین کے نزدیک خطبہ کے دوران نماز و کلام ممنوع ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ امام مالک اور اکثر فقہائے امت اسی کے قائل ہیں اور دلائل کی روشنی میں یہی مسلک راجح اور صواب ہے۔ دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

1- عن سلمان قال قال رسول اللہ ﷺ من اغتسل یوم الجمعة و تطهر بما استطاع من طهر ثم ادهن اومس من طیب ثم راح فلم یفرق بین اثنین فصلی ما کتب له ثم اذا خرج الامام انصت غفرله ما بینه و بین الجمعة الاخری۔

(بخاری ج1 ص124)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور جس حد تک ہو سکے صفائی کرے۔ پھر تیل لگائے یا خوشبو ہو تو وہ لگائے پھر جمعہ کے لئے جائے تو دو آدمیوں کے درمیان نہ بیٹھے پھر جتنی نماز اس کے لئے مقدر ہے پڑھے پھر جب امام خطبہ کے لئے نکل آئے تو خاموش رہے تو ایسے شخص کے اس جمعہ سے اس جمعہ تک کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔

2- عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال من اغتسل ثم اتی الجمعة فصلی ما قدرله ثم انصت حتی یفرغ من خطبته ثم یصلی معه غفرله ما بینه و بین الجمعة الاخری و فضل ثلاثه ایام۔

(مسلم ج1 ص283)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے غسل کیا پھر وہ جمعہ کے لئے (مسجد میں) آیا پھر جتنی نماز اس کے لئے مقدر تھی پڑھی پھر امام کے خطبہ سے فارغ ہونے تک خاموش رہا پھر امام کے ساتھ نماز پڑھی تو اس کے اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں اور تین دن مزید کے بھی۔

3- عن عطاء الخراسانی قال کان نبیشة الهذلی یحدث عن رسول اللہ ﷺ ان المسلم اذا اغتسل یوم الجمعة ثم اقبل الی المسجد لا یؤذی احدا فان لم یجد الامام خرج صلی ما بداله و ان

وجد الامام قد خرج جلس فاستمع و انصت حتی یقضی الامام جمعته و کلامه ان لم یغفرله فی جمعته تلك ذنوبه کلها ان تکون کفارة للجمعة التی قبلها۔ (مسند احمد ج 5 ص 75)

حضرت عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبیشۃ ہذلی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے تھے کہ جب مسلمان جمعہ کے دن غسل کر کے مسجد آئے اس طرح سے کہ کسی کو ایذا نہ دے، پھر اگر دیکھے کہ امام ابھی (خطبہ کے لئے) نہیں نکلا تو جتنی چاہے نماز پڑھتا رہے، اور اگر دیکھے کہ امام نکل آیا ہے تو بیٹھ جائے او خاموشی سے خطبہ سننے لگے یہاں تک کہ امام خطبہ و نماز سے فارغ ہو جائے تو اگر اس جمعہ کے اس کے سارے گناہ معاف نہ ہوئے تو دوسرے جمعہ کے لئے یہ کفارہ ہو جائے گا۔

4- عن ابی هریرة قال قال النبی ﷺ اذا کان یوم الجمعة وقفت الملائکة علی باب المسجد یکتبون الاول فالاول و مثل المهجر کمثل الذی یهدی بدنة ثم کالذی یهدی بقرة ثم کبشا ثم دجاجة ثم بیضة فاذا خرج طووا صحفهم ویستمعون الذکر۔

(بخاری ج 1 ص 127، مسلم ج 1 ص 280)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور شروع میں آنے والوں کے نام یکے بعد دیگرے لکھتے ہیں اور اول وقت دوپہر میں آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اللہ کے حضور میں اونٹ کی قربانی پیش کرتا ہے پھر اس کے بعد دو نمبر آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گائے پیش کرتا ہے پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال مینڈھا پیش کرنے والے کی اس کے بعد مرغی پیش کرنے والے کی اس کے بعد انڈا پیش کرنے والے کی جب امام خطبہ کے لئے منبر کی طرف جاتا ہے تو یہ فرشتے اپنے لکھنے کے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور ذکر سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

5- عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال اذا قلت لصاحبك يوم الجمعة انصت والامام يخطب فقد لغوت۔

(بخاری ج1 ص127)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم نے جمعہ کے دن اپنے ساتھی سے کہا کہ خاموشی رہ اس حال میں کہ امام خطبہ دے رہا تھا تو تم نے لغو و بیکار کام کیا۔

6- عن ابن عباس قال رسول الله ﷺ من تكلم يوم الجمعة والامام يخطب فهو كمثل الحمار يحمل اسفارا والذى يقوله انصت ليست له جمعة۔

(مسند احمد ج1 ص230)

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام کے خطبہ دینے کی حالت میں جو بات کرے وہ ایسے ہے جیسے گدھے نے کتابیں اٹھا رکھی ہوں اور جو اس سے کہے کہ چپ رہ تو اس کا جمعہ ہی نہیں۔

7- عن ابی عمر قال سمعت النبی ﷺ يقول اذا دخل احدكم المسجد والامام على المنبر فلا صلوة ولا كلام حتى يفرغ الامام

(مجمع الزوائد ج2 ص184)

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے کوئی شخص جب مسجد میں اس وقت داخل ہو جب کہ امام منبر پر ہو تو اس صورت میں نہ نماز جائز ہے نہ کلام جب تک کہ امام (خطبہ سے) فارغ نہ ہو جائے۔

8- عن ابن شهاب عن ثعلبة بن ابی مالك القرظی انه اخبره انهم كانوا فی زمن عمر بن الخطاب يصلون يوم الجمعة حتى يخرج عمر بن الخطاب فاذا خرج عمر وجلس على المنبر و اذن الموذنون و قال ثعلبة جلسنا نتحدث فاذا سكت الموذنون و قام عمر

یخطب انصتنا فلم یتکلم منا احد قال ابن اشھاب فخروج الامام یقطع الصلوۃ و کلامہ یقطع الکلام۔ (موطا امام مالک ص 88)

حضرت ابن شہاب زہری حضرت ثعلبہ بن ابی مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے خبر دی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ جمعہ کے دن نماز پڑھتے رہتے تھے یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تشریف لاتے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لا کر منبر پر بیٹھ جاتے تو موذن اذان کہتے تو (ثعلبۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) کہ ہم بیٹھے بیٹھے بات کرلیا کرتے تھے، پھر جب موذن خاموش ہوجاتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ کے لئے کھڑے ہوجاتے تو ہم خاموش ہوجاتے اور ہم میں سے کوئی شخص کلام نہ کرتا، حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام کا نکلنا نماز کو اور اس کا کلام کرنا گفتگو کو ختم کردیتا ہے۔

9- عن ابن شھاب قال حدثنی ثعلبۃ بن ابی مالك ان قعود الامام یقطع السبحۃ و ان کلامہ یقطع الکلام الحدیث۔

(مسند امام الشافعی ص 139 ج 1)

حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ثعلبۃ بن ابی مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ امام کا منبر پر بیٹھ جانا نماز کو ختم کردیتا ہے اور اس کا کلام گفتگو کو ختم کردیتا ہے۔

10- عن ثعلبۃ بن ابی مالك القرظی قال ادرکت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما فکان الامام اذا خرج ترکنا الصلوۃ۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج 2 ص 11)

حضرت ثعلبۃ بن ابی مالک قرظی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کا زمانہ پایا (اس دور میں جمعہ کے دن ایسا ہوتا تھا کہ) جب امام جمعہ کے دن خطبہ کیلئے نکل آتا تو ہم نماز چھوڑ دیتے تھے۔

11- عن سائب بن یزید قال کنا نصلی فی زمن عمر یوم الجمعۃ فاذا خرج عمر وجلس علی المنبر قطعنا الصلوۃ و کنا

نتحدث و یحدثونا و ربما نسال الرجل الذی یلیه عن سوقه و معاشه فاذا سکت المؤذن خطب و لم یتکلم احد حتی یفرغ من خطبته۔ (رواہ اسحق بن راہویہ بحوالہ نصب الرایہ ج2 ص204)

حضرت سائب بن یزید ؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر ؓ کے زمانے میں جمعہ کے دن نماز پڑھتے تھے پھر جب حضرت عمر ؓ تشریف لاکر منبر پر بیٹھے تو ہم نماز بند کر دیتے تھے، اور لوگ آپس میں بات چیت کر لیا کرتے تھے اور کبھی ہم اپنے قریب کے شخص سے اس کے بازار میں اور معاش کا حال احوال بھی پوچھ لیتے تھے پھر جب مؤذن خاموش ہو جاتا تو حضرت عمر ؓ خطبہ دیتے اور ان کے خطبے سے فارغ ہونے تک ہم میں سے کوئی شخص بات نہ کرتا۔

12- عن علی قال الناس فی الجمعة ثلاث رجل شهدها بسکون وقار و انصات و ذالك الذی یغفر له ما بین الجمعتین قال حسبت قال و زیادة ثلاثة ایام. قال و شاهد شاهد شهدها بلغو فذالك خطه منها و رجل صلی بعد خروج الامام فلیست بسنة ان شاء اعطاء وان شاء منعه۔

(مصنف عبدالرزاق ج3 ص210)

حضرت علی ؓ فرماتے ہیں کہ جمعہ میں تین قسم کے لوگ شریک ہوتے ہیں، ایک وہ شخص جو جمعہ میں سکون وقار اور خاموشی کے ساتھ حاضر ہوا یہ تو ایسا شخص ہے کہ اس کے جمعہ سے جمعہ تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں راوی کا کہنا ہے کہ میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اور تین دن مزید کے بھی دوسرا وہ شخص ہے جو جمعہ میں شریک ہو کر لغو کام کرتا ہے اس کا حصہ تو یہی لغو و بیکار کام ہے، اور تیسرا وہ شخص ہے جس نے امام کے (خطبہ کے لئے) نکلنے کے بعد نماز پڑھی اس کی یہ نماز سنت کے مطابق نہیں، اللہ چاہے تو اس کو (ثواب) دے اور چاہے تو نہ دے۔

13- عن الحارث عن علی انه کره الصلوة یوم الجمعة والامام یخطب۔

(المدونۃ الکبری ج1 ص148)

حضرت حارث ؒ حضرت علی ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن

جب کہ امام خطبہ دے رہا ہو نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

14- عن عطاء عن ابن عباس و ابن عمر انهما كانا يكرهان الصلوة والكلام بعد خروج الامام. (مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص111)

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں بزرگ امام کے خطبہ کے لئے نکل آنے کے بعد نماز پڑھنے اور کلام کرنے کو مکروہ جانتے تھے۔

15- عن ابن عباس قال سالوه عن الرجل يصلي والامام يخطب؟ قال ارايت لو فعل ذالك كلهم كان حسنا.

(مصنف عبدالرززق ج3 ص245)

حضرت عبااللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے لوگوں نے سوال کیا خطبہ کے دوران آدمی نماز پڑھ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا اگر سب ہی پڑھنے لگیں تو کیا یہ ٹھیک ہوگا؟

16- عن نافع قال كان ابن عمر يصلي يوم الجمعة فاذا تحين خروج الامام قعد قبل خروجه. (مصنف عبدالرزاق ج3 ص210)

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن نماز پڑھتے رہتے اور جب امام کے آنے کا وقت ہو جاتا تو اس کے آنے سے پہلے ہی نماز بس کر کے بیٹھ جاتے۔

17- عن عقبة بن عامر قال الصلوة والامام على المنبر معصية. (طحاوی ج1 ص254)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام کے (خطبہ کے وقت) منبر پر ہونے کی حالت میں نماز پڑھنا گناہ ہے۔

18- عن هشام بن عروة قال رايت عبدالله بن صفوان دخل المسجد يوم الجمعة و عبدالله بن الزبير يخطب على المنبر و عليه ازار ورداء و نعلان و هو متعمم بعمامة فاستلم الركن ثم قال السلام عليك يا امير المومنين و رحمة الله وبركاته ثم جلس و لم يركع (طحاوی ج1 ص254)

حضرت ہشام بن عروۃ ؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن صفوان ؒ کو دیکھا کہ وہ جمعہ کے دن مسجد حرام میں اس وقت تشریف لائے جب کہ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔۔۔۔ اور ان کے جسم پر اس وقت تہبند تھا اور چادر اور نعلین پہنے ہوئے تھے اور عمامہ باندھے ہوئے تھے، انہوں نے آ کر حجر اسود کو بوسہ دیا پھر کہا السلام علیک یا امیر المومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پھر بیٹھ گئے اور سنتیں نہیں پڑھیں۔

19- عن توبة العنبری قال قال الشعبی ارايت الحسن حين يجيى و قد خرج الامام فيصلى عمن اخذ هذا؛ لقد رايت شريحا اذا جاء و قد خرج الامام لم يصل۔ (طحاوی ج1ص254)

حضرت توبہ عنبری ؒ فرماتے ہیں حضرت امام شعبی ؒ نے فرمایا کہ تم نے حسن بصری ؒ کو دیکھا ہے کہ جب وہ جمعہ کے لئے آتے ہیں تو باوجود یہ کہ امام خطبہ کے لئے نکل کر آچکا ہوتا ہے پھر بھی وہ نماز پڑھتے ہیں یہ طریقہ انہوں نے کس سے لیا ہے؟ میں نے تو قاضی شریح ؒ کو دیکھا ہے کہ جب وہ جمعہ کے لئے تشریف لاتے اور امام خطبہ کے لئے نکل کر آچکا ہوتا تو پھر وہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔

20- عن الشعبی قال كان شريح اذا اتى الجمعة فان لم يكن خرج الامام صلى ركعتين و ان كان خرج جلس و احتبى واستقبل الامام فلم يلتفت يمينا ولا شمالا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج2ص112، مصنف عبدالرزاق ج3ص245)

حضرت امام شعبی ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت قاضی شریح ؒ جب جمعہ کے لئے تشریف لاتے اور امام ابھی خطبہ کے لئے نہ نکلا ہوتا تو آپ دو رکعتیں (تحیۃ المسجد) پڑھ لیتے تھے اور اگر امام خطبہ کے لئے آچکا ہوتا تو گوٹھ مار کر بیٹھ جاتے اور امام کی طرف توجہ فرماتے دائیں بائیں التفات نہ فرماتے۔

21- عن خالد الحذاء ان ابا قلابة جاء يوم الجمعة و الامام

یخطب فجلس و لم یصل۔ (طحاوی ج1 ص254)

حضرت خالد حزاء ؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابو قلابۃ ؒ جمعہ کے دن مسجد میں تشریف لائے تو امام خطبہ دے رہا تھا آپ بیٹھ گئے اور آپ نے نماز نہیں پڑھی۔

22- عن معمر قال سالت قتادہ عن الرجل یاتی والامام یخطب یوم الجمعۃ و لم یکن صلی یصلی ؟ فقال اما انا فکنت جالسا۔ (مصنف عبدالرزاق ج3 ص245)

حضرت معمر ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت قتادہ ؒ سے پوچھا کہ کوئی شخص جمعہ کے دن مسجد میں اس وقت آتا ہے جب کہ امام خطبہ دے رہا ہوتا ہے اور اس شخص نے نماز (تحیۃ المسجد یا سنت) نہیں پڑھی تو کیا وہ اس حالت میں پڑھ لے؟ آپ نے فرمایا کہ بھئی میں تو ایسی صورت میں بیٹھ جاتا ہوں (نماز نہیں پڑھتا)

23- عن ابن جریج عن عطاء قال قلت لہ جئت والامام یخطب یوم الجمعۃ اترکع ؟ قال امام والامام یخطب فلم اکن ارکع۔ (مصنف عبدالرزاق ج3 ص245)

حضرت ابن جریج ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء بن ابی رباح ؒ سے سوال کیا کہ اگر آپ جمعہ کے دن اس وقت تشریف لائیں جس وقت امام خطبہ دے رہا ہو تو آپ نماز (تحیۃ المسجد یا سنت) پڑھیں گے؟ آپ نے فرمایا اگر امام خطبہ دے رہا ہو تو پھر نہیں پڑھوں گا۔

24- عن ابی سیرین انہ کان یقول اذا خرج الامام فلا یصل احد حتی یفرغ الامام۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ج2 ص111)

حضرت ابن سیرین ؒ فرماتے ہیں کہ جب امام خطبہ کے لئے نکل کر آ چکا ہو تو پھر اس کے خطبہ سے فارغ ہونے تک کوئی شخص نماز نہ پڑھے۔

25- عن هشام بن عروۃ عن ابیہ قال اذا قعد الامام علی

المنبر فلا صلوۃ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص111)

حضرت ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جب امام خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھ جائے تو پھر کوئی نماز جائز نہیں۔

26- عن معمر عن الزھری فی الرجل یجیی یوم الجمعۃ و الامام یخطب یجلس ولا یصلی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص111، طحاوی ج1 ص254)

حضرت معمر رحمہ اللہ حضرت ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ (انہوں نے فرمایا) جو شخص کے جمعہ کے دن اس وقت آئے جب کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ بیٹھ جائے نماز نہ پڑھے۔

27- عن الزھری عن ابن المسیب قال خروج الامام یقطع الصلوۃ کلامہ یقطع الکلام۔

(مصنف عبدالرزاق ج3 ص208، مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص111)

حضرت ابن شہاب زہری رحمہ اللہ حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا امام کا خطبہ کے لئے نکلنا نماز کو اور اس کا کلام کرنا گفتگو کو بند کر دیتا ہے۔

28- عن لیث عن مجاھد انہ کرہ ان یصلی والامام یخطب۔

(طحاوی ج1 ص255)

حضرت لیث رحمہ اللہ حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ خطبہ کے وقت نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

29- عن ابراھیم قال قیل لعلقمۃ انتکلم والامام یخطب او قد خرج الامام قال لا۔ (شرح معانی الآثار ج1 ص217)

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ علقمہ سے کسی نے پوچھا کہ جس وقت امام خطبہ کے لئے نکلے یا خطبہ دے رہا ہو۔ اس وقت ہم بات کر سکتے ہیں؟ کہا نہیں۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے

کیونکہ یہ اس زمانہ پر محمول ہے جب نماز میں بات کرنا مباح تھا اور جب نماز کے دوران بات کرنا مباح تھا تو دوران خطبہ بات کرنا بھی مباح ہوا اور دوران خطبہ نماز پڑھنا بھی مباح ہوا اس لئے آپ نے اس وقت کے اعتبار سے خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم دیا تھا لیکن جب آپ نے نماز کی طرح خطبہ کے دوران کلام سے منع فرما دیا تو پچھلا حکم منسوخ ہو گیا اور اب دوران خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنا جائز نہ رہا یہی وجہ ہے کہ صحابہ اور تابعین نے دوران خطبہ نماز پڑھنے سے منع کیا ہے اگر یہ حکم منسوخ نہ ہوتا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہ کس طرح متصور ہو سکتا ہے کہ وہ اس کام سے منع کریں جس کا جناب رسالت مآب ﷺ نے حکم دیا ہو۔

اعتراض نمبر ⑬

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ⑬: ایک رکعت وتر کا حکم

حدیث نبوی ﷺ

عن ابی عمر قال قال رسول اللہ ﷺ صلوۃ اللیل مثنی مثنی فاذا خشی احد کم الصبح صلی رکعۃ واحدۃ توترلہ ما قد صلی

ترجمہ: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں جب صبح ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت نماز پڑھ لے۔ (یہ ایک رکعت) اس کی پوری نماز کے لئے وتر ہو جائے گی۔

(بخاري ج1 كتاب الوتر باب ماجاء في الوتر صفحه 135 رقم الحديث 990)

فقہ حنفی

الوتر ثلاث رکعات

ھدایۃ اولین ج1 کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ الوتر ص 144

وتر تین رکعت ہی ہے۔ (فقہ وحدیث ص 52)

جواب:

ہر مسلمان جانتا ہے کہ فرائض اور سنت موکدہ کی رکعتیں مقرر ہوتی ہیں ان میں کسی کو اپنی مرضی سے کمی بیشی کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا البتہ نوافل کا حساب ایسا ہے کہ جتنا گڑ ڈالو گے اتنا میٹھا ہوگا جتنے پڑھ لو اتنا ہی ثواب مل جائے گا۔ نماز وتر کے بارہ میں احادیث میں کئی اختلافات ہیں جن میں بعض احکام نفل والے ہیں مثلاً جتنی چاہے رکعتیں پڑھ لینا۔ سواری پر بیٹھ کر وتر پڑھ لینا وغیرہ بعض احکام وجوب کے ہیں کہ تین ہی رکعت پڑھنا سواری پر بیٹھ کر وتر جائز نہ ہونا وتروں کی قضا کا ضروری ہونا۔ اب شریعت میں ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ ایک ہی نماز کو کبھی نفل کی نیت سے ادا کر لیا جائے اور کبھی واجب کی نیت سے پڑھ لیا جائے اور نہ صراحتہ کسی حدیث میں یہ ہے کہ پہلے یہ احکام تھے اب یہ ہیں جب یہ صراحت نہ ملی تو بنص حدیث معاذ ؓ یہاں اجتہاد کی گنجائش نکل آئی مجتہدین نے اجتہاد سے کسی ایک پہلو کو ترجیح دے لی۔ اس بارہ میں احناف یہ کہتے ہیں کہ پہلے وتر نفل تھے اور تہجد میں شامل تھے اس لئے تہجد اور وتر کو ملا کر بیان کر دیا جاتا کہ حضرت ﷺ نے گیارہ تیرہ وتر (مع تہجد) پڑھے۔ پھر وتر واجب ہو گئے۔

وتر کے واجب ہونے کا ثبوت

حدیث نمبر ①:

عن خارجة بن حذافة قال ابو الید العدوی قال خرج علینا رسول الله ﷺ فقال ان الله قد امد کم بالصلوة ھی خیر لکم من حمر النعم و ھی الوتر فجعلھا لکم فیما بین العشاء الی طلوع الفجر۔

(ابو داؤد ج1 ص201، ترمذی ج1 ص103، مستدرک حاکم ج1 ص306)

حضرت خارجہ بن حذافہ عدوی ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی ہے یا تمہارے لئے ایک نماز زائد کی ہے جو تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے وہ نماز وتر ہے اسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے عشاء سے لے کر صبح صادق تک مقرر کیا ہے۔ (حاکم و ذہبی نے شرط شیخین پر اس روایت کو صحیح کہا ہے)

یہ حدیث حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ (حاکم)، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ (طبرانی)، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (دار قطنی)، حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ (دار قطنی)، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ (طبرانی) حضرت عبداللہ بن ابی اوفی (خلافیات بیہقی)، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (دار قطنی فی غرائب مالک) سے مروی ہے اس لئے قاضی ابو زید فرماتے ہیں **و هو حدیث مشهور** (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج 3 ص 432)

حدیث نمبر ②:

عن ابی ایوب الانصاری قال قال رسول الله ﷺ الوتر حق واجب علی کل مسلم۔

(مسند احمد ج ص، صحیح ابن حبان بحواله الدرایه، منحة المعبود في ترتیب مسند الطیالسي ابي داوٗد ج 1 ص 119، دار قطني ج 2 ص 22)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وتر حق ہیں واجب ہیں ہر مسلمان پر۔

حدیث نمبر ③:

عن عبدالله بن بریدة قال سمعت رسول الله ﷺ یقول الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا۔

(ابو داؤد ج 1 ص 201، مستدرک حاکم ج 1 ص 305)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا آپ فرما رہے تھے وتر حق (واجب) ہیں۔ جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں، وتر حق (واجب) ہیں جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں، وتر حق (واجب) ہیں جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

حدیث نمبر ④:

عن عبدالله عن النبی ﷺ قال الوتر واجب علی کل مسلم۔

(کشف الاستار عن زوائد البزار ج 1 ص 352)

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا وتر واجب ہیں ہر مسلمان پر۔

حدیث نمبر ⑤:

عن عبداللہ بن عمر عن النبی ﷺ قال اجعلوا آخر صلوتکم باللیل وتر۔
(بخاری ج1 ص136، مسلم ج1 ص257)

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اپنی رات کو آخری نماز وتر بناؤ۔

حدیث نمبر ⑥:

عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال بادروا الصبح بالوتر۔ (مسلم ج1 ص257)

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا صبح ہونے سے پہلے پہلے وتر پڑھ لیا کرو۔

حدیث نمبر ⑦:

عن ابی سعید ان النبی ﷺ اوتروا قبل ان تصبحوا۔
(مسلم ج1 ص257)

حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا وتر صبح ہونے سے پہلے پڑھ لیا کرو۔

حدیث نمبر ⑧:

عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ من خاف ان لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر اولہ و من طمع ان یقوم آخرہ فلیوتر آخر اللیل فان صلوۃ آخر اللیل مشھودۃ و ذالک افضل۔ (مسلم ج1 ص258)

حضرت جابر ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جسے یہ اندیشہ ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں نہیں اٹھ سکے گا تو اسے چاہئے کہ وہ شروع رات ہی میں وتر پڑھ لے اور جسے یہ امید ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں اٹھ جائے گا تو اسے چاہئے کہ رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھے۔ کیونکہ رات کے آخری

حصہ کی نماز فرشتوں کے حاضر ہونے کا وقت ہے اور یہ افضل ہے۔

حدیث نمبر ⑨:

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ من نام عن وترہ اونسیہ فلیصلہ اذا اصبح اوذکرہ.

(مستدرک حاکم ج 1 ص 302، دارقطنی ج 2 ص 22)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص وتر پڑھے بغیر سو جائے یا پڑھنا بھول جائے اسے چاہئے کہ وہ صبح اٹھ کر یا جب یاد آئے وتر پڑھ لے۔

حدیث نمبر ⑩:

عن الاشعث بن قیس قال تضیفت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فقام فی بعض اللیل فتناول امراتہ فضربھا ثم نادانی یا اشعث قلت لبیک قال احفظ عنی ثلثا حفظتھن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تسئل الرجل فیم یضرب امراتہ ولا تسالہ عمن یعتمد من اخوانہ ولا یعتمدھم ولا تنم الا علی وتر۔

(مستدرک حاکم ج 4 ص 175)

حضرت اشعث بن قیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر ایک دفعہ مہمان بنا۔ آپ رات کے کسی حصہ میں اٹھے بیوی کو بلا کر سرزنش کی، پھر مجھے آواز دی کہ اے اشعث، میں نے عرض کیا حاضر ہوں فرمایا میری جانب سے تین باتیں یاد رکھو، یہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے (سن کر) یاد کی تھیں۔

1- کسی سے یہ نہ پوچھو کہ وہ اپنی بیوی کو کیوں مار رہا ہے۔
2- اور کسی سے یہ نہ پوچھو کہ اسے اپنے دوستوں میں سے کس پر اعتماد ہے اور کس پر نہیں۔
3- وتر پڑھے بغیر نہ سو۔

حدیث نمبر ⑪:

عن ابی تمیم الجیشانی ان عمرو بن العاص خطب الناس یوم جمعۃ

فقال ان ابا بصرة حدثنی ان النبی ﷺ قال ان الله زاد کم صلوة و هی الوتر فصلوها فیما بین صلوة العشاء الی صلوة الفجر قال ابو تمیم فاخذ بیدی ابوذر فسار فی المسجد الی ابی بصرة فقال له انت سمعت رسول الله ﷺ یقول ما قال عمرو قال ابو بصره سمعت رسول الله ﷺ.

(مسند احمد ج 6 ص 7، مستدرک حاکم ج 3 ص 593)

حضرت ابوتمیم جیشانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ لوگوں کو خطبہ جمعہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ابو بصرہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک نماز زائد کی ہے جو وتر ہے لہذا تم عشاء کی نماز کے بعد سے لے کر فجر کی نماز تک کے درمیان درمیان اسے پڑھا کرو، ابوتمیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مسجد میں جا کر ابو بصرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو وہ فرماتے سنا ہے جو عمرو رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے، حضرت ابو بصرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جی ہاں یہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے۔

حدیث نمبر ⑫:

عن عاصم بن ضمرة قال قال علی ان الوتر لیس بحتم کصلوتکم المکتوبة ولکن رسول الله ﷺ اوتر ثم قال یا اهل القران اوتروا فان الله وتر یحب الوتر.

(مستدرک حاکم ج 1 ص 300)

حضرت عاصم بن ضمرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا وتر فرض نماز کی طرح تو ضروری نہیں ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھے پھر فرمایا کہ اے قرآن والو وتر پڑھو بے شک اللہ تعالیٰ وتر (طاق) ہیں اور وتر (طاق عدد) کو پسند فرماتے ہیں۔

حدیث نمبر ⑬:

عن مالك انه بلغه ان رجلا سال عبدالله بن عمر عن الوتر اواجب هو فقال عبدالله بن عمر قد اوتر رسول الله ﷺ واوتر المسلمون قال جعل الرجل یردد علیه و عبدالله بن عمر یقول قد اوتر رسول الله ﷺ واوتر المسلمون۔ (موطا امام مالک ص 109)

حضرت امام مالک ؒ سے مروی ہے کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے وتر کے بارے میں سوال کیا کہ کیا وتر واجب ہیں تو حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھے اور مسلمان بھی پڑھتے رہے، امام مالک ؒ فرماتے ہیں کہ وہ شخص آپ سے بار بار یہی پوچھتا رہا اور حضرت عبداللہ بن عمر ؓ یہی فرماتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وتر پڑھے اور مسلمان بھی پڑھتے رہے۔

حدیث نمبر ⑭:

عن ابی ایوب قال الوتر حق او واجب۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 297)

حضرت ابو ایوب فرماتے ہیں کہ وتر حق میں یا واجب ہیں۔

حدیث نمبر ⑮:

عن مجاھد قال ھو واجب ولم یکتب۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 297)

حضرت مجاہد فرماتے ہیں وتر واجب ہیں فرض نہیں۔

حدیث نمبر ⑯:

عن طاؤس الوتر واجب یعاد الیہ اذا نسی۔

(مصنف عبدالرزاق ج 3 ص 8)

حضرت طاؤس ؒ سے مروی ہے کہ وتر واجب ہیں اگر بھولے سے رہ جائیں تو قضاء پڑھے جائیں گے۔

حدیث نمبر ⑰:

عن حماد قال اوتر وان طلعت الشمس۔

(مصنف عبدالرزاق ج 3 ص 10)

حضرت حماد ؒ فرماتے ہیں کہ وتر پڑھو اگرچہ سورج طلوع ہو جائے (یعنی اگر قضاء پڑھنی پڑھے تو پڑھو)

حدیث نمبر ⑱:

عن وبرة قال سالت ابن عمر عن رجل اصبح ولم یوتر قال ارایت لو نمت عن الفجر حتی تطلع الشمس الیس کنت تصلی کانه یقول یوتر. (مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 290)

حضرت وبرہ ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص وتر پڑھے بغیر صبح کر دے تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا بتلاؤ اگر تم صبح کی نماز پڑھے بغیر سوتے رہو حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جائے تو کیا تم صبح کی نماز نہیں پڑھوں گے گویا آپ یہ فرما رہے تھے کہ وہ شخص وتر پڑھے۔

حدیث نمبر ⑲:

عن الشعبی و عطاء الحسن وطائوس و مجاهد قالوا لا تدع الوتر و ان طلعت الشمس. (مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 290)

حضرت امام شعبی، حضرت عطاء، حضرت حسن بصری، حضرت طاؤس، حضرت مجاہد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ وتر کو نہ چھوڑو اگرچہ سورج طلوع ہو جائے۔

حدیث نمبر ⑳:

عن الشعبی قال لا تدع الوتر ولو تنصف النهار.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 290)

حضرت امام شعبی ؒ فرماتے ہیں کہ وتر کو نہ چھوڑو اگرچہ نصف النہار ہی کیوں نہ ہو جائے۔

مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے کیونکہ حضور **علیہ الصلوۃ والسلام** خود فرما رہے ہیں کہ وتر واجب ہیں جیسا کہ **حضرت ابوایوب انصاری** اور **حضرت عبداللہ بن مسعود** ؓم کی احادیث سے واضح ہے، دوسرے متعدد احادیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ نے صحابہ کرام کو وتر پڑھنے کا حکم دیا ہے اور یہ قانون ہے کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے جب تک کہ دوسرے معنی مراد لینے کا کوئی قرینہ نہ ہو، تیسرے آپ نے وتر نہ پڑھنے پر وعید فرمائی ہے ''جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں

سے نہیں'' یہ بھی وجوب کی علامت ہے، چوتھے آپ نے وتر رہ جانے کی صورت میں قضاء کرنے کا حکم دیا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وتر واجب ہیں کیونکہ قضاء فرض واجب ہی کی جاتی ہے، پانچویں آپ نے وتر کی نماز پر مواظبت و مداومت بلاترک فرمائی ہے۔ اس سے بھی وتر کا وجوب ثابت ہوتا ہے، نیز صحابہ کرام اور تابعین عظام کے فرامین سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وتر واجب ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ واجب ہوجانے کے بعد نوافل والے تمام احکام ختم ہوگئے نہ اس کی رکعتوں کی تعداد اپنی مرضی پر رہی نہ ہی اس کا بیٹھکر پڑھنا خواہ سواری پر ہی ہو جائز رہا۔

وتر تین رکعات واجب ہیں اور وہ مغرب کی نماز کی طرح ہیں

اب رہا یہ سوال کہ کتنی رکعتیں واجب ہوئیں تو ظاہر ہے کہ یہ زیادتی پانچ نمازوں پر ہوئی اور پانچ نمازوں میں سے چار نمازیں جفت ہیں یعنی دو یا چار رکعت ہیں اور صرف ایک ہی نماز طاق (وتر) ہے اور حضور اکرم ﷺ نے وتر کو مغرب کی نماز کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جب مغرب کی نماز تین رکعات ہے۔ اس لئے وتر بھی تین رکعات ہی ہوں گے۔

حدیث نمبر ①:

عن ابی عمر ان النبی ﷺ قال صلوة المغرب وتر النهار فاوتروا صلوة اللیل۔ (مصنف عبدالرزاق ج3 ص28)

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا مغرب کی نماز دن کے وتر ہیں تم رات کی نماز کو وتر بناؤ۔

علامہ عراقی فرماتے ہیں اس کی سند صحیح ہے۔ (زرقانی شرح موطا ج1 ص233)

حدیث نمبر ②:

عن عبداللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ وتر اللیل ثلث کوتر النهار صلوة المغرب۔ (دارقطنی ج2 ص28)

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات کے وتر تین ہیں دن کے وتر یعنی نماز مغرب کی طرح۔

حدیث نمبر ③:

عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ الوتر ثلث کثلاث المغرب۔

(مجمع الزوائد ج 2 ص 242)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وتر کی تین رکعتیں، مغرب کی تین رکعتوں کی طرح۔

نوٹ: یہ تینوں روایتیں مرفوع ہیں یعنی رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ہیں جن میں صاف تصریح ہے کہ وتر کی نماز مغرب کی نماز کی طرح ہے۔

حدیث نمبر ④:

عن عبدالله بن مسعود قال الوتر ثلث کوتر النهار صلوة المغرب۔ (طحاوی ج 1 ص 202)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وتر کی تین رکعات ہیں دن کے وتر مغرب کی نماز کی طرح۔

حدیث نمبر ⑤:

عن عبدالله بن مسعود قال الوتر ثلث کصلوة المغرب۔ (موطا امام محمد ص 142)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وتر کی تین رکعتیں ہیں مغرب کی نماز کی طرح۔

حدیث نمبر ⑥:

عن عبدالرحمن بن یزید قال قال بن مسعود وتر اللیل کوتر النهار صلوة المغرب ثلثا۔ (معجم طبرانی کبیر ج 9 ص 272)

حضرت عبدالرحمن بن یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رات کے وتر دن کے وتر نماز مغرب کی طرح تین ہیں۔

حدیث نمبر ⑦:

عن عقبة بن مسلم قال سالت ابن عمر عن الوتر فقال اتعرف

وتر النہار قلت نعم صلوۃ المغرب قال صدقت واحسنت

(طحاوی ج1ص192)

حضرت عقبۃ بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے وتروں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کیا تم دن کے وتر جانتے ہو میں نے کہا جی ہاں نماز مغرب آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا اور خوب کہا۔

حدیث نمبر ⑧:

عن عطاء قال ابن عباس رضی اللہ عنہ الوتر کصلوۃ المغرب۔

(موطا امام محمد ص142)

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا وتر مغرب کی طرح ہیں۔

حدیث نمبر ⑨:

عن الحسن قال کان ابی بن کعب یوتر بثلاث لا یسلم الا فی الثالثۃ مثل المغرب۔ (مصنف عبدالرزاق ج3ص26)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وتر تین رکعات پڑھا کرتے تھے اور سلام فقط تیسری رکعت میں پھیرتے تھے مغرب کی طرح۔

حدیث نمبر ⑩:

عن ابی خالدۃ قال سالت ابا العالیۃ عن الوتر فقال علمنا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم او علمونا ان الوتر مثل صلوۃ المغرب غیر انا نقرا فی الثالثۃ فھذا وتر اللیل وھذا وتر النہار۔

(طحاوی ج1ص202)

حضرت ابوخالدہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوالعالیۃ رحمۃ اللہ علیہ سے وتر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے تعلیم دی یا فرمایا کہ انہوں نے تعلیم دی ہے کہ وتر مغرب کی نماز کی طرح ہیں سوائے اس کے ہم وتر کی تیسری رکعت میں بھی قرات کرتے ہیں یہ رات کے وتر ہیں اور وہ (مغرب) دن کے وتر ہیں۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جب وتر واجب ہوئے تو اس کی تین رکعت مقرر ہو گئیں جیسے نماز مغرب کی تین ہی رکعتیں ہیں اور وہ دو التحیات اور ایک سلام سے پڑھی جاتی ہیں اسی پر صحابہ خود عمل کرتے رہے اور یہی طریقہ اپنے کو بتاتے رہے اور اسی پر بلاتردد انکار خیر القرون میں عمل جاری رہا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ جن احادیث مختلف آئی ہے وہ اس دور کی ہیں جب وتر نفل تھے۔

تین رکعات وتر کی مزید روایات

1- عن ابی سلمة بن عبدالرحمن انه اخبره انه سال عائشة رضی اللہ عنہا كيف كانت صلوة رسول الله ﷺ فی رمضان فقالت ما كان رسول الله ﷺ يزيد فی رمضان ولا فی غيره علی احدی عشرة ركعة يصلی اربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلی اربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلی ثلثا الحديث.

(بخاری ج1 ص154، مسلم ج1 ص254، نسائی ج1 ص191)

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف سے مروی ہے انہوں نے سعید رحمۃ اللہ علیہ بن ابی سعید مقبری رحمۃ اللہ علیہ کو خبر دی کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا کہ رمضان المبارک میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کیسی ہوتی تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں اور غیر رمضان گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ پہلے چار رکعتیں پڑھتے کچھ نہ پوچھو کہ وہ کتنی حسین وطویل ہوتی تھیں، پھر چار رکعتیں پڑھتے کچھ نہ پوچھو کتنی حسین اور طویل ہوتی تھیں پھر تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

2- عن عبدالله بن عباس انه رقد عند رسول الله ﷺ فاستيقظ فتسوك و توضا و هو يقول ان فی خلق السموت والارض واختلاف الليل والنهار لايت لاولی الباب فقرا هولاء الايات حتی ختم السورة ثم قام فصلی ركعتين فاطال فيهما القيام والركوع والسجود ثم انصرف فنام حتی نفخ ثم فعل ذالك ثلث مرات ست ركعات كل ذالك يستاك و يتوضا و يقرا

هولاء الايات ثم اوتر بثلث الحديث۔ (مسلم ج1 ص261)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس (اپنی خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں) سوئے، آنحضرت ﷺ رات کو بیدار ہوئے مسواک کی وضو کیا اور یہ آیات تلاوت فرمائیں ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنهار لایات لا ولی الباب سورۃ کے ختم تک پھر آپ کھڑے ہوئے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ دونوں رکعتوں میں قیام، رکوع اور سجود کو خوب لمبا کیا پھر آپ فارغ ہو کر سو گئے یہاں تک کہ خراٹے بھرنے لگے، آپ نے یہ عمل تین بار کیا، سو کر اٹھتے مسواک اور وضو کر کے دو رکعت ادا فرماتے اور ہر دفعہ سورہ آل عمران کی آخری آیات تلاوت فرماتے اس طرح چھ رکعات آپ نے ادا فرمائیں پھر تین رکعات وتر پڑھے۔

3- عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال كان رسول الله ﷺ يصلي من الليل ثمان ركعت و يوتر بثلث و يصلي ركعتين قبل صلوة الفجر۔

(نسائی ج1 ص192)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو پہلے آٹھ رکعات پڑھتے پھر تین رکعات وتر پڑھتے۔ پھر دو رکعت (سنت) فجر کی نماز سے پہلے پڑھتے۔

4- عن عامر الشعبي قال سالت ابن عباس وابن عمر كيف كان صلوة رسول الله ﷺ بالليل فقالا ثلث عشرة ركعة ثمان ويوتر بثلث و ركعتين بعد الفجر۔

(طحاوی ج1 ص192)

حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی رات کو نماز کیسی ہوتی تھی۔ ان دونوں بزرگوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ تیرہ رکعت پڑھتے تھے پہلے آٹھ رکعات (تہجد) پھر تین رکعات وتر پھر دو رکعت (سنت) صبح

صادق کے بعد۔

5- اخبرنا ابو حنیفة حدثنا ابو جعفر قال کان رسول اللہ ﷺ یصلی ما بین صلوة العشاء الی الصلوة الصبح ثلث عشرة رکعة ثمان رکعات تطوعا ثلث رکعات الوتر و رکعتی الفجر۔

(موطا امام محمد ص 145)

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی اور وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث بیان کی، فرمایا رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز کے بعد سے لے کر صبح کی نماز تک کے درمیان تیرہ رکعات پڑھا کرتے تھے آٹھ رکعات نفل (تہجد) تین رکعات وتر اور دو رکعت فجر کی سنت۔

6- عن عمرة عن عائشة ان رسول اللہ ﷺ کان یوتر بثلث یقرا فی الرکعة الاولی بسبح اسم ربك الاعلی و فی الثانیة قل یا ایھا الکفرون و فی الثالثة قل ھو اللہ احد و قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس۔

(دارقطنی ج 2 ص 35، طحاوی ج 1 ص 196، مستدرک حاکم ج 1 ص 305)

حضرت عمرة رحمۃ اللہ علیہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعات وتر پڑھا کرتے تھے، پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلی دوسری میں قل یا ایھا الکفرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد ٥ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے تھے۔

7- عن علی قال کان رسول اللہ ﷺ یوتر بثلث یقرا فیھن بتسع سور من المفصل یقرا فی کل رکعة بثلث سود آخر ھن قل اللہ احد۔ (ترمذی ج 1 ص 106)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر تین رکعات پڑھا کرتے تھے۔ تینوں رکعتوں میں (قصار) مفصل کی نو سورتیں پڑھتے تھے۔ ہر

رکعت میں تین سورتیں پڑھتے سب سے آخر سورۃ قل ھو اللہ احد ہوتی تھی۔

8- عن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ یقرا فی الوتر بسبح اسم ربك الاعلی و قل یا ایھا الکفرون و قل ھو اللہ احد فی رکعۃ رکعۃ۔ (ترمذی ج1 ص106)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر میں سبح اسم ربك الاعلی o قل یا ایھا الکفرون اور قل ھو اللہ احد پڑھا کرتے تھے ہر سورت ایک رکعت میں۔

9- عن عبدالرحمن بن ابزی انہ صلی مع النبی ﷺ الوتر فقرا فی الاولی بسبح اسم ربك الاعلی و فی الثانیۃ قل یا ایھا الکفرون و فی الثالثۃ قل ھو اللہ احد فلما فرغ قال سبحان الملك القدوس ثلثا یمد صوتہ بالثالثۃ۔

(طحاوی ج1 ص201 ،مسند احمد ج3 ص406 ،نسائی ج1 ص196)

حضرت عبدالرحمن بن ابزی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کے ساتھ وتر کی نماز پڑھی تو آپ نے پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلی دوسری میں قل یا ایھا الکفرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد پڑھی، جب آپ فارغ ہوئے تو آپ نے تین بار یہ کلمات کہے سبحان الملك القدوس اور تیسری مرتبہ آواز بلند کی۔

10- عن ابی بن کعب قال کان رسول اللہ ﷺ یوتر بسبح اسم ربك الاعلی و قل یا ایھا الکفرون و قل ھو اللہ احد۔

(نسائی ج1 ص194 ،ابوداود ج1 ص201 ،ابن ماجہ ص83 ،مسند احمد ج5 ص123)

حضرت ابن بن کعب رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سبح اسم ربك الاعلی قل یا ایھا الکفرون اور قل ھو اللہ احد کے ساتھ وتر کی نماز ادا فرماتے تھے۔

11- عن عبدالعزیز بن جریج قال سالت عائشۃ ام المومنین بای شی کان یوتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالت کان یقرا فی

الاولی بسبح اسم ربك الاعلی وفی الثانیة بقل یا ایها الکفرون وفی الثالثة بقل هو الله احد والمعوذتین۔

(مسند احمد ج1 ص227. ترمذی ج1 ص106. ابوداود ج1 ص201. ابن ماجہ ص83)

حضرت عبدالعزیز بن جریج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ وتروں میں کون سی سورتیں پڑھتے تھے آپ نے فرمایا پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلی دوسری میں قل یا ایها الکفرون اور تیسری میں قل هو الله احد قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وتر تین رکعات پڑھتے تھے

12- عن عمر بن الخطاب انه قال ما احب انی ترکت الوتر بثلث وان لی حمر النعم۔ (موطا امام محمد 145)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے پسند نہیں کہ میں تین رکعات وتر چھوڑ دوں چاہے مجھے اس کے بدلے سرخ اونٹ کیوں نہ ملیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ وتر تین رکعات پڑھتے تھے۔

13- عن زاذان ان علیا کان یوتر بثلث من آخر اللیل قاعدا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص295)

حضرت زاذان سے مروی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ وتر تین رکعات پڑھا کرتے تھے رات کے آخری حصہ میں بیٹھ کر۔

14- عن زاذان عن علی انه کان یوتر بانا انزلناه فی لیلة القدر واذا زلزلت الارض وقل هو الله احد۔ (مصنف عبدالرزاق ج3 ص34)

حضرت زاذان رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ وتروں میں ان انزلناه فی لیلة القدر، اذا زلزلت الارض اور قل هو الله احد پڑھا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ تین رکعات وتر کے قائل تھے

15- عن علقمة قال اخبرنا عبدالله بن مسعود اهون ما يكون الوتر بثلث ركعات. (موطا امام محمد ص146)

حضرت علقمہ ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے ہمیں خبر دی ہے کہ وتر کی کم سے کم تین رکعات ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ بھی تین رکعات وتر پڑھتے تھے:

16- عن ابی یحیی قال سمر المسور بن مخرمة و ابن عباس حتی طلعت الحمراء ثم نام ابن عباس فلم يستيقظ الا باصوات اهل الزوراء فقال لاصحابه اتروني ادرك اصلي ثلثا يريد الوتر و ركعتي الفجر وصلوة الصبح قبل ان تطلع الشمس فقالوا نعم فصلى و هذا في آخر وقت الفجر. (طحاوی ج1 ص199)

حضرت ابو یحییٰ ؒ فرماتے ہیں کہ (ایک دفعہ) حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ رات کو باتیں کرنے لگے، یہاں تک سرخ ستارہ (جو صبح صادق سے پہلے نکلا کرتا ہے) نکل آیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سو گئے اور پھر اہل زوراء کی آوازوں کی وجہ سے بیدار ہوئے آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کیا خیال ہے کی مجھے اتنا وقت مل جائے گا۔ کہ میں سورج نکلنے سے پہلے پہلے تین رکعات وتر، دو رکعت سنت اور فجر کی نماز پڑھ سکوں، انہوں نے کہا جی ہاں، چنانچہ آپ نے (یہ تمام) نماز پڑھی۔ حضرت ابن عباس ؓ کا یہ سوال فجر کے اخیر وقت میں تھا۔

17- عن ابی منصور قال سالت عبدالله بن عباس عن الوتر فقال ثلث. (طحاوی ج1 ص199)

حضرت ابو منصور ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے وتروں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا تین (رکعات) ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی تین رکعات پڑھتے تھے

18- عن انس قال الوتر ثلث رکعات و کان یوتر بثلث رکعات۔ (طحاوی ج1 ص202)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وتر تین رکعات ہیں اور آپ وتر تین رکعات ہی پڑھتے تھے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی وتر تین رکعات پڑھتے تھے

19- عن السائب بن یزید ان ابی بن کعب کان یوتر بثلث۔

(مصنف عبد الرزاق ج3 ص36)

حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وتر تین رکعات پڑھتے تھے۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بھی وتر تین رکعات پڑھتے تھے

20- عن ابی غالب ان ابا امامة کان یوتر بثلث۔

(طحاوی ج1 ص200، مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص293)

حضرت ابوغالب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ وتر تین رکعات پڑھتے تھے۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ بھی وترن تین رکعات پڑھتے تھے

21- عن سعید بن جبیر انه کان یوتر بثلث ویقنت فی الوتر قبل الزکوع۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص294)

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ وتر تین رکعات پڑھتے تھے اور دعاء قنوت وتر میں رکوع سے پہلے پڑھتے تھے۔

حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ بھی تین رکعات وتر کے قائل تھے

22- عن علقمہ قال الوتر ثلث۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص294)

حضرت علقمہ ؒ فرماتے ہیں کہ وتر تین رکعات ہیں۔

آنحضرت ﷺ تین رکعت وتر میں تین سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ (جیسا کہ بعض روایات اوپر ذکر کی گئی ہیں) یہ حضرت عائشہ ؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ، نعمان بن بشر ؓ، حضرت ابو ہریرہ ؓ، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ، حضرت ابی بن کعب ؓ، حضرت علی ؓ، حضرت عمران بن حصین ؓ، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی ؓ، حضرت معاویہ بن ابی سفیان ؓ، حضرت جابر ؓ اور حضرت ابوامامہ ؓ چودہ صحابہ نے روایت کیا ہے ادھر عہد فاروقی ؓ سے بیس تراویح اور تین وتر پر صحابہ کا اجماع ہو گیا یہی اجماع حضرت عثمان ؓ اور حضرت علی ؓ کے زمانہ اور بعد میں بھی قائم رہا۔

لہذا تین رکعت کے علاوہ جتنی رکعات کا ذکر احادیث میں آتا ہے وہ اجماعاً متروک العمل ہیں۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے جو نماز پڑھی ہے اس کے ساتھ ایک اور رکعت پڑھ لے جس سے ساری نماز وتر (یعنی طاق) بن جائے گی۔

مولانا منظور احمد سیالکوٹی لکھتے ہیں۔

توتر لہ ما قد صلی وہ اس کی پہلے پڑھی ہوئی نماز کو وتر بنا دے گی یعنی دو رکعت کے ساتھ تیسری ملائیں تو تین وتر ہو جائیں گے۔ پس حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ اس ایک رکعت کو دوسری نماز سے جدا کر کے صرف ایک ہی کے طور پر پڑھا جائے گا۔ جب کہ صحاح میں موجود ہے کہ صلاۃ اللیل دو دو رکعت ہے اور جب طلوع فجر کا خوف پیدا ہو جائے تو دو کے ساتھ ایک ملا لی جائے۔

(فضل المعبود شرح ابی داود ج2 ص 473)

حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ لکھتے ہیں۔

> و استدل بقولہ ﷺ صلی رکعۃ واحدۃ علی ان فصل الوتر افضل من وصلہ و تعجب بانہ لیس صریحا فی الفصل فیحتمل ان یرید بقولہ صلی رکعۃ واحدۃ اے مضافۃ الی الرکعتین مما مضی۔

(فتح الباری ج2 ص 481)

پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ جس دور میں نماز میں سلام کلام جائز تھا اس وقت وتروں میں بھی سلام ہوتا تھا دو رکعت الگ اور ایک وتر الگ پڑھتے تھے اس طرح بعض راوی اس کو تین رکعت روایت

کرتے بعض ایک رکعت ورنہ شفع کے بغیر صرف ایک رکعت پڑھنا آنحضرت ﷺ سے ہرگز ثابت نہیں۔

چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ”وتر کی روایات کی کثرت کے باوجود ہمیں معلوم نہیں کہ کسی روایت میں یہ آتا ہو کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی صرف ایک رکعت وتر پڑھا ہو)

(تلخیص الحبیر ج2 ص115)

2- حالانکہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک رکعت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ ﷺ عن البتیرا ان یصلی الرجل واحدۃ یوتر بہا

(رواہ ابن عبد البر فی التمہید بحوالہ اعلاء السنن ج2 ص40)

حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بتیرا سے منع فرمایا ہے یعنی اس سے کہ آدمی ایک رکعت وتر پڑھے۔

عن محمد بن کعب القرظی ان النبی ﷺ نہی عن البتیر۔

(زیلعی ج1 ص303 وھو مرسل معتضد)

محمد بن کعب بھی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے بتیرا سے منع فرمایا۔

دور صحابہ و تابعین میں ان ہی احادیث (جن میں تین رکعات کا ذکر ہے) کے موافق عمل جاری تھا ایک وتر کا کوئی رواج نہ تھا اگر شاذ و نادر کوئی ایک رکعت پڑھتا تو اس پر انکار ہوتا اور لوگ تعجب سے اس کو دیکھتے وہ ان کے انکار کے جواب میں کوئی حدیث پیش نہ کر سکتا۔ ہمارا غیر مقلدین سے یہی مطالبہ ہے کہ ہم ایسے واقعات احادیث صحیحہ سے پیش کریں گے کہ ایک وتر پڑھنے والے پر شدید انکار ہوا۔ اور غیر مقلدین یہ ثابت کریں گے کہ جن پر انکار ہوا انہوں نے فلاں صحیح حدیث سے ان کے سامنے ایک وتر پڑھنا ثابت کیا ہے۔

1- حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا اھون ما یکون الوتر ثلاث رکعات (موطا امام محمد ص150) کم از کم وتر کی رکعتیں تین ہیں۔ یہ ایک رکعت وتر کا صریح انکار ہے۔ اب غیر مقلدین ثابت کریں کہ کسی نے ان کے سامنے حدیث سے ایک وتر کا ثبوت پیش کیا ہو۔

2- پھر حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ نے صراحۃ کھل کر فرمایا ما اجزات رکعۃ واحدۃ قط (موطا امام محمد ص150) کہ (وتر) کی ایک رکعت کبھی کافی نہیں ہو سکتی اس وقت کوفہ میں سینکڑوں

صحابہ اور ہزاروں تابعین موجود تھے کسی نے ایک حدیث بھی ان کے رد میں پیش نہ کی۔

-3 حضرت سعد ؓ نے ایک وتر پڑھا تو حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا ایک رکعت ہر گز جائز نہیں و عاب ذلك على سعد اور حضرت سعد ؓ کے اس فعل کو معیوب قرار دیا۔

(طحاوی ج 1 ص 203)

مگر حضرت سعد ؓ ایک بھی حدیث ان کے مقابلہ میں پیش نہ کر سکے (حضرت سعد ؓ کا یہ واقعہ پہلے زمانے کا ہے)

-4 حضرت عبداللہ بن سلمہ ؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد ؓ نے کوفے میں ایک وتر پڑھا میں ان کے پیچھے چلا اور ان کا بازو پکڑ لیا اور پوچھا یا ابا اسحاق ماھذہ الرکعة یہ رکعت کیا ہے۔ (طحاوی ج 1 ص 203) اس سے معلوم ہوا کہ شاذ قراتوں کی طرح ایک وتر کو لوگ برے اجنبی کی طرح بڑے دیکھتے تھے۔ حضرت سعد ؓ عبداللہ بن سلمہ کے سامنے بھی کوئی حدیث پیش نہ فرما سکے۔

اعتراض نمبر ⑭

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ⑭: صلاۃ کسوف (سورج اور چاند گرہن کی نماز) میں ایک سے زائد رکوع ہونے کا بیان۔

حدیث نبوی ﷺ

عن عائشة قالت ان الشمس خسفت على عهد رسول الله ﷺ فبعث مناديا الصلاة جامعة فتقدم و صلى اربع ركعات فى ركعتين واربع سجدات

ترجمہ: سیدنا عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں جب سورج گرہن ہوا تھا تو آپؐ نے منادی کرا کے دو رکعتیں نماز پڑھائی۔ ہر ایک رکعت میں دو دو رکوع کئے۔

(بخاري ج1 ابواب الكسوف باب الجهر بالقرائة في الكسوف صفحه 145، رقم الحديث 1066) (مسلم ج1 كتاب الكسوف فصل صلوة الكسوف ركعتان باربع ركعات، رقم الحديث 2089) (واللفظ للبخاري)

فقہ حنفی

اذا انکسفت الشمس صلی الامام بالناس رکعتین کھیئۃ النافلۃ فی کل رکعۃ رکوع واحد

ہدایۃ اولین ج1 کتاب الصلوۃ باب صلاۃ الکسوف ص175

جب سورج گرہن ہوجائے تو امام لوگوں کو عام نفلی نماز کی طرح دو رکعتیں پڑھاء ہر رکعت میں ایک رکوع کرے۔ (فقہ وحدیث ص53)

جواب:

آنحضرت ﷺ سے صلوۃ کسوف میں کئے گئے رکوعوں کی تعداد کے متعلق مختلف روایات کتب حدیث میں منقول ہیں۔ مثلاً

1- پانچ رکوع کرنے کی روایت

عن ابی بن کعب قال انکسفت الشمس علی عہد رسول اللہ ﷺ و ان النبی ﷺ صلی بھم فقرا سورۃ من الطول ورکع خمس رکعات و سجد سجدتین ثم قام الثانیۃ فقراء سورۃ من الطول ورکع خمس رکعات و سجد سجدتین ثم جلس کم ھو مستقبل القبلۃ یدعو حتی انجلی کسوفھا۔ (ابوداود ج1 ص167)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں سورج گرہن ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے اصحاب کو نماز پڑھائی اور لمبی سورتوں میں سے ایک سورت پڑھی اور پانچ رکوع کئے اور دو سجدے کئے۔ پھر دوسری رکعت میں کھڑے ہوئے تو لمبی سورتوں میں سے ایک پڑھی اور پانچ رکوع کئے اور دو سجدے کئے پھر اسی طرح قبلہ رخ بیٹھ گئے اور دعا کرتے رہے حتیٰ کہ سورج گرہن جاتا رہا۔ اس حدیث میں ہر رکعت کے اندر پانچ رکوع کا ذکر ہے۔

چار رکوع کرنے کی روایت

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال رسول اللہ ﷺ حین کسفت الشمس ثمان

رکعات فی اربع سجدات وعن علی مثل ذلک۔

(مسلم ج 1 ص 299 نسائی ج 1 ص 215)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سورج گرہن لگا تو رسول اللہ ﷺ نے آٹھ رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ نماز پڑھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔

تین رکوع کرنے کی روایت

عن عائشة ان النبی ﷺ صلی ست رکعات فی اربع سجدات قلت لمعاذ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا شك ولا مرية.

(نسائی ج 1 ص 215)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چھ رکوع کئے چار سجدے کئے پھر میں نے معاذ رضی اللہ عنہ کو کہا کہ یہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے آپ نے (یعنی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے) ارشاد فرمایا کہ اس میں کوئی شک اور شبہ نہیں۔

دو رکوع کرنے کی روایت

عن عائشه رضی اللہ عنہا قالت ان الشمس خسفت علی عهد رسول الله ﷺ فبعث منادیا الصلوة جامعة فاجتمعوا و تقدم فکبر وصلی اربع رکعات فی رکعتین واربع سجدات۔ (مسلم ج 1 ص 297-296)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ عہد رسالت میں سورج گرہن لگ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک منادی کو بھیجا کہ نماز تیار ہے۔ سب مسلمان جمع ہو گئے آپ نے آگے بڑھ کر تکبیر کہی اور دو رکعتوں میں چار رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ نماز پڑھائی۔

نوٹ: یہ روایت راشدی صاحب نے نقل کی ہے۔

ایک رکعت میں ایک رکوع کرنے کی روایات

یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ کی تائید کرنی والی عبارت:

1- عن عبداللہ بن عمرو قال انکسفت الشمس علی عهد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکد یرکع ثم رکع فلم یکد یرفع ثم رفع فلم یکد یسجد ثم سجد فلم یکا یرفع ثم رفع یلم یکد یسجد ثم سجد فلم یکد یرفع ثم رفع وفعل فی الرکعۃ الاخری مثل ذلک۔ (الحدیث)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے (صلوۃ کسوف) کا قیام اس قدر طویل کیا کہ لگتا تھا کہ آپ رکوع نہیں کریں گے پھر آپ نے رکوع کیا تو لگتا تھا کہ رکوع سے سر نہیں اٹھائیں گے پھر قومہ کیا تو لگتا تھا کہ سجدے میں نہیں جائیں گے پھر سجدہ کیا تو لگتا تھا کہ سجدے سے سر نہیں اٹھائیں گے پھر آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور دوسری رکعت بھی پہلی رکعت کی طرح پڑھی۔

(ابوداؤد ج 1 ص 169، شمائل ترمذی ص 23، موارد الظمان ص 157)

اس حدیث میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی واضح تصریح موجود ہے کہ صلوۃ کسوف میں ایک قیام ایک قراۃ اور ایک رکوع ہے۔

2- حدثنی ثعلبۃ بن عباد العبدی من اھل البصرۃ انہ شھد خطبۃ یوم لسمرۃ بن جندب قال قال سمرۃ بینما انا و غلام من الانصار نرمی غرضین لینا حتی اذا کانت الشمس قیدر محین او ثلثۃ فی عین الناظر من الافق اسودت حتی اضیت کانھا تنومۃ فقال احدنا لصاحبہ انطلق بنا الی المسجد فواللہ لیحدثن شان ھذہ الشمس لرسول اللہ ﷺ فی امنہ حدثا قال فدفعنا فاذا ھو بارز فاستقدم فصلی فقام بنا کاطول ما قام بنا فی صلوۃ قط لا نسمع لہ صوتا قال ثم رکع بنا کاطول ما رکع بنا فی صلوۃ قط لا نسمع لہ صوتا قال ثم سجد بنا کاطول ما سجد بنا فی صلوۃ قط لا نسمع لہ صوتا ثم فعل فی الرکعۃ الاخری مثل ذلک۔ الحدیث

(سنن ابوداؤد ج 1 ص 168، نسائی ج 1 ص 153، مسند احمد جلد 2 ص 198۔ جلد 5 ص 16، مستدرک حاکم جلد 1 ص 330)

حضرت ثعلبۃ بن عباد عبدی رضی اللہ عنہ جو بصرہ کے رہنے والے تھے وہ بیان کرتے

ہیں کہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے ایک دن خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ ایک دن میں اور انصار کا ایک لڑکا اپنے دو نشانوں پر تیر پھینک رہے تھے یہاں تک کہ جب دیکھنے والے کے لئے سورج افق سے دو یا تین نیزے پر بلند ہوا تو وہ سیاہ ہو گیا یہاں تک کہ گویا وہ تنومہ کی بوٹی بن گی ہم میں سے ایک نے دوسرے کو کہا کہ چلو مسجد میں چلیں کیونکہ واللہ اس سورج کا رسول اللہ ﷺ کی امت کے لئے کوئی نیا معاملہ ہوگا۔ سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم بھاگے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر تھے پس آپ آگے بڑھے اور نماز پڑھائی اور اتنا لمبا قیام فرمایا کہ اس کے علاوہ کسی اور نماز کے لئے مشکل ہی ایسا قیام فرمایا ہوگا۔ ہم آپ کی آواز نہ سنتے تھے۔ پھر رکوع فرمایا تو اتنا لمبا کہ کسی نماز میں بمشکل ہی اتنا طویل رکوع کیا ہوگا ہم آپ کی آواز نہ سنتے تھے۔ سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا پھر آپ نے بہت لمبا سجدہ کیا جو کسی نماز کے طویل ترین سجدہ میں کیا گیا ہوگا۔ ہم آپ کی آواز نہ سنتے تھے۔ پھر دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کیا۔

اس حدیث میں ایک رکعت میں ایک رکوع کا ذکر واضح طور پر موجود ہے۔

3- عن النعمان بن بشیر ان النبی ﷺ قال اذا خسفت الشمس والقمر فصلوا کاحدث صلوۃ صلیتموھا من الکمتوبۃ (امام احمد بن حنبل متوفی 241) (مسند احمد ج4ص 271 مطبوعہ کتب الاسلامی بیروت، الطبقہ الاولی 1326)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب سورج اور چاند کو گہن لگ جائے تو قریب کی پڑھی ہوئی فرض نماز کی مثل نماز پڑھو۔

4- عن ابی بکرۃ قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانکسفت الشمس فقام الی المسجد یجر ردائہ من العجلۃ فقام الیہ الناس فصلی رکعتین کما تصلون۔ الحدیث

(سنن نسائی ج1ص 54 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابوبکرہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے

اچانک سورج کو گہن لگا آپ جلدی سے چادر گھسیٹتے ہوئے اٹھے لوگ بھی کھڑے ہو گئے پھر آپ نے دو رکعت نماز پڑھی جس طرح تمام (عام) نماز پڑھتے ہو۔

5- عن عبدالرحمن بن سمرة قال كنت ارمی باسهم لی بالمدينة فی حياة رسول الله ﷺ اذا كسفت الشمس فنبذتها۔ و قلت والله لا نظرن الی ما حدث رسول الله ﷺ فی كسوف الشمس قال فاتيته و هو قائم فی الصلوة رافع يديه فجعل يسبح و يحمد و يهلل و يكبر و يدعو حتى حسر عنها فلما حسر عنها قراء سورتين و صلی ركعتين۔ (صحیح مسلم ج1 ص299)

حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی حیات مقدسہ میں مدینہ منورہ میں تیر اندازی کر رہا تھا۔ اچانک سورج کو گہن لگ گیا میں نے سوچا کہ دیکھتا ہوں کہ سورج کو گہن پر رسول اللہ ﷺ کیا نیا کام کرتے ہیں۔ میں تیر پھینک کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس وقت میں آیا تو آپ نماز میں کھڑے ہوئے تھے آپؐ نے رفع یدین کیا تسبیح اور حمد پڑھی لا الہ الا اللہ پڑھا، تکبیر پڑھی اور دعا مانگی حتیٰ کہ سورج صاف ہو گیا۔ حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا آپ نے سورج صاف ہونے پر دو رکعت میں دو سورتیں پڑھی تھیں۔

اس حدیث میں بھی امام ابوحنیفہ کے موقف پر واضح دلالت ہے کیونکہ کسوف کی نماز میں حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے دو رکعت نماز کا ذکر کیا ہے جو ان دو رکعات پر محمول ہوں گی جو نماز کی متعارف دو رکعات میں علامہ نووی کا اس حدیث کے اندر ایک رکعت میں دو رکوع کی قید لگانا بے سود اور باطل ہے۔

6- عن قبيصة الهلالی قال كسفت الشمس علی عهد رسول الل ﷺ فخرج فزعا ثوبه و انا معه يومئذ بالمدينة فصلی ركعتين فاطال فيهما القيام ثم انصرف و انجلت فقال انما هذا الايات يخوف الله عزوجل بها فاذا رايتموها فصلوا كاحدث صلوة صليتموها من المكتوبة۔ (سنن ابو داؤد ج1 ص168)

حضرت قبیصہ ہلالی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں سورج کو

گہن لگ گیا رسول اللہ ﷺ گھبرا کر کپڑا گھسیٹتے ہوئے نکلے میں اس وقت مدینہ میں تھا آپ نے دو رکعت نماز پڑھی جن میں لمبا قیام کیا پھر آپ نماز سے فارغ ہوئے اور سورج صاف ہو گیا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان نشانیوں کے ساتھ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے جب تم ان نشانیوں کو دیکھو تو قریب کی پڑھی ہوئی فرض نماز کی طرح نماز پڑھو۔

حضرت نعمان بن بشیر کی روایت کی طرح اس روایت میں بھی رسول اللہ ﷺ نے صلوۃ کسوف کو فرائض کی طرح پڑھنے کا حکم دیا ہے اور فرائض میں ہر رکعت کے اندر ایک قیام ایک قرات اور ایک رکوع ہوتا ہے۔ اور یہ تمام احادیث امام اعظم کے موقف پر واضح دلیل ہیں کہ صلوۃ کسوف میں ایک رکعت کے اندر دو رکوع نہیں ہوتے۔

8- امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عقلی دلیل

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ صلوۃ کسوف نفل ہے اور جس طرح اور نوافل ایک قیام ایک قراۃ اور ایک رکوع کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں اسی طرح صلوۃ کسوف بھی ایک قیام، ایک قراۃ اور ایک رکوع کے ساتھ اصل کے مطابق پڑھی جائے گی۔

احناف نے ان تمام روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ درحقیقت نماز کا اصلی طریقہ یہ ہے کہ صرف ایک رکوع کیا جائے (جیسا کہ ایک رکوع کرنے کی روایات اوپر نقل کی گئی ہیں) اور ایک سے زائد جو رکوع روایات میں آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں تو وہ صلوۃ کسوف کے جزو کی حیثیت سے نہیں بلکہ محض اظہار عاجزی کے لئے کئے گئے تھے اور ان کا طریقہ بھی عام نمازوں کے رکوع سے کچھ مختلف تھا۔

چنانچہ علامہ کاسانی بدائع الصنائع جلد 1 ص 281 میں لکھتے ہیں۔

آپؐ نے صلوۃ کسوف میں دو رکوع اس لئے نہیں کئے کہ اس میں دو رکوع ہیں بلکہ آپؐ پر ایک خاص کیفیت طاری تھی یہی وجہ ہے کہ کبھی آگے بڑھتے اور کوئی چیز پکڑنا چاہتے، کبھی پیچھے ہٹتے یہ ساری کاروائی اسی کیفیت کا نتیجہ تھی۔

چنانچہ جن صحابہ نے نماز کسوف کے اصل طریقہ کو بیان کرنا چاہا انہوں نے ایک رکوع کی روایت کردی اور جن صحابہ نے آپ کی نماز کی تفصیلی ہیئت بیان کرنا چاہی انہوں نے اپنے اپنے علم کے مطابق دو۔ تین، چار، پانچ رکوعوں کی روایت کردی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نماز کسوف پڑھنے کے فوراً

بعد آپ ؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں فرمایا کہ:

جب تم سورج گرہن یا چاند گرہن کو دیکھو تو نماز پڑھو جیسی قریب ترین فرض نماز (فجر) ہم نے پڑھی ہے۔ (نسائی ج1 ص219، ابوداؤد ج1 ص168)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ اور حضرت قبصیہ ہلالی رضی اللہ عنہ کی دو روایات میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے انتقال کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سورج کو گرہن لگا تو ان دونوں نے صلوۃ کسوف ایک ہی رکوع کے ساتھ ادا کی (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت مسند احمد۔ ابو یعلی موصلی، مسند بزار طبرانی کبیر کے حوالہ سے علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد جلد 2 ص 206 میں نقل کی ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت امام طحاوی نے جلد 1 ص 163 میں نقل کی ہے۔

ان دونوں روایتوں سے بھی امام اعظم ابوحنیفہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کے جواب کی اب الگ سے ضرورت تو نہیں تھی کیونکہ ہم نے جو اوپر تطبیق ذکر کی ہے اس سے اس کا جواب ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود ہم یہاں پر اس کا جواب نقل کرتے ہیں۔

علمائے احناف کی طرف سے اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں ہم صرف یہاں پر دو نقل کرتے ہیں۔

جواب نمبر ①:

حافظ ابن الہمام رضی اللہ عنہ نے فتح القدیر ج1 ص 435 میں اور مولانا سہارنپوری نے بذل المجہود ج2 ص 221 میں اور اسی طرح دیگر فقہاء نے فرمایا ہے کہ صلوۃ کسوف میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے دیر تک قیام کیا پھر دیر تک رکوع کیا۔ کچھ لوگوں نے رکوع سے سر اٹھا کر دیکھا کہ کہیں آپ سجدہ میں نہ چلے گئے ہوں حالانکہ آپ ؐ سجدہ میں نہ گئے تھے وہ دوبارہ رکوع میں چلے گئے۔ پچھلی صفوں والوں نے خیال کیا کہ شاید دو رکوع ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ دو رکوع والی روایات یا تو عورتوں سے ہیں یا اصاغر صحابہ سے جو عموماً پچھلی صفوں میں ہوتے تھے۔

جواب نمبر ②:

اگر دو رکوع والی روایات اس لئے قابل اخذ ہیں کہ ان میں زیادت ہے تو صحیح روایات سے

رکوع سے زیادہ رکوع بھی ثابت ہیں مسلم ج 1 ص 297 وابوداؤد ج 2 ص 167 میں حضرت جابر ؓ کی روایت میں تین تین رکوع ثابت ہیں۔ اسی طرح حضرت عائشہ ؓا کی روایت میں تین تین رکوع ثابت ہیں۔ فی کل رکعۃ ثلاث رکعات رواہ النسائی ص 164 ومسلم ج 1 ص 296 بخاری مع الفتح ج 2 ص 258 واحمد اسنادہ صحیح۔ (آثار السنن ص 262)

اسی مضمون کی روایت حضرت ابن عباس ؓ سے بھی ہے۔ رواہ الترمذی ج 1 ص 73 وصححہ اور حضرت علی ؓ اور ابن عباس ؓ کی روایت میں چار چار رکوع ثابت ہیں مسلم ج 1 ص 297 اور ابن عباس ؓ کی روایت مسند احمد ج 1 ص 225 میں یوں ہے۔ صلی عند کسوف الشمس ثمانی رکعات و اربع سجدات اور نسائی ج 1 ص 164 وابوداؤد ج 1 ص 168 میں بھی موجود ہے اور حضرت علی ؓ کی روایت رواہ احمد واسنادہ صحیح (آثار السنن ص 262) اور مجمع الزوائد ج 2 ص 207 میں بھی ہے۔ وقال رواہ احمد رواتہ ثقات اور حضرت ابی بن کعب ؓ کی روایت میں پانچ پانچ رکوع ثابت ہیں اور ابوداؤد ج 1 ص 167 مگر اس کی سند میں ابوجعفر الرازی ہے جو کمزور ہے اور مجمع الزوائد ج 2 ص 207 میں حضرت علی ؓ سے بھی پانچ پانچ رکوع ثابت ہیں۔ رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح ابن دقیق العید احکام الاحکام میں لکھتے ہیں وغیر ذلک ایضا وھو ثلاث رکعات واربع رکعات فی رکعۃ ان روایات میں دو سے زیادہ رکوع ثابت ہیں اور روایات صحیح ہیں تو اس زیادت پر عمل کیوں نہ کیا جائے؟ اگر ہم ایک سے زیادہ رکوع ترک کر کے عامل بالحدیث نہیں رہتے اور معاذ اللہ تعالیٰ ترک سنت کے مرتکب ہیں تو غیر مقلدین وغیر ہم بھی دو سے زیادہ رکوع ترک کر کے اس جرم کے مرتکب کیوں نہیں قرار دیئے جاتے؟

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

(خزائن السنن ص 446 و 447)

اعتراض نمبر ⑮

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ⑮: دانوں اور کھجوروں کا نصاب زکوۃ

حدیث نبوی ﷺ

عن ابی سعید ن الخدری ان النبی ﷺ قال لیس فی حب ولا تمر صدقۃ حتی یبلغ خمسۃ اوسق

ترجمہ: سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دانے اور کھجور جب تک پانچ وسق تک نہیں پہنچ جاتے تب تک ان میں زکوۃ نہیں۔

(نسائی ج ا کتاب الزکوۃ باب زکوۃ الحبوب صفحہ 344 رقم الحدیث 2487)

فقہ حنفی

قال ابو حنیفة قلیل ما اخرجته الارض و کثیرة العشر سواء سقی سیحا او سقته السماء الا القصب والحطب والحشیش

ھدایة اولین ج ا کتاب الزکوۃ باب زکوۃ الزروع والثمار صفحہ 201

یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا سر کنڈے اور گھاس کے علاوہ زمین کی ہر پیداوار پر وہ کم ہو یا زیادہ زکوۃ ہے۔ (فقہ و حدیث ص 54)

جواب:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال ان آیات واحادیث کے عموم سے ہے جن میں زمین سے اگنے والی اشیاء کی زکوۃ دینے کا حکم دیا گیا ہے اور ان میں قلیل یا کثیر مقدار کا کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ مثلاً

1- یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔ (بقرہ 267)

اے ایمان والو (نیک کام میں) خرچ کیا کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے اور اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا ہے۔

2- وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ

اور اس میں جو حق (شرح سے) واجب ہے وہ اس کے کاٹنے (اور توڑنے) کے دن مسکینوں کو دیا کرو۔ (انعام 141)

3- عن سالم بن عبداللہ عن ابیہ عن النبی ﷺ قال فیما سقت السماء و العیون او کان عشریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر.

(بخاری ج ا ص 201، ابن ماجہ ص 130، نسائی مترجم ج 2 ص 105، ترمذی ج ا ص 81، ابوداؤد ج ا ص 225)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو زمین بارش یا چشموں سے سیراب ہو یا دریائی پانی سے سیراب ہو اس پر عشر (1/10) ہے اور جس زمین کو کنوئیں کے پانی سے اونٹوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس پر نصف عشر ہے۔ (یعنی 1/20)

4- جابر بن عبداللہ یذکر انہ سمع النبی ﷺ قال فیما سقت الانہار و الغیم العشور و فیما سقی بالسانیة نصف العشر۔

(مسلم شریف ج 1 ص 316، نسائی ج 2 ص 105)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس زمین کو دریا یا بارش سیراب کرے اس پر عشر (یعنی دس فیصد زکوۃ) اور جس زمین کو کنوئیں کے پانی سے اونٹوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس پر نصف عشر (یعنی پانچ فیصد بیسواں حصہ) ہے

5- عن ابی ہریرة قال قال رسول اللہ ﷺ فیما سقت السماء والعیون العشر و فیما سقی بالنضح نصف العشر۔

(ابن ماجہ ص 130، ترمذی ج 1 ص 81)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس زمین کو بارش یا چشمے سیراب کریں اس میں عشر ہے اور جس کو اونٹوں کے ذریعہ کنوئیں سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

6- عن معاذ بن جبل قال بعثنی رسول اللہ ﷺ الی الیمن وامرنی ان اخذ مما سقت السماء و ما سقی بعلی العشر وما سقی بالدوالی نصف العشر۔

(ابن ماجہ ص 130، نسائی مترجم ج 2 ص 105)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن بھیجا اور حکم دیا کہ جو چیز بارش سے سیراب ہو یا بعلی (یعنی خود بخود) ہو اس میں عشر ہے اور جو ڈولوں سے سیراب ہو اس میں نصف عشر ہے۔

7- عن سلیمان بن یسار و عن بسر بن سعید ان رسول اللہ

ﷺ قال فیما سقت السماء والعیون والبعل العشر و فیما سقی بالنضح نصف العشر۔ (موطا امام مالک مترجم ص 269)

سلیمان بن یسار اور بسر بن سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بارش اور چشموں اور تالابوں سے سیرا کی جانی والی زمین کی پیداوار میں عشر (دسواں حصہ) ہے اور جو زمین پانی پہنچ کر سیراب کی جائے اس میں نصف عشر (یعنی بیسواں حصہ ہے)

8- عن قتادة قال معمر وقراته فی کتاب عن النبی ﷺ عند کل رجل کتبه لهم فیما سقی بالنضح ولا رشیة نصف العشر قال معمر ولا اعلم فیه اختلافا و فیما کان بعلاء و فیما کان بالکظائم و فیما کان بخلا العشر قال معمر ولم اسمع فیه اختلافا۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ معمر نے کہا میں نے تمام (معتبر) لوگوں کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھا ہوا فرمان دیکھا کہ جس زمین کو رسیوں اور ڈولوں کے ذریعہ کنوئیں کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے معمر کہتے ہیں کہ میرے علم میں اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور جس زمین کو بارش یا دریائی پانی سے سیراب کیا جائے اس میں عشر ہے معمر کہتے ہیں کہ میرے علم میں اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(مصنف عبدالرزاق جلد 4 ص 134، سنن الکبری ج 4 ص 130)

قرآن مجید کی دو آیات اور چھ احادیث سے امام ابوحنیفہ کے نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔ آیات اور احادیث میں قلیل اور کثیر کا فرق کئے بغیر مطلقاً زمین سے حاصل شدہ پیداوار پر عشر یا نصف عشر کا حکم عائد فرمایا گیا ہے۔ اور یہ احادیث عموم قرآن کے مطابق بھی ہیں۔

پہلے جو دلائل نقل کئے گئے ہیں ان میں مطلقاً حکم موجود ہے اب ہم ایسی روایت بھی نقل کرتے ہیں جس میں قلیل وکثیر کی وضاحت موجود ہے۔

9- کتب عمر بن عبد العزیز ان هو خذ مما انتب الارض من قلیل او کثیر العشر

حضرت عمر بن عبد العزیز نے لکھا کہ جو کچھ زمین اگائے تھوڑا یا زیادہ اس سے عشر لیا جائے گا۔

(مصنف عبد الرزاق ج 4 ص 12 حدیث نمبر 7196۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 371 حدیث نمبر 10028)

اس حدیث میں صاف صراحت موجود ہے کہ پیداوار کی مقدار تھوڑی ہو یا زیادہ زکوۃ لازمی ہے۔

صحابہ کرام، تابعین اور دیگر فقہائے اسلام سے امام ابو حنیفہ کے نظریہ کی تائید:

10- عن ابن عمر عن عمر بن الخطاب قال ما سقت الانھار والسماء والعیون فالعشر و ما سقی بالرشاء فنصف العشر۔

(مصنف عبد الرزق جلد 4 ص 134)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس زمین کو دریائی پانی بارش اور چشمے سیراب کریں اس میں عشر ہے اور جس کو رسیوں کے ذریعہ کنوئیں کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

11- عن عاصم بن ضمرة عن علی قال ما سقی فتحا اوسقة السماء ففیه العشر و ما سقی بالعرب فنصف العشر۔

(مصنف عبد الرزاق جلد 4 ص 133)

عاصم بن ضمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس زمین کو بارش سیراب کرے اس میں عشر ہے اور جس زمین کو ڈول کے ذریعہ کنوئیں سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

12- عن مجاھد قال فیما اخرجت الارض فیما قل منه او کثر العشر اونصف العشر۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 3 ص 139)

مجاہد بیان کرتے ہیں زمین جس چیز کو بھی نکالے خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر اس میں عشر یا نصف عشر ہے۔

13- عن حماد قال فی کل شی اخرجت الارض العشر و نصف العشر۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 3 ص 139)

حماد کہتے ہیں ہر وہ چیز جس کو زمین نکالے اس میں عشر ہے یا نصف عشر ہے۔

14- عن ابراهيم قال في كل شئي اخرجت الارض زكوة۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج3 ص139)

ابراہیم کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کو زمین نکالے اس میں زکوۃ ہے۔

15-16-17-18 یہ جملہ دلائل اپنے عموم کے ساتھ اس پر دال ہیں کہ جو چیز بھی زمین سے پیدا ہو اس میں عشر ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ شافعی، فتح الباری ج2 ص350 میں اور قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ غیر مقلد نیل الاوطار ج4 ص151 میں علامہ بدر الدین عینی حنفی بنایہ ج ص1335 مطبوعہ نولکشور میں لکھتے ہیں۔

> قال ابن العربي اقوى المذاهب واحوطها للمساكين قول ابي حنيفة وهو التمسك بالعموم۔
>
> علامہ ابوبکر ابن العربی نے کہا ہے کہ قوی تر مذہبوں کا اس مسئلہ میں مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے باعتبار دلیل اور احتیاط کے۔

علامہ ابن العربی کے حوالہ سے جس بات کا ذکر کیا گیا ہے وہ علامہ ابن العربی کی مشہور کتاب عارضۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی ج2 ص135 پر موجود ہے۔

19- نواب صدیق حسن خان غیر مقلد دلیل الطالب ص426 میں لکھتے ہیں کہ قرآن وحدیث کی عمومی دلیلیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ جو چیز زمین سے پیدا ہو اس میں عشر ہے۔ مثلاً

> خذ من اموالهم صدقة و قول النبي ﷺ فيما سقت السماء الحديث و ایں حدیث در صحیح است وراجع له التحفة۔
>
> (جلد2 ص12)

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے تو اس کے کئی جواب ہیں۔

جواب نمبر ①:

صاحب ہدایہ ج1 ص181 میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں صدقہ سے مراد زکوۃ ہے عشر مراد نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ کا یہ کہنا بجا ہے اور اس کے دو قرینے ہیں۔

قرینہ اولیٰ

ترمذی کی روایت میں یہ لفظ ہیں۔

لیس فیما دون خمسة ذود صدقة و لیس فیما دون خمسة او سق صدقة

نہیں ہے پانچ اونٹوں سے کم میں زکوۃ اور نہیں ہے پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکوۃ اور نہیں ہے پانچ گنے یا ٹوکرے سے کم ہیں زکوۃ یعنی غلے یام میں۔

نسائی میں یہ روایت مکمل اس طرح ہے۔

ولا فیما دون خمس ذود ولا فیما دون خمس اواق صدقة

اور پانچ اونٹوں سے کم میں زکوۃ نہیں اور پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوۃ نہیں

قرینہ ثانیہ

پانچ وسق اس زمانہ میں پانچ اوقیوں کی قیمت میں برابر تھے یعنی دوسو درہم ان کی مالیت تھی اس سے عشر کا انتفاء نہیں ہوتا۔

جواب نمبر ②:

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پانچ وسق سے کم مقدار کی زکوۃ حکومت وصول نہیں کرے گی بلکہ اس کا مالک خود اپنے طور پر اس کی زکوۃ ادا کرے گا۔

جواب نمبر ③:

اس حدیث میں کھجور سے مراد وہ کھجوریں ہیں جو تجارت کے لئے ہوں کیونکہ اس وقت عام طور پر کھجوروں کی خرید وفروخت وسق کے حساب سے ہوتی تھی اور ایک وسق کھجور کی قیمت چالیس درہم ہوتی اس حساب سے پانچے وسق کی قیمت دوسو درہم ہوئے جو مال تجارت میں زکوۃ کے لئے متعین نصاب ہے۔

اعتراض نمبر ⑯

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ⑯: جلسہ استراحت کا حکم

حدیث نبوی ﷺ

عن مالك بن الحويرث الليثى انه راى النبى ﷺ يصلى فاذا كان فى وتر من صلوته لم ينهض حتى يستوى قاعدا

ترجمہ: سیدنا مالک بن حویرث ؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ جب آپؐ طاقت رکعت میں ہوتے تو سیدھے بیٹھ جانے کے بعد کھڑے ہوتے۔ (یعنی پہلی اور تیسری رکعت کے بعد سیدھے ہوکر بیٹھتے پھر دوسری اور چوتھی رکعت کے لئے کھڑے ہوتے)

بخاري ج1 كتاب الاذان باب من استوي قاعدا في وتر من صلوة ثم نهض صفحه 113 رقم الحديث 823۔

فقہ حنفی

واستوى قائما على صدور قدميه ولا يقعد ولا يعتمد بيديه على الارض

(هداية اولين ج1 كتاب الصلوة باب صفة الصلوة صفحه 110)

اور اپنے پاؤں پر سیدھا کھڑا ہو جائے نہ بیٹھے اور نہ اپنے ہاتھ زمین پر ٹیکے۔

(فقہ حدیث ص 55)

جواب:

اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور دونوں طرح کی روایات ملتی ہیں احناف کا مسلک یہ ہے کہ جلسہ استراحت کرنا سنت نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی عذر ہو تو پھر جائز ہے۔ احناف ان روایات کو ترجیح دیتے ہیں جس میں عدم جلسہ استراحت کا ذکر ہوا ہے۔ اور دوسری روایات کی توجیہہ کرتے ہیں۔

راشدی صاحب نے ہدیہ کی عبارت کو نامکمل نقل کیا ہے۔

ہدایہ کی پوری عبارت۔ سجدہ ثانیہ کے بعد سیدھا اپنے قدموں پر کھڑا ہو جائے نہ بیٹھے اور نہ زمین پر ہاتھوں سے ٹیک لگائے امام شافعی ؒ فرماتے ہیں کہ تھوڑا سا بیٹھ کر اٹھے اور زمین پر ہاتھ کا سہارا لے کر اٹھے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے یہ (جلسہ استراحت) کیا ہے اور ہماری دلیل حضرت ابو ہریرہ ؓ کی حدیث ہے آنحضرت ﷺ نماز میں اپنے پاؤں پر سیدھے کھڑے ہوتے تھے (یعنی یہ آپ کی مبارک عادت تھی) اور جس حدیث میں جلسہ استرحت کا فعل مذکور ہے وہ بڑھاپے پر محمول ہے

یعنی جب آپ کا بدن مبارک بڑھاپے کی وجہ سے بوجھل ہو گیا تھا (ابوداؤد) اس وقت آپ نے یہ فعل فرمایا اور یہ آرام کا قعدہ ہے اور نماز آرام کے لئے نہیں بنائی گئی۔ (ہدایہ ج 1 ص 110 باب صفة الصلوة)

دیکھو صاحب ہدایہ نے نہ تو جلسہ استراحت والی حدیث کا انکار کیا کہ ان پر انکار حدیث کی تہمت لگائی جائے اور نہ فقہ کے مسئلہ کو بے دلیل لکھا بلکہ باقاعدہ حدیث پاک سے اسے ثابت فرمایا راشدی صاحب نے ہدایہ میں اس حدیث کو پڑھنے کے باوجود حدیث رسول ﷺ کا انکار کر دیا بلکہ سنت رسول کو صاحب ہدایہ کا بے دلیل حکم قرار دیا۔ اور اس سنت پر عمل کرنے کو حدیث کے چھوڑنے سے تعبیر کیا۔

مثال

اس کو مثال سے سمجھیں کہ آنحضرت ﷺ کی عادت مبارک یہ تھی کہ آپ بیٹھ کر پیشاب فرمایا کرتے تھے مگر آپ سے کھڑے ہو کر پیشاب فرمانا بھی بخاری شریف کی صحیح ترین حدیث سے ثابت ہے اب ایک عالم ان دونوں حدیثوں میں یہ تطبیق بیان کر دے کہ اصل سنت تو بیٹھ کر پیشاب کرنا ہی ہے اور جو حدیث بظاہر اس کے مخالف ہے وہ عذر پر محمول ہے کہ کوئی عذر ہو تو کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بھی جائز ہے لیکن بلا عذر طریق سنت کو نہ چھوڑنا چاہئے۔ اب کوئی اس عالم کو منکر حدیث کہنا شروع کر دے تو در اصل وہ خود منکر سنت ہے احناف نے کسی کتاب میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ہمارا یہ مسئلہ محض قیاسی ہے۔

احناف کے دلائل کہ نماز میں جلسہ استراحت نہیں کرنا چاہئے

1- عن عباس اوعیاش بن سهل الساعدی انه کان فی مجلس فیه ابوه و کان من اصحاب النبی ﷺ و فی المجلسس ابو هریرة و ابو حمید الساعدی و ابو اسید فذ کر الحدیث و فیه ثم کبر فسجد ثم کبر فقام ولم یتورك۔ (ابوداؤد ج 1 ص 107)

عباس یا عیاش بن سہل ساعدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ وہ ایک ایسی مجلس میں تھے جس میں ان کے والد بھی تھے جو نبی ﷺ کے صحابہ میں سے تھے اور اسی مجلس میں حضرت ابو ہریرہ حضرت ابوحمید ساعدی اور حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہم تھے انہوں نے حدیث ذکر کی جس میں یہ بیان کیا کہ پھر آپ نے تکبیر کہی پھر سجدہ کیا پھر تکبی کہی تو آپ سیدھے کھڑے ہو گئے بیٹھے نہیں۔

2- عن ابي هريرة قال كان النبي ﷺ ينهض في الصلوة علی صدور قدميه قال ابو عيسی حديث ابي هريرة عليه العمل عند اهل العلم يختارون ينهض الرجل علی صدور قدميه الخ۔

(ترمذی ج1 ص65)

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نماز میں پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے امام ترمذی ؒ فرماتے ہیں کہ اہل علم کے نزدیک حضرت ابو ہریرہ ؓ کی حدیث ہی پر عمل ہے اور وہ اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ آدمی (نماز میں دوسری، تیسری رکعت کے لئے) پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑا ہو۔

3- عن عبدالرحمن بن غنم ان ابا مالك الاشعري جمع قومه فقال يا معشر الاشعريين اجتمعوا و اجمعوا نسائكم و ابنائكم اعلمكم صلاة النبي ﷺ صلی لنا بالمدينة (فذكر الحديث يطول وفيه) ثم قال سمع الله لمن حمده واستو قائما ثم كبر و خر ساجدا ثم كبر فرفع راسه ثم كبر فسجد ثم كبر فانتهض قائم۔ الحديث

(مسند احمد ج5 ص343)

حضرت عبدالرحمن بن غنم ؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابو مالک اشعری ؓ نے اپنی قوم کو جمع کر کے فرمایا اے اشعرین کی جماعت خود بھی جمع ہو جاؤ اور اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی جمع کرلو تا کہ میں تمہیں نبی ﷺ کی نماز سکھلا دوں جو آپ ہمیں مدینہ منورہ میں پڑھایا کرتے تھے آپ نے پوری حدیث ذکر کی جس میں یہ بھی ہے کہ پھر آپ سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر سیدھے کھڑے ہو گئے پھر تکبیر کہہ کر سجدے میں چلے گئے پھر تکبیر کہہ کر سجدے سے سر اٹھایا پھر تکبیر کہہ کر سجدہ کیا پھر تکبیر کہہ کر سیدھے کھڑے ہو گئے۔

4- عن ابي هريرة ان رجلا دخل المسجد يصلي و رسول الله ﷺ في ناحية المسجد فجاء فسلم عليه فقال له ارجع فصل فانك لم تصل فرجع فصل ثم سلم فقال و عليك ارجع فصل فانك لم تصل قال في الثانية فاعلمني قال اذا قمت الی الصلوة

فاسبغ الوضوء ثم استقبل القلبة فکبر واقرا بما تیسر معك من القران ثم ارکع حتی تطمئن راکعا ثم ارفع راسك حتی تعدل قائما ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم ارفع حتی تستوی و تطمئن جالسا ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم ارفع حتی تستوی قائما ثم افعل ذالك فی صلوتك کلها۔ (بخاری ج 2 ص 986)

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد نبوی ؐ میں داخل ہو کر نماز پڑھنے لگا رسول اللہ ﷺ مسجد کے ایک گوشہ میں تشریف فرما تھے۔ وہ شخص نماز سے فارغ ہو کر آپ ؐ کے پاس آیا اور سلام کیا آپ ؐ نے فرمایا واپس جاؤ اور نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی وہ واپس گیا اور (دوبارہ) نماز پڑھ کر پھر آپ ؐ کو سلام کیا۔ آپ ؐ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا واپس جاؤ اور نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی تیسری مرتبہ اس شخص نے عرض کیا کہ مجھے (نماز کا طریقہ) بتلا دیجئے۔ آپ ؐ نے فرمایا جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو پہلے اچھی طرح وضو کرو پھر قبلہ رو ہو کر تکبیر کہو اور جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکو پڑھو اس کے بعد اطمینان سے رکوع کرو پھر سر اٹھا کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر اطمینان سے سجدہ کرو پھر سجدہ سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جاؤ پھر اطمینان سے سجدہ کرو پھر سجدہ سے اٹھ کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ اسی طرح ساری نماز میں کرو۔

خلفائے راشدین جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے

عن الشعبی ان عمر و علیا و اصحاب رسول اللہ ﷺ کانوا ینھضون فی الصلوۃ علی صدور اقدامھم۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 1 ص 394)

حضرت امام شعبی ؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر ؓ، حضرت علی ؓ اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام نماز میں اپنے قدموں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے

عن عبدۃ بن ابی لبابۃ قال سمعت عبداللہ بن یزید یقول رمقت

عبداللہ بن مسعود فی الصلوۃ فرایته ینهض ولا یجلس قال ینهض علی صدور قدمیه فی الرکعة الاول والثالثة۔

(معجم طبرانی کبیر ج 9 ص 266 وسنن کبری بیہقی ج 2 ص 125)

عبدہ بن ابی لبابۃ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کو نماز میں بغور دیکھا، میں نے دیکھا کہ آپ (پہلی اور تیسری رکعت کے بعد سیدھے) کھڑے ہوجاتے ہیں بیٹھتے نہیں عبدالرحمن بن یزید ؒ کہتے ہیں کہ آپ اپنے قدموں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے پہلی اور تیسری رکعت کے بعد۔

حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے

عن وهب بن كيسان قال رايت ابن الزبير اذا سجد السجدة الثانية قام كما هو عل صدور قدميه۔ (مصنف ابی شیبہ ج 1 ص 394)

حضرت وہب بن کیسان ؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کو دیکھا کہ وہ جب دوسرا سجدہ کر لیتے تو اپنے پاؤں کے پنجوں کے بل جسے ہوتے ویسے ہی کھڑے ہوجاتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے

عن نافع عن ابن عمر انه كان ينهض فی الصلوة علی صدور قدميه۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 1 ص 394)

حضرت نافع ؒ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نماز میں اپنے پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔

عبداللہ بن عباس ؓ اور ابوسعید خدری ؓ بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے

ثنا سليمان الاعمش قال رايت عمارة بن عمير يصلي من قبل ابواب كندة قال فرايته ركع ثم سجد فلما قام من السجدة الاخيرة قام كما هو فلما انصرف ذكرت ذالك له فقال حدثني

عبدالرحمن بن یزید انه رای عبدالله بن مسعود یقوم علی صدور قدمیه فی الصلوة قال الاعمش فحدثت بهذا الحدیث ابراهیم النخعی فقال ابراهیم حدثنی عبدالرحمن بن یزید انه رای عبدالله بن مسعود یفعل ذالك فحدثت به خیثمة بن عبدالحمن فقال رایت عبدالله بن عمر یقوم علی صدور قدمیه فحدثت به محمد بن عبدالله الثقفی فقال رایت عبدالرحمن بن ابی لیلی یقوم علی صدور قدمیه فحدثت به عطیة العوفی فقال رایت ابن عمر و ابن عباس و ابن الزبیر و ابا سعید الخدری رضی اللہ عنہم یقومون علی صدور اقدامهم فی الصلوة۔ (سنن الکبری بیہقی ج2 ص125)

امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے عمارۃ بن عمیر کو ابواب کنندہ کی جانب نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ نے رکوع کیا پھر سجدہ کیا جب آپ دوسرے سجدے میں اٹھے تو جیسے تھے ویسے ہی کھڑے ہوئے، آپ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے اس کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے عبدالرحمن بن یزید نے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے کہ وہ نماز میں اپنے قدموں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوئے تھے۔ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کی کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے بھی عبدالرحمن بن یزید نے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے یہ حدیث خیثمہ رحمۃ اللہ علیہ بن عبدالرحمن سے بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے قدموں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوئے تھے امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث محمد بن عبداللہ ثقفی رحمۃ اللہ علیہ کو بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے کہ وہ بھی اپنے قدموں کے بل ہی کھڑے ہوتے تھے امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث عطیہ عوفی

سے بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے کہ وہ نماز میں اپنے پاؤں کے پنجوں کے بل ہی کھڑے ہوتے تھے۔

عام صحابہ کرام جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے

عن النعمان بن ابی عیاش قال ادرکت غیر واحد من اصحاب النبی ﷺ فکان اذا رفع راسه من السجدہ فی اول رکعة والثالثة قام کما هو ولم یجلس۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج1 ص395)

حضرت نعمان بن ابی عیاش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے بے شمار صحابہ کرام کو پایا ہے کہ وہ جب پہلی اور تیسری رکعت کے سجدے سے پنا سر اٹھاتے تھے تو ویسے ہی سیدھے کھڑے ہوجاتے تھے بیٹھتے نہیں تھے۔

حضرت ابن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے

عن محمد بن عبداللہ قال کان ابن ابی لیلی ینهض فی الصلوة علی صدور قدمیه۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج1 ص394)

محمد بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ نماز میں پنے پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے

عن ابراهیم انه کان یسرع فی القیام فی الرکعة الاولی من اخر سجدة۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج1 ص395)

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ پہلی رکعت کا دوسرا سجدہ کر کے قیام میں جلدی کرتے تھے۔

عام مشائخ کا معمول تھا کہ وہ جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے

عن الزهری قال کان اشیاخنا لا یمایلون یعنی اذا رفع احدهم راسه من السجدة الثالثة فی الرکعة الاولی والثالثة ینهض کما هو ولم یجلس۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج1 ص394)

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے مشائخ مائل نہیں ہوتے تھے یعنی جب کوئی ان میں سے پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھاتا تو ویسے ہی سیدھا کھڑا ہو جاتا تھا بیٹھتا نہ تھا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جلسہ استراحت کے قائل نہیں ہیں

" فی التمهيد اختلف الفقهاء فی النهوض من السجود الى القيام فقال مالك والا وزاعی والثوری و ابو حنيفة و اصحابه ينهض علی صدور قدميه و لا يجلس وروی ذالك عن ابن مسعود وابن عمر و ابن عباس و قال النعمان بن ابی عياش ادركت غير واحد من اصحاب النبی ﷺ يفعل ذالك و قال ابو الزناد ذالك السنة و به قال ابن حنبل و بن راهويه و قال احمد و اكثر الا حاديث علی هذا "۔

(الجوہر النقی ج2 ص125)

تمہید میں ہے کہ سجدہ سے قیام کے لئے اُٹھنے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ حضرت امام مالک، امام اوزاعی، سفیان ثوری، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ نمازی اپنے قدموں کے بل کھڑا ہو اور جلسہ استراحت نہ کرے اور یہی مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے حضرت نعمان بن ابی عیاش رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے بے شمار صحابہ کرام کو ایسا ہی کرتے ہوئے پایا ہے۔ ابو الزناد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جلسہ استراحت نہ کرنا ہی سنت ہے، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور اسحٰق بن راھویہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر احادیث اسی پر ہیں (کہ جلسہ استراحت نہ کیا جائے)

مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے فارغ ہو کر بغیر بیٹھے سیدھے کھڑے ہو جانا مسنون ہے حضور ﷺ کا معمول مبارک یہی تھا آپ پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے فارغ ہو کر سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ کا یہی معمول نقل فرماتے ہیں اور حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ اسی طریقہ سے قیام کرنے کو آپ کا طریقہ بتلاتے ہیں، حضور ﷺ نے ایک ایسے شخص کو جو صحیح طرح نماز نہیں پڑھ رہا تھا صحیح طریق نماز

پڑھنے کا طریقہ بتلایا۔ آپ نے اس سے کہا کہ تم اطمینان سے سجدہ کر چکو تو سجدے سے اٹھو اور سیدھے کھڑے ہو جاؤ آپ کے اس فرمان سے صاف طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جلسہ استراحت مسنون نہیں کیونکہ اگر جلسہ استراحت مسنون ہوتا تو آپ ضرور اس شخص کو اس کے کرنے کا حکم دیتے۔

خلفاء راشدین اور عام صحابہ کرام کا معمول بھی یہی تھا کہ وہ جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے تابعین اور تبع تابعین بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ،حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی جلسہ استراحت کے قائل نہیں ہیں۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے یہ مختصر ہے بخاری میں۔ اس سے قبل یہ روایت مفصل نقل کی گئی ہے وہ ہم یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

عن ابوب عن ابی قلابة انه مالك بن الحويرث قال لا صاحبه الا انبئكم صلوة رسول الله ﷺ قال وذاك في غير حين صلوة فقام ثم ركع فكبر ثم رفع راسه فقام هنية ثم سجد ثم رفع راسه هنية ثم سجد ثم رفع راسه هنية فصلى صلوة عمرو بن سلمة شيخنا هذا ايوب كان يفعل شيئا لم ارهم يفعلونه كان يقعد في الثالثة والرابعة۔ الحديث (بخاری ج1 ص113)

حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابو قلابہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت مالک بن حویرث نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں نے تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ بتلاؤں؟ حضرت ابو قلابہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی فرض نماز کا وقت نہ تھا، چنانچہ آپ کھڑے ہوئے پھر رکوع کیا اور تکبیر کہی پھر رکوع سے سر اٹھایا اور تھوڑی دیر ٹھہرے رہے پھر سجدہ کیا پھر سجدہ سے سر اٹھا کر تھوڑی دیر ٹھہرے رہے پھر آپ نے سجدہ کیا پھر سجدہ سے سر اٹھا کر تھوڑی دیر ٹھہرے رہے غرض انہوں نے ہمارے شیخ عمرو بن سلمۃ کی طرح نماز پڑھی حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عمرو بن سلمۃ نماز میں ایک ایسا کام کیا کرتے تھے جو میں نے اور لوگوں کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا وہ یہ کہ وہ تیسری رکعت کے بعد یا چوتھی رکعت کے شروع میں بیٹھتے تھے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خیر القرون میں جلسہ استراحت کا رواج نہیں تھا۔ کیونکہ حضرت ایوب سختیانی ؒ متوفی 131ھ جو جلیل القدر تابعین میں سے ہیں جنہوں نے صحابہ کرام اور تابعین عظام کو دیکھا ہے انہوں نے حضرت مالک بن حویرث کی یہ حدیث بیان کی تو فرمایا کہ حضرت مالک بن حویرث نے ہمارے شیخ عمرو بن سلمۃ جیسی نماز پڑھی، عمرو بن سلمۃ نماز میں ایک ایسا کام کرتے تھے جو میں نے لوگوں (صحابہ وتابعین) کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا وہ یہ کہ عمرو بن سلمۃ تیسری رکعت کے بعد یا چوتھی رکعت کے شروع میں بیٹھتے تھے۔ (جلسہ استراحت کرتے تھے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں جلسہ استراحت کا بالکل رواج نہیں تھا ورنہ اس کے بارے میں حضرت ایوب سختیانی ؒ یہ نہ فرماتے کہ میں نے یہ صحابہ وتابعین کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا آج بھی حرمین شریفین کے امام جلسہ استراحت نہیں کرتے، ہاں اگر کوئی شخص کسی عذر کی وجہ سے پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے فارغ ہو کر بیٹھ جائے اور پھر اٹھے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اعذار کی وجہ سے بہت سے اعمال میں شریعت کی طرف سے رخصت ہے چنانچہ قعدہ میں عذر کی وجہ سے دو زانو بیٹھنے کی بجائے چوکڑی مار کر بیٹھنا بھی جائز ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے ثابت ہے۔

(دیکھئے بخاری ج1 ص114)

راشدی صاحب تو وفات پا گئے ہم غیر مقلدین سے پوچھتے ہیں کہ حدیث مالک بن الحویرث ؓ میں جلسہ استراحت کرنے کا ذکر ہے اور دوسری احادیث میں نہ کرنے کا اب اس ظاہری تعارض کو کیسے رفع کیا جائے۔ آپ کے نزدیک دلیل شرعی صرف قرآن وحدیث ہے آپ اس تعارض کا حل قرآن و حدیث سے پیش کریں گے اگر آپ کے نزدیک ایک صحیح باقی ضعیف ہیں تو یہ بھی حدیث سے ثابت کریں کسی امتی کا قول پیش نہ کریں اگر ایک ناسخ اور باقی منسوخ ہیں تو بھی صحیح حدیث سے ثابت کریں ہم یہ کہتے ہیں کہ کسی صحیح حدیث میں اس بارہ میں کوئی فیصلہ موجود نہیں نہ صحیح ضعیف کا نہ ناسخ منسوخ کا نہ باری باری دونوں پر عمل کرنے کا۔ اب جو فیصلہ کتاب وسنت سے نہ ملے ہمارے نزدیک حدیث معاذ ؓ کے موافق اجتہاد کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ مجتہدین نے خیر القرون کے تعامل کے پیش نظر اس مسئلہ کو اس طرح حل کیا کہ قدرت طاقت والے جلسہ استراحت نہیں کرتے اور بوڑھے معذور جیسے حضرت عمرو بن سلمہ کرتے ہیں دونوں قسم کی احادیث پر عمل کا طریقہ سکھا دیا کہ حالت قدرت میں جلسہ استراحت نہ کرنے والی حدیث پر عمل کرو اور عذر میں جلسہ استراحت والی حدیث پر۔

اعتراض نمبر ⑰

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ⑰: دوہری اذان کا حکم

حدیث نبوی ﷺ

عن ابی محذورة قال القی علی رسول الله ﷺ التاذین هو بنفسه (وفیه) ثم تعوذ فتقول۔ الخ

ترجمہ: سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خود رسول اللہ ﷺ نے انہیں ترجیع والی (دوہری) اذان سکھلائی۔

(سنن ابي داود كتاب الصلوة باب كيف الاذان ج ۱ ص 80 رقم الحديث 503) (وسنن نسائي كتاب الاذان باب كيف الاذان ج ۱ ص 103. رقم الحديث 633) (وسنن ابي ماجه باب الترجيع في الاذان ج ۱ ص 101 رقم الحديث 708)

نوٹ: اذان میں شہادتیں کے کلمات کو پہلے دو دو مرتبہ دھیمی (آہستہ) آواز سے کہنا پھر دوبارہ دو دو مرتبہ بلند آواز سے کہنا ترجیع کہلاتا ہے

فقہ حنفی

الاذان سنة للصلوة الخمس والجمعة لا سواها ولا ترجيع فيه

(هداية اولين ج ۱ كتاب الصلاة باب الاذان ص 87)

اذان پانچ نمازوں اور جمعہ کے لئے سنت ہے اور اس میں ترجیع (دوہری) نہیں ہے۔

(فقہ و حدیث ص 56)

جواب

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اذان میں ترجیع نہیں ہے۔ امام صاحب کا یہ نظریہ مندرجہ ذیل احادیث پر مبنی ہے:

1- عن عبد الله بن زيد الانصاری قال كان رسول الله ﷺ

قد همه الاذان حتى هم ان يأمر رجالا فيقومون على الطام فيدفعون ايديهم و يشيرون الى الناس بالصلوة حتى رايت فيما يرى النائم كان رجلا عليه ثوبان اخضران على سور المسجد يقول الله اكبر اربعا۔ اشهد ان لا اله الا الله مرتين۔ اشهد ان محمدا رسول الله مرتين۔ حي على الصلوة مرتين۔ حي على الفلاح مرتين۔ الله اكبر الله اكبر۔ لا اله الا الله ثم اقام فقال مثلها و قال في اخرها قد قامت الصلوة قد قامت الصلوة فاخبرت رسول الله ﷺ فقال اذهب فقصها على بلال ؓ ففعلت فا قبل الناس سراعا و لا يدرون الا انه فرغ فاقبل عمر بن الخطاب ؓ و قال لو لا ما سبقني به لا خبرتك انه قد طاف بي الذي طاف به۔

(نصب الرایہ ج1 ص275)

حضرت عبداللہ بن زید ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کی اطلاع نے فکر مند کر رکھا تھا یہاں تک کہ آپ نے ارادہ فرمالیا کہ لوگوں کو حکم دیں وہ ٹیلوں پر چڑھ کر ہاتھ کھڑے کر کے اشاروں سے لوگوں کو نماز کی اطلاع دیں حتیٰ کہ میں نے خواب میں دیکھا گویا ایک آدمی ہے جس کے اوپر دو سبز کپڑے ہیں مسجد کی دیوار پر کھڑا ہو کر کہہ رہا ہے۔ اللہ اکبر چار دفعہ اشھد ان لا الہ الا اللہ دو دفعہ اشھد ان محمدا رسول اللہ دو دفعہ حی علی الصلوۃ دو دفعہ حی الفلاح دو دفعہ اللہ اکبر لا الہ الا اللہ پھر اس نے اقامت پڑھی وہ بھی اسی طرح اور اس کے آخر میں قد قامت الصلوۃ قد قامت الصلوۃ کہا یعنی تحقیق نماز کھڑی ہوگئی پس میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا جا بلال کے سامنے اسے بیان کر میں نے بیان کر دیا تو لوگ دوڑتے ہوئے آئے مگر کچھ سمجھ نہ سکے اتنے میں وہ فارغ بھی ہو چکا تھا پھر حضرت عمر ؓ آئے اور کہنے لگے اگر وہ مجھ سے سبقت نہ لے گیا ہوتا تو میں آپ کو بتلاتا کہ میرے ساتھ بھی وہی گزری ہے جو اس کے ساتھ گزری۔

یہ اذان اگرچہ خواب میں سکھائی گئی ہے لیکن جب نبی کریم ﷺ کے سامنے اس کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا ان شاء اللہ یہ سچا خواب ہے جاؤ بلال کو سکھا دو۔ تو آپؐ کے حکم سے یہ اذان بلال رضی اللہ تعالیٰ کو سکھائی گئی اور حضرت بلال ؓ ساری عمر حضور اکرم ﷺ کے سامنے اور آپ کے بعد مسجد نبویؐ میں یہی اذان پڑھتے رہے جسمیں ترجیع نہیں ہے یعنی شہادتین کو لوٹا کر نہیں پڑھا جاتا تو آنحضرت ﷺ کی اصل مسنون اذان یہی ہے جس پر آج تک اہل مدینہ کا عمل ہے۔

2- عبدالرحمن بن ابی لیلی قال حدثنا اصحاب محمد ﷺ ان عبداللہ بن زید الانصاری جاء الی النبی ﷺ فقال یا رسول اللہ ﷺ رایت فی المنام کان رجلا قام وعلیہ بردان اخضر ان علی جدمة حائط فاذن مثنی و اقام مثنی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج1 ص203. بیہقی ج1 ص240 وقال ابن حزم رحمہ اللہ وھذا فی غایة الصحة. محلی ابن حزم ج3ص114)

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلی نے کہا آنحضرت ﷺ کے اصحاب نے ہمیں بتایا کہ عبداللہ بن زید انصاری ؓ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے اور اذان کا واقعہ بتایا کہ میں نے خواب دیکھا ہے ایک شخص پر دو سبز رنگ کی چادریں ہیں اور وہ دیوار پر کھڑا اذان دوہری دوہری مرتبہ پکار رہا ہے۔ اور اقامت بھی دوہری مرتبہ۔

3- عن السائب بن یزید قال کان الاذان علی عھد رسول اللہ ﷺ و ابی بکر و عمر مرتین مرتین۔

(صحیح ابن حبان ج3ص136)

حضرت سائب بن یزید ؓ کہتے ہیں کہ اذان آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں اور حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ کے عہد میں دوہری دوہری ہوتی تھی۔

4- عن ابی محذور قال کنت اوذن لرسول اللہ ﷺ فی صلاة الفجر فاقول اذا قلت حی علی الفلاح الصلوة خیر من النوم الصلوة خیر من النوم۔ (مصنف عبدالرزاق ج1ص472)

حضرت ابومحذورہ ؓ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کے حکم سے صبح کی نماز کے لئے اذان پڑھتا تھا۔ اور حی علی الفلاح کے بعد میں الصلوۃ خیر من النوم دو بار پکارتا تھا۔

5- عن ابی محذورہ قال علمنی رسول اللہ ﷺ الاذان (الی ان قال) اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان الا الہ الا اللہ۔ اشھد ان محمدا رسول اللہ اشھد ان محمدا رسول اللہ حی علی الصلوۃ علی الصلوۃ۔ حی علی الفلاح حی علی الفلاح۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ (صحیح ابن حبان ج3 ص143)

حضرت ابومحذورہ ؓ کہتے ہیں کہ مجھے آنحضرت ﷺ نے اذان سکھلائی اور اس کے الفاظ یہ ہیں۔

اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان الا الہ الا اللہ۔ اشھد ان محمدا رسول اللہ اشھد ان محمدا رسول اللہ حی علی الصلوۃ علی الصلوۃ۔ حی علی الفلاح حی علی الفلاح۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ۔

6- عن الشعبی عن عبداللہ بن زید الانصاری قال سمعت اذان رسول اللہ ﷺ فکان اذانہ واقامتہ مثنی مثنی۔ (صحیح ابوعوانہ ج1 ص331)

امام شعبی ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زید انصاری نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی اذان سنی۔ (آپ کی اذان سے مراد آپ کے موذن کی اذان ہے) آپ کی اذان واقامت دونوں میں کلمات دو دو دفعہ ہی تھے۔

7- عن عبدالعزیز بن رفیع قال سمعت ابا محذورۃ یوذن مثنی مثنی ویقیم مثنی مثنی۔ (طحاوی ج1 ص95)

حضرت عبدالعزیز بن رفیع ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو محذورہ ؓ کو سنا وہ اذان کے کلمات دو دو دفعہ کہتے تھے اور اقامت میں بھی اسی طرح دو دو کلمات کہتے تھے۔

8- عن الاسود بن يزيد ان بلالا كان يثنى الاذان و يثنى الاقامة و كان يبداء بالتكبير و يختم بالتكبير۔

(مصنف عبدالرزاق ج1ص462، طحاوی ج1ص94، دارقطنی ج1ص242)

حضرت اسود بن یزید ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال ؓ اذان کے (شروع کی چار تکبیرات کے علاوہ باقی) کلمات دو دو دفعہ کہتے تھے اور اسی طرح اقامت کے چار کلمات بھی دو دو دفعہ کہتے تھے اور اذان و اقامت کی ابتداء و انتہاء اللہ اکبر پر کرتے تھے۔

9- عن سويد بن غفلة قال سمعت بلالا يوذن مثنى ويقيم مثنى۔ (طحاوی ج1ص94)

حضرت سوید بن غفلہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال ؓ کو سنا کہ وہ اذان واقامت کے کلمات دو دو دفعہ کہتے تھے۔

10- عن عون بن ابی جحيفة عن ابيه ان بلالا كان يوذن للنبی ﷺ مثنى مثنى و يقيم مثنى مثنى۔

(دارقطنی ج1ص242)

عون بن ابی جحیفہ ؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت بلال ؓ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے سامنے اذان واقامت کے کلمات دو دو دفعہ کہتے تھے۔

11- عن ابراهيم قال ان بلالا كان يثنى الاذان والاقامة۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج1ص206)

حضرت ابراہیم نخعی ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال ؓ اذان و اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہتے تھے۔

12- عن ابراهيم قال كان ثوبان ؓ يوذن مثنى و يقيم مثنى۔ (طحاوی ج1ص95)

حضرت ابراہیم نخعی ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ثوبان ؓ اذان واقامت کے کلمات دو دو دفعہ کہتے تھے۔

13- ثناء الحجاج بن ارطاة قال نا ابو اسحق قال كان اصحاب

علی و اصحاب عبداللہ یشفعون الاذان والاقامۃ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج1 ص206)

حضرت ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب اذان واقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہتے تھے۔

14- قال عبدالرزاق سمعت الثوری واذن لنا بمنی فقال اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشھد ان لا الہ الا اللہ مرتین اشھد محمدا رسول اللہ مرتین فصنع کما ذکر فی حدیث عبدالرحمن بن ابی لیلی فی الاذان والاقامۃ تمام مثل الحدیث۔ (مصنف عبدالرزاق ج1 ص462)

عبدالرزاق کہتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری نے میدان منی میں ہمارے سامنے اذان کہی میں نے سنا کہ آپ نے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر دو مرتبہ اشھد ان لا الہ الا اللہ دو مرتبہ اشھد ان محمدا رسول اللہ دو مرتبہ پھر آپ نے اذان واقامت بعینہ اس طرح کہی جس طرح حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلی کی حدیث میں ذکر کی گئی ہے۔

نوٹ: حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلی کی حدیث نمبر ② پر گزری ہے۔

راشدی صاحب کا یہ کہنا کہ حنفی اس حدیث کو نہیں مانتے۔ یعنی ان کا یہ مذہب حدیث کے خلاف ہے اور ہمارے دلائل کا ذکر نہ کرنا درست نہیں ہے آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ امام صاحب کا نظریہ کتنی احادیث پر مبنی ہے۔ باقی رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کی ہم توجیہ کرتے ہیں انکار نہیں کرتے۔ ہم کہتے ہیں کہ عام اذان کا طریقہ تو احناف والا ہی تھا۔ باقی رہا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ تو وہ خاص ہے۔

اعتراض نمبر ⑱

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ⑱: پگڑی پر مسح کرنا

حدیث نبوی ﷺ

عن مغیرۃ بن شعبۃ ان النبی ﷺ توضا فمسح بناصیتہ و علی العمامۃ والخفین

ترجمہ: سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے وضو کرتے وقت اپنی پیشانی، پگڑی اور موزوں پر مسح کیا۔

(مسلم ج 1 کتاب الطہارۃ باب مسح علی الخفین ص 134 رقم الحدیث 626)

فقہ حنفی

ولا يجوز المسح على العمامة

(ھدایۃ اولین کتاب الطہارۃ باب المسح علی الخفین ص 61)

پگڑی پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ (فقہ وحدیث ص 57)

جواب:

احناف کسی بھی حدیث کا انکار نہیں کرتے۔ بلکہ کسی مسئلہ میں وارد ہونے والے تمام دلائل کو سامنے رکھ کر تمام روایات میں تطبیق دیتے ہیں۔ اور وہ جو زیادہ بہتر اور زیادہ صحیح بات معلوم ہو اس پر عمل کرتے ہیں۔

دلائل احناف

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ

(پارہ نمبر 6 سورۃ المائدہ آیت نمبر 6)

اے ایمان والو جب تم نماز کے لئے اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت (دھوؤ) اور اپنے سر پر مسح کرو اور اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت۔ (دھوؤ)

1- عن انس بن مالك قال رايت رسول الله ﷺ يتوضا و عليه عمامة قطرية فادخل يده من تحت العمامة فمسح مقدم راسه ولم ينقض العمامة۔ (ابو داود ج 1 ص 19)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضوء فرماتے ہوئے دیکھا کہ آپ کے سر مبارک پر قطری پگڑی تھی۔ آپ نے پگڑی کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر سر کے اگلے حصے پر مسح فرمایا اور پگڑی کو کھولا نہیں۔

2- قال الشافعی اخبرنا مسلم عن ابی جریج عن عطاء ان رسول الله ﷺ توضاء فحسر العمامة عن راسه و مسح مقدم راسه او قال ناصیته بالماء۔ (کتاب الام ج 1 ص 26)

حضرت عطاء بن ابی رباح ؒ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا تو اپنی پگڑی کو سر سے اوپر کیا اور سر کے اگلے حصے پر مسح فرمایا۔ یا حضرت عطاء ؒ نے فرمایا کہ آپ نے اپنی ناصیہ پر مسح فرمایا پانی سے۔

3- عن ابن عمر انه کان اذا مسح راسه رفع القلنسوة و مسح مقدم راسه۔ (رواہ الدار قطنی ج 1 ص 107 و فی التعلیق المغنی سندہ صحیح)

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ جب سر پر مسح فرماتے تو ٹوپی سر سے ہٹا لیتے اور سر کے اگلے حصہ پر مسح فرماتے۔

4- مالك انه بلغه ان جابر بن عبدالله الانصاری سئل عن المسح علی العمامة فقال لا حتی یمسح العشر بالماء۔
(موطا امام مالک ص 23)

حضرت امام مالک ؒ سے مروی ہے کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ بن انصاری ؓ سے پگڑی پر مسح کرنے کے متعلق سوال کیا گیا آپ نے فرمایا جائز نہیں ہے جب تک بالوں کا پانی سے مسح نہ کرے۔

5- مالك عن هشام بن عروة عن ابیه عروة بن الزبیر کان ینزع العمامة و یمسح راسه بالماء۔ (موطا امام مالک ص 23)

حضرت عروہ بن زبیر ؓ سے مروی ہے کہ وہ سر سے پگڑی ہٹا کر پانی سے سر پر مسح فرماتے تھے۔

6- عن نافع انه رای صفیة بنت ابی عبید امراة عبدالله بن عمر تنزع خمارها و تمسح علی راسها بالماء و نافع یومئذ صغیر، قال یحیی و سئل مالك عن المسح علی العمامة والخمار فقال لا ینبغی ان یمسح الرجل ولا المراة علی العمامة ولا خمار ولیمسها علی روسا۔ (موطا امام مالک ص 23)

> امام نافع سے مروی ہے کہ انہوں نے ابوعبید کی صاحبزادی اور حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کی اہلیہ کو دیکھا کہ انہوں نے دوپٹہ سر سے ہٹا کر پانی سے سر پر مسح کیا نافع ؒ ان دنوں بچے تھے۔ یحییٰ فرماتے ہیں۔ کہ امام مالک ؒ سے پگڑی اور دوپٹہ پر مسح کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مرد و عورت کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ پگڑی اور دوپٹے پر مسح کریں انہیں چاہئے کہ سر پر مسح کریں۔

آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دوران وضو سر پر مسح کرنا فرض ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے لہذا جو شخص دوران وضو سر پر مسح نہیں کرے گا اس کا وضو نہیں ہوگا۔

احادیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر کسی کے سر پر پگڑی یا ٹوپی ہو تو دوران وضو یا تو ان کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر سر پر مسح کرے یا سر سے پگڑی یا ٹوپی اتار کر مسح کرے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسا ہی کیا کرتے تھے صحابہ کرام کا بھی یہی معمول تھا۔

آپ نے دیکھ لیا کہ احناف کا مسلک قرآن اور حدیث کے عین مطابق ہے۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے وہ ہمارے مخالف نہیں بلکہ حنفی مذہب کی تائید کرتی ہے کیونکہ اس میں موجود ہے ومسح بناصیتہ ان الفاظ سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مسح راس میں فرض مقدار ناصیہ ہی ہے۔ جو احناف کا مذہب ہے۔

اگر ناصیہ کی مقدار سے کم مسح کافی ہوتا تو بیان جواز کے لئے کم از کم ایک آدھ مرتبہ آپ ؐ اس پر عمل فرماتے مگر ایسا کہیں ثابت نہیں۔ حنفی صرف پگڑی پر مسح کو جائز نہیں سمجھتے۔

اعتراض نمبر ⑲

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ⑲: تیمم کے لئے ایک ہی ضرب کافی ہے

حدیث نبوی ﷺ

عن عمار فی حدیثہ ضرب النبی ﷺ بکفیہ الارض و نفخ فیھما ثم مسح بھما وجھہ و کفیہ.

ترجمہ: سیدنا عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر مارا پھر ان دونوں میں پھونکا، پھر ان دونوں کے ساتھ اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں پر مسح کیا۔

(بخاري ج 1 كتاب التيمم باب هل ينفخ في يديه بعد ما يضرب بهما الصعيد للتيمم ص 48، رقم الحديث 338)(مسلم ج 1 كتاب الحيض باب التيمم ص 161 رقم الحديث 368)(واللفظ للبخاري)

فقہ حنفی

والتيمم ضربتان يمسح باحداهما وجهه و بالاخرى يديه الى المرفقين۔

(هدایه اولین ج 1 كتاب الطهارة باب التيمم ص 50)

تیمم کرنے کے لئے دو ضربیں ہیں (یعنی اپنے ہاتھوں کو زمین پر دو بار مارنا) ایک بار چہرے پر مسح کرنے کے لئے اور دوسری بار دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک کے لئے۔

(فقہ و حدیث ص 58)

جواب:

راشدی صاحب نے حضرت عمار بن یاسر کی ایک حدیث کا ٹکڑا نقل کیا ہے حالانکہ اس کے تمام طریق راشدی صاحب کو پیش کر کے اس اضطراب کو ختم کرنا چاہئے تھا۔ کیونکہ حضرت عمار بن یاسر سے مختلف سندوں کے ساتھ مختلف الفاظ آتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

الف۔ ایک ضرب سے تیمم کرے اور چہرے اور ہتھیلیوں پر ہاتھ پھیرے۔

(بخاری ج 1 ص 48 مسلم ج 1 ص 116)

ب۔ تیمم دو ضرب سے کرنا ایک ضرب چہرے کے لئے دوسری دونوں ہاتھوں سے کندھوں اور بغلوں تک کے لئے۔

(ابوداؤد ج 1 ص 51، نسائی ج 1 ص 60، طحاوی ج 1 ص 66، مسند احمد ج 4 ص 263)

ج۔ تیمم دو ضرب ہے ایک ضرب چہرے کے لئے دوسری ضرب دونوں ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک۔

(رواہ البزار فی مسندہ، نصب الرایہ ج 1 ص 154 قال الحافظ ابن حجر باسناد حسن، الدرایہ ص 36)

راشدی صاحب کا فرض تھا کہ وہ پہلے اس حدیث کے مکمل طرق نقل کرتے پھر ایک طریق کو

قبول اور دو طریقوں کو رد کرنے کی وجہ کسی حدیث صحیح سے بیان کرتے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو کہ فلاں طریق قبول کر لینا کہ وہ صحیح ہے اور فلاں فلاں دو طریق حدیثوں کے رد کر دینا کہ وہ ضعیف ہیں۔ لیکن راشدی صاحب نے حدیث نقل کرنے میں ایسا نہیں کیا انہوں نے ایک طریق بتایا اور دو کو چھپایا۔

عجیب بات ہے کہ راشدی صاحب نے بھی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ایک ہی طریق کو مانا اور دو کو بلاوجہ بیان کئے چھوڑا تو وہ اہل حدیث رہے ہم نے بھی اس کے ایک طریق پر عمل کیا مگر ہمیں حدیث کا مخالف کہا گیا۔ احناف نے جن دو طریقوں کو چھوڑا اس کی باقاعدہ وجہ بیان کی ہے۔ فقیہ شہیر محدث کبیر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس حدیث میں کندھوں تک مسح کا ذکر ہے وہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نہیں بلکہ نزول آیت سے پہلے صحابہ کی اپنی اپنی رائے تھی۔ چنانچہ امام طحاوی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حدیث نقل فرماتے ہیں کہ میرا ہار سفر میں گم ہو گیا صحابہ ہار کی تلاش میں گئے جب نماز کا وقت ہوا تو پانی نہ ملنے کی وجہ سے صحابہ نے تیمم کیا کسی نے صرف ہتھیلیوں تک کسی نے کندھوں تک پس یہ بات جب آنحضرت ﷺ کو پہنچی تو آپ پر آیت تیمم نازل ہوئی۔ (طحاوی ص 80 ج 1) معلوم ہوا کہ یہ بعض صحابہ کا اپنا عمل تھا۔

جب آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے خود صحابہ کو تیمم کا طریقہ سکھایا، چنانچہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان ہی لوگوں میں تھا جب کہ تیمم کی رخصت نازل ہوئی پس ہمیں حکم دیا گیا اور ہم نے ایک ضرب سے چہرے کا مسح کیا اور دوسری ضرب سے دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کیا۔ (رواہ البزار باسناد حسن۔ الدرایہ لحافظ ابن حجر ص 36)

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی طریقہ قرآن پاک کے بھی موافق ہے کیونکہ قرآن پاک میں پہلے وضو کا حکم ہے پھر پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کو وضو کا قائم مقام قرار دیا ہے وضو میں چار فرائض کا ذکر تھا تیمم میں ان میں سے دو ساقط فرما دیئے اور دو کو باقی رکھا ان کی کیفیت اصل وضو کے موافق ہونی چاہیے تا کہ وہ ان کے قائم مقام کہلا سکیں۔ اب وضو میں حکم ہے **فاغسلوا وجوهكم وايديكم الى المرافق** تم اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور تیمم کے بارے میں فرمایا **فامسحوا بوجوهكم وايديكم منه** مسح کرو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کا اب ظاہر ہے کہ وضو میں چہرہ کو دھونے اور ہاتھوں کے دھونے کے لئے الگ الگ پانی لیا جاتا ہے اس لئے تیمم میں بھی چہرے اور ہاتھوں کے مسح کے لئے الگ الگ ضرب ہوگی اور وضو میں پورے چہرے کو

دھویا جاتا ہے تو تیمم میں بھی چہرے کا پورا مسح ہوگا مگر ہاتھوں کا کہنیوں تک تاکہ تیمم وضو کا ان دونوں فرضوں میں پورا پورا قائم مقام رہے۔ (طحاوی ج1 ص81)

رہا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا وہ طریق جو راشدی صاحب نے بیان کیا ہے یہ بعد کا ہے جب حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو تیمم کا طریقہ تو آتا تھا مگر وہ اس کو صرف وضو کے تیمم کا طریقہ سمجھتے تھے جب ان پر غسل فرض ہوا اور پانی نہ ملا تو سارے کپڑے اتار کر زمین پر لوٹے پھر آکر یہ واقعہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا۔ آنحضرت ﷺ نے سمجھایا کہ غسل اور وضو کے تیمم میں کوئی فرق نہیں چونکہ طریقہ پہلے حضرت عمار رضی اللہ عنہ جانتے تھے اس لئے اختصار کے ساتھ حضور ﷺ نے اشارہ فرمایا۔

صاحب ہدایہ کی عبارت نقل کرنے میں فریب

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں ''تیمم دو ضربوں سے ہے ایک کے ساتھ چہرے کا مسح کرے اور دوسری کے ساتھ دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تیمم دو ضربوں کے ساتھ ہے ایک ضرب چہرے کے لئے اور دوسری ضرب دونوں ہاتھوں کے لئے (ھدایہ اولین ص 50) دیکھئے صاحب ہدایہ نے صاف طور پر فرمایا تھا کہ یہ طریق فرمان رسول سے ثابت ہے۔ راشدی صاحب نے یہ بات نقل نہیں کی۔

تیمم میں دو ضربیں ہیں

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت مسند بزار کے حوالہ سے گزر چکی ہے۔ اس کے علاوہ دوسری روایات مندرجہ ذیل ہیں۔

دلائل احناف

1- عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال التیمم ضربتان ضربۃ للوجہ و ضربۃ للیدین الی المرفقین۔

(دار قطنی ج1 ص180)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تیمم میں دو ضربیں ہوتی ہیں ایک چہرہ کے لئے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لئے۔

2- عن جابر عن النبی صلی ﷺ قال التیمم ضربہ للوجہ و ضربة للذراعین الی المرفقین۔ (دار قطنی ج1 ص181)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تیمم میں ایک ضرب چہرہ کے لئے ہے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں بازوؤں کے لئے۔

2- عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال التیمم ضربتان ضربة للوجہ وضربة للیدین الی المرفقین۔ (مستدرک حاکم ج1 ص179)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تیمم میں دو ضربیں ہوتی ہیں ایک ضرب چہرہ کے لئے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لئے۔

4- عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال کان تیمم رسول اللہ ﷺ ضربتین ضربة للوجہ وضربة للیدین الی المرفقین۔ (جامع المسانید ج1 ص233)

حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا تیمم دو ضربیں تھا ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لئے۔

5- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ بیت الخلاء سے نکلے ایک راہ گیر نے آپ کو سلام کیا آپ نے دو ضربوں سے تیمم کر کے اس آدمی کو سلام کا جواب دیا جب کہ وہ گلی کے موڑ سے چھپنے والا تھا۔

(ابوداؤد ج1 ص53، طحاوی ج1 ص64، دار قطنی ج1 ص65، الطیالسی ج1 ص253، بیہقی ج1 ص206)

اگر ایک ضرب سے تیمم کی گنجائش ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس جلدی کے موقع پر ضرورر اختصار سے کام لیتے اذ الیس فلیس۔

6- حضرت اسلع رضی اللہ عنہ بھی اس سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے جس میں آیت تیمم نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت اسلع رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اسلع قم فتیمم صعیدا طیبا ضربتین ضربة لوجھك و ضربة للذاعلیك ظاھرھما وباطنھا الحدیث۔ (طحاوی ج1 ص81)

اے اسلع ؓ کھڑا ہو اور پاک مٹی سے تیمم کر ایک ضرب اپنے چہرے کے لئے اور دوسری ضرب اپنے بازوؤں کے لئے اندر باہر دونوں طرف یہ روایت اس طرح بھی ہے کہ ربیع کہتے ہیں مجھے میرے باپ نے دوضربوں سے تیمم کر کے دکھایا میرے ابا کو میرے دادا نے اس طرح تیمم کر کے دکھایا میرے دادا کو حضرت اسلع ؓ نے اسی طرح تیمم کر کے دکھایا اور حضرت اسلع ؓ فرماتے ہیں مجھے اس طرح رسول اقدس ﷺ نے تیمم کر کے دکھایا۔ (اخرجہ الطبرانی والدارقطنی والبیہقی زیلعی ج1ص153)

7- حضرت ابوجہم ؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے دیوار پر ہاتھ مار کر پہلے چہرے مبارک پر مسح فرمایا پھر دوسری ضرب کے بعد اپنے ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح فرما کر میرے سلام کا جواب دیا۔ (دارقطنی ج1ص65)

8- حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ کچھ جنگل کے رہنے والے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپؐ نے ان کو تیمم کا طریقہ خود اس طرح سکھایا کہ زمین پر ایک ضرب لگا کر چہرہ مبارک کا مسح فرمایا اور پھر زمین پر دوسری ضرب لگا کر اپنے ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح فرمایا۔
(بیہقی ج1ص206)

9- عن نافع ان ابن عمر تیمم فی مرید النعم فقال بیدیه علی الارض فمسح بهما وجهه ثم ضرب بهما علی الارض ضربة اخری ثم مسح بهما یدیه الی المرفقین۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج1ص158)

حضرت نافع ؒ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے چوپایوں کے باڑہ میں تیمم کیا۔ آپ نے اپنے ہاتھ زمین پر جھکائے اور ان سے چہرہ پر مسح کیا پھر دوسری مرتبہ دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں پر مسح کیا۔

10- عن نافع قال سالت ابن عمر عن التیمم فضرب بیدیه الی الارض و مسح بهما یدیه ووجهه و ضرب ضربة اخری فمسح بهما ذراعیه۔ (طحاوی ج1ص81)

حضرت نافع ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے تیمم کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے ہاتھوں اور چہرہ کا مسح کیا پھر دوسری بار دونوں ہاتھ مارے اور ان سے دونوں بازوؤں کا مسح کیا۔

11- عن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ قال التیمم ضربتان ضربۃ للوجہ و ضربۃ للذراعین الی المرفقین۔

(مسند امام زید ص 77)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ تیمم میں دوضربیں ہوتی ہیں ایک ضرب چہرہ کے لئے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لئے۔

12- عن جابر انہ ضرب بیدیہ الارض ضربۃ فمسح بھما وجھہ ثم ضرب بھما الارض ضربۃ اخری فمسح بھما ذراعیہ الی المرفقین۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 1 ص 151)

حضرت جابر ؓ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے چہرہ کا مسح کیا پھر دوبارہ دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کا مسح کیا۔

13- عن حبیب الشھید انہ سمع الحسن سئل عن التیمم فضرب بیدیہ علی الارض فمسح بھما وجھہ ثم ضرب بیدیہ علی الارض ضربۃ اخری فمسح بھما یدیہ الی المرفقین۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 1 ص 158)

حضرت حبیب شہید سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت حسن ؒ (بصری) کو سنا کہ آپ سے تیمم کے بارے میں سوال کیا گیا آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے چہرہ کا مسح کیا پھر دوبارہ دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کا مسح کیا۔

14- عن ابن طائوس عن ابیہ انہ قال التیمم ضربتان ضربۃ للوجہ و ضربۃ للذراعین الی المرفقین۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 1 ص 159)

ابن طاؤس رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد طاؤس سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تیمم میں دو ضربیں ہوتی ہیں۔ ایک ضرب چہرہ کے لئے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لئے۔

15- عن الزهری قال التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للذراعین۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 1 ص 159)

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تیمم میں دو ضربیں ہوتی ہیں ایک ضرب چہرہ کے لئے اور ایک دونوں ہاتھوں کے لئے۔

16- عن ابراهیم فی التیمم قال تضع راحیتك فی الصعید فتمسح وجهك ثم تضعها ثانیة فتنفضهما فتمسح یدیك وذراعیك الی المرفقین۔ (کتاب الآثار للامام ابی حنیفہ بروایت الامام محمد ص 15)

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے تیمم کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اپنے دونوں ہاتھ مٹی پر رکھ کر چہرہ کا مسح کرلو پھر دوبارہ دونوں ہاتھ رکھ کر جھاڑو اور کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ اور بازوؤں کا مسح کرلو۔

17- یہی مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام لیث بن سعد مصری رحمۃ اللہ علیہ اور عام فقہاء کا ہے اور ابن المنذر نے یہی مذہب حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت بصری امام شعبی اور سالم بن عبداللہ سے روایت کیا ہے۔ کمافی شرح المذہب ج 1 ص 210 للنووی رحمۃ اللہ علیہ قال وھو قول الکثر العلماء (بحوالہ معارف السنن ج 1 ص 378) امام مالک کا یہی مسلک قواعد ابن رشد ج 1 ص 56 اور المدونۃ الکبری ج 1 ص 46 پر مذکور ہے۔

مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہورہا ہے کہ تیمم میں دو ضربیں ہوتی ہیں۔ پہلی ضرب چہرہ پر مسح کے لئے اور دوسری ضرب دونوں ہاتھوں پر مسح کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں۔ جلیل القدر صحابہ کرام حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی تیمم میں دو ضربیں ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ زہری رحمۃ اللہ علیہ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اجلہ تابعین کا فتوی بھی یہی ہے کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں۔

غیر مقلدین اگر ان احادیث کو ضعیف ثابت کرنا چاہیں تو صراحتہ نبی معصوم ﷺ سے اپنی روایت کا صحیح ہونا اور باقی سب احادیث کا جھوٹا ہونا ثابت کردیں کہ کسی غیر معصوم امتی کا قول ہرگز پیش نہ کریں کیونکہ اس کے نزدیک کسی غیر معصوم امتی کا قول دلیل شرعی نہیں۔ رہا ہمارا مسلک تو یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صراحتہ کسی ایک حدیث کی ترجیح ثابت نہ ہو تو وہ ’’فان لم تجد فیہ‘‘ میں شامل ہے اور اب باجازت رسول ﷺ مجتہد کی طرف رجوع ہوگا چنانچہ ہم نے خیر القرون کے مجتہد اعظم امام ابوحنیفہ ؒ کی طرف رجوع کیا انہوں نے خیر القرون کے تعامل اور کتاب وسنت کو سامنے رکھ دو ضربوں سے تیمم والی احادیث پر عمل کیا اور کروایا کیونکہ خیر القرون میں بلانکیر اسی پر عمل جاری تھا۔ اب خیر القرون کے مجتہد کے مقابلہ میں کسی مابعد خیر القرون کے امتی کے اقوال کو پیش کرنا گویا حدیث خیر القرون کی کھلم کھلا مخالفت ہے۔

اور غیر مقلدین یہ بھی یاد رکھیں کہ احناف کو کسی ایک حدیث کی مخالفت کا بھی کھٹکا نہیں کیونکہ جب دو ضرب سے تیمم کرتے ہیں تو ان دو میں ایک ضرب یقینا آجاتی ہے اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل ہوجاتا ہے اور جب وہ کہنیوں تک مسح کرتے ہیں تو اس میں ہتھیلیاں اور پہنچے یقینا آجاتے ہیں اور اس طرح اس طریقہ تیمم میں سب احادیث پر عمل ہے اور کسی حدیث کی مخالفت لازم نہیں آتی۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اب اس کے جواب کی ضرورت تو نہیں مگر مختصر عرض کرتے ہیں۔

1- یہ روایت مسند ابوداؤد طیالسی ص 89 میں آتی ہے اس میں شک کے ساتھ یہ لفظ ہیں: الی الکوعین او المرفقین۔ تو جب اسی روایت میں مرفقین کے لفظ بھی ہیں تو علی التعیین کفین پر کیسے عمل کیا جائے گا؟

2- امام نووی ؒ شرح مسلم ج 1 ص 161 میں لکھتے ہیں کہ بخاری اور مسلم وغیرہ کی روایت میں آپؐ نے طریقہ تعلیم کی طرف اشارہ کیا ہے نہ کہ پوری تعلیم دی۔

3- شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ جیسے آپؐ نے غسل کے بارے میں فرمایا کہ تین چلو سر پر ڈالے جائیں ظاہر بات ہے کہ اس سے غسل تو نہیں ہوتا۔

4- دراصل حضرت عمار ؓ کو تیمم للوضو کا علم پہلے سے تھا لیکن تیمم للجنابت کی کیفیت معلوم نہیں

تھی اس لئے تمعک کیا زمین پر لوٹ پوٹ ہوئے تو آپ ﷺ نے صرف اشارہ فرمادیا کہ جیسے وضو کا تیمم ہے ویسے غسل کا تیمم ہے تمعک کی ضرورت نہیں یہ اجمالی تعلیم تھی اس کو مذکورہ مفصل احادیث پر محمول کرنا چاہئے۔

5- شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

یعنی مروی ہے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں ایک ضرب منہ کے لئے اور ایک ضرب دونوں ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک اور تحقیق مروی ہے عمل آنحضرت ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا دونوں طرح پر اور وجہ توفیق کی ظاہر ہے رہنمائی کرتا ہے طرف اس کے لفظ انما یکفیک کا کہ اول یعنی ایک ضرب ادنی تیمم کا ہے اور ثانی یعنی دو ضربیں وہی سنت ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

اعتراض نمبر ⑳

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ⑳: **نماز مغرب سے قبل دو رکعتیں**

حدیث نبوی ﷺ

عن عبداللہ بن المغفل قال قال ﷺ صلوا قبل المغرب رکعتین صلوا قبل المغرب رکعتین ثم قال فی الثالثۃ لمن شاء کراھیۃ ان یتخذھا الناس سنۃ

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا: ”مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرو تیسری بار فرمایا جس کا دل چاہے“ یہ اس لئے فرمایا کہ کہیں لوگ اسے سنت (موکدہ) نہ بنالیں۔

(صحیح البخاری ج 1 ص 157 کتاب التہجد باب الصلوۃ قبل المغرب رقم الحدیث نمبر 1183) (صحیح مسلم ج 1 ص 278 کتاب فضائل القرآن باب بین کل اذانین صلاۃ حدیث نمبر 838)

فقہ حنفی

ولا یتنفل بعد الغروب قبل الفرض

(هداية اولين ج1 كتاب الصلوة باب المواقيت فصل في الاوقات التي تكره فيها الصلوة ص86)

سورج کے غروب ہو جانے کے بعد فرض نماز سے پہلے نفلی نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔

(فقہ و حدیث ص59)

جواب:

مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنے کے متعلق روایات دونوں طرح کی ہیں بعض روایات میں پڑھنے کا ذکر ہے اور بعض روایات میں نہ پڑھنے کا۔ اس وجہ سے صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ میں بھی اختلاف ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں:

و فی المسئلة مذہبان للسلف فاستحبھما جماعة من الصحابه و التابعین و من المتاخرین احمد و اسحق و لم یستحبھما ابو بکر و عمر و عثمان و علی و اخرون من الصحابة و مالك و اکثر الفقھاء۔

(نووی شرح مسلم ج1 ص278)

اس مسئلہ میں سلف کے دو مذہب ہیں ایک گروہ اس کو مستحب کہتا ہے۔ اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ اور فقہاء متاخرین ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اسحق رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ دوسرا گروہ ان کے پڑھنے کو مستحب قرار نہیں دیتا۔ اس گروہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ (یعنی تمام خلفائے راشدین) کے اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم امام مالک اور اکثر فقہاء کرام ہیں۔

(اور احناف بھی اس کے قائل ہیں ''مشتاق'') امام ترمذی فرماتے ہیں: اور اختلاف کیا ہے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کے قبل کی نماز میں۔ جو لوگ ان دو نفلوں کے پڑھنے کو صرف مباح قرار دیتے ہیں سنت یا مستحب نہیں سمجھتے وہ مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو اذانوں کے درمیان نماز ہے سوائے مغرب کے۔ (کشف الاستار ج10 ص:338)

اعتراض نمبر ㉑

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ㉑: غائبانہ نماز جنازہ کا حکم

حدیث نبوی ﷺ

عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ نعى النجاشی فی اليوم الذی مات فيه و خرج بهم الى المصلى فصف بهم و كبر عليه اربع تكبيرات۔

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ جس دن نجاشی کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی موت کی خبر سنائی اور عیدگاہ کی طرف نکلے، صفیں بنائی گئیں اور آپؐ نے چار تکبیرات کہیں۔

(بخاري ج1 كتاب الجنائز باب التكبير علي الجنازة اربعا صفحه 178۔ رقم الحديث 1333 ايضا باب الرجل ينحي الي اهل الميت بنفسه ص 167) (مسلم ج1 كتاب الجنائز باب في الكتبير علي الجنازة ص 309 رقم الحديث 2204) (واللفظ للبخاري)

فقہ حنفی

فلا تصح على غائب

(الدر المختار باب صلاة الجنائز ج2 ص 209 ،طبع دار الفكر بيروت)

غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا صحیح نہیں ہے۔ (فقہ و حدیث ص 60)

جواب:

1- آنحضرت ﷺ کے کئی صحابہ کا ملک عرب میں وصال ہوا مگر آپؐ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی آپؐ کی پوری زندگی میں ایک بھی مثال کسی صحیح سند سے نہیں ملتی۔

2- خود آنحضرت ﷺ کے وصال پر کسی صحابی نے آپؐ کی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھی۔

3- حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنے دور خلافت میں کسی کی نماز جنازہ غائبانہ ادا نہیں فرمائی۔

4- حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے وصال پر کسی ملک میں آپ کی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھائی گئی۔

5- حضرت عمر ؓ نے اپنے دور خلافت میں کسی کی نماز جنازہ غائبانہ ادا نہیں فرمائی۔

6- حضرت عمر ؓ کی شہادت پر کسی ملک میں آپ کی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھائی گئی۔

7- حضرت عثمان ؓ نے اپنے دور خلافت میں کسی کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔

8- حضرت عثمان ؓ کی شہادت پر کسی ملک میں آپ کی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھائی گئی۔

9- حضرت علی ؓ نے اپنے دور خلافت میں کسی کی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھائی۔

10- امہات المومنین کے وصال پر کسی ملک میں نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھائی گئی۔

12- آنحضرت ﷺ کی اولاد اطہار کی وفات پر تمام علاقوں میں جنازہ غائبانہ نہ پڑھا گیا۔

اسلام میں ان ہستیوں سے بڑھ کر اور کوئی ہستیاں نہیں گزریں۔ ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی اگر غائبانہ نماز جنازہ سنت ہوتا تو ان کا ضرور بضرور پڑھا جاتا۔ اگر کسی غیر مقلد میں ہمت ہے تو صرف ایک ہی حدیث پیش کرے۔

مگر غیر مقلد ایک حدیث صحیح صریح غیر معارض پیش کرنے سے عاجز ہیں تو معلوم ہوا کہ نماز جنازہ غائبانہ نہ پڑھنا ہی سنت متواترہ ہے اور سنت متواترہ کے خلاف کوئی حدیث خبر واحد مل جائے تو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اس کو قبول نہ کرو۔ (الکفایہ)

جس حدیث کو راشدی صاحب نے نقل کیا ہے اس میں نہ غائب کا لفظ نہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہم نے غائبانہ جنازہ پڑھا نہ صحابہ کرام نے کہا کہ ہم نے غائبانہ جنازہ پڑھا۔ راشدی صاحب نے قیاس سے یہ مسئلہ نکال لیا۔

رہا نجاشی پر آنحضرت ﷺ کا نماز جنازہ پڑھنا تو اس کی کئی وجوہات ہیں۔

1- یہ آپ کی خصوصیات میں داخل ہے۔

2- یا اس پر نماز جنازہ اس لئے پڑھا گیا کہ اس کے وطن میں عیسائی لوگ تھے اس لیے اس پر اس پر آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھی۔

3- یا اس لئے کہ اس کی نعش کسی نہ کسی وجہ سے حاضر تھی یا تو اس کی میت آپ کے سامنے کردی گئی تھی۔ آپ اس کو دیکھ رہے تھے۔ گو صحابہ کرام ؓ کو نظر نہیں آتی تھی یا آپ کے سامنے

سے پردہ ہٹا کر آپ کو دکھا دی گئی تھی۔

4- ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

و قال بعض العلماء انما صلی علیه لانه یکتم ایمانه من قومه فلم یکن عنده یوم مات من یصلی علیه فلهذا صلی علیه (ص) قالوا فالغائب ان کان قد صلی علیه ببلدة لا تشرع الصلوة علیه ببلدة اخری و لهذا لم یصلی النبی (ص) فی غیر المدینة لا اهل مکة و لا غیرهم و هکذا ابو بکر و عمر و عثمان و غیرهم من الصحابة لم ینقل انه صلی علی احد منهم فی غیر البلدة التی صلی علیه فیها فالله اعلم۔ (البدایہ والنہایہ ج3 ص78)

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ نجاشی پر آنحضرت ﷺ نے جنازہ اس لئے پڑھایا تھا کہ وہ اپنے ملک حبش میں اپنا ایمان اپنی قوم سے چھپاتا تھا اور جس دن وہ فوت ہوا اس دن اس کے پاس وہاں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو اس پر نماز جنازہ پڑھتا اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھا (ایسا ہی اگر کسی پر جنازہ کی نماز نہ پڑھی گئی ہو تو پھر اس پر غائبانہ پڑھنی درست ہوگی) علماء نے کہا ہے کہ غائب پر اگر اس کے شہر میں نماز جنازہ پڑھی گئی ہو تو پھر کسی دوسرے شہر میں اس پر نماز جنازہ مشروع نہیں ہے اسی لئے آنحضرت ﷺ نے مدینہ کے علاوہ کسی پر نماز جنازہ نہیں پڑھی نہ اہل مکہ پر اور نہ ان کے علاوہ دوسروں پر اور اسی طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہم صحابہ نے بھی کسی کا غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا اور ان سے یہ منقول نہیں کہ ان میں سے کسی نے اس شہر کے علاوہ جس میں اس میت پر نماز جنازہ پڑھی گئی ہو کسی پر نماز جنازہ پڑھی ہو۔

5- امام بن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کتاب التمہید میں لکھا ہے کہ:

اکثر اہل علم اس کو حضور ﷺ کے ساتھ مخصوص مانتے ہیں نجاشی کی میت کو آپ کے سامنے حاضر کر دیا گیا تھا۔ اس کا مشاہدہ کیا اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی یا اس کا جنازہ آپ کے سامنے اس طرح بلند کر دیا گیا جس طرح اللہ تعالی نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے ظاہر کر دیا تھا جب کہ قریش نے آپ سے

سوال کیا تھا اسی طرح ابن عبدالبر ؒ نے حضرت عمران بن حصین ؓ کی روایت نقل کی ہے کہ:

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا بھائی نجاشی وفات پا گیا ہے۔ اس پر نماز جنازہ پڑھو آنحضرت ﷺ کھڑے ہوئے اور ہم لوگ بھی آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے صفیں بنائیں آپ نے چار تکبیرات پڑھیں اور ہم بھی گمان کرتے تھے کہ جنازہ آپ کے سامنے ہے۔

6- اگر غائب پر نماز جنازہ جائز ہوتی تو آنحضرت ﷺ اپنے ان اصحاب پر نماز جنازہ ضرور پڑھتے جو مدینہ سے باہر فوت ہو چکے تھے اور مسلمان بھی شرقاً و غرباً خلفاء راشدین پر نماز جنازہ پڑھتے حالانکہ کسی سے یہ منقول نہیں۔ (فتح الملہم ج2 ص496)

7- علامہ شوکانی ؒ کہتے ہیں:

”اعذار میں سے ان محدثین اور فقہاء کا قول ہے کہ اس (نجاشی) کے جنازہ کو آپ کے سامنے منکشف کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ آپ نے اس کو دیکھ لیا تو اس کا حکم اس شخص کا ہوگا جس کو امام کے سامنے حاضر کر دیا گیا ہو جس کو امام تو دیکھتا ہے لیکن مقتدی اس کو نہیں دیکھتے“ ایسی صورت میں نماز جنازہ پڑھنا بلا خلاف جائز ہے۔

اور اس سلسلہ میں استدلال واحدی کی بات سے کیا ہے جس کو بغیر-ر کے اس نے عبداللہ بن عباس ؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ:

آنحضرت ﷺ کے سامنے نجشی کی نجاشی کو ظاہر کر دیا گیا تھا آپ نے اس کو دیکھا اور نماز جنازہ پڑھی اور ابن حبان ؒ نے جو حدیث حضرت عمران بن حصین ؓ سے نقل کی ہے کہ صحابہ کرام کھڑے ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے پیچھے صفیں بنائیں اور صحابہ کرام یہی خیال کرتے تھے کہ جنازہ آنحضرت ﷺ کے سامنے ہے۔

اور ابو عوانہ ؒ نے بھی ابان وغیرہ عن یحییٰ ؒ کے طریق سے جو روایت بیان کی ہے کہ ہم نے نماز جنازہ آنحضرت ﷺ کے پیچھے پڑھی اور ہم یہی خیال کرتے تھے کہ جنازہ ہمارے سامنے ہے۔

اور اعذار میں سے یہ بھی ہے کہ یہ نماز جنازہ نجاشی کے ساتھ مخصوص تھا اس لئے یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے کسی غائب میت پر سوائے نجاشی کے نماز جنازہ پڑھی ہو۔

(نیل الاوطار ص54 ج4)

اعتراض نمبر ۲۲

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۲۲: اذان واقامت کے کلمات کا حکم

حدیث نبوی ﷺ

امر بلال ان یشفع الاذان و یوتر الاقامة

ترجمہ: سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا تھا کہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ کہیں اور اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہیں۔

تخریج بخاری ج 1 کتاب الاذان باب الاذان مثنی مثنی صفحہ 85. رقم الحدیث 605-606 مسلم ج 1 کتاب الصلوۃ باب الامر بشفع الاذان الخ ص 164 رقم الحدیث 838۔

فقہ حنفی

و الاقامة مثل الاذان انه یزید فیها بعد الفلاح قد قامت الصلاة مرتین

(هداية اولین ج 1 کتاب الصلاة باب الاذان ص 87)

اقامت، اذان ہی کی طرح ہے۔ یہ فرق ہے کہ اقامت میں ”حی علی الفلاح“ کے بعد دو مرتبہ ”قد قامت الصلوۃ“ کہتے ہیں۔ (فقہ وحدیث ص 61)

جواب:

راشدی صاحب نے ہدایہ سے یہ عبارت نقل کی ہے **والاقامة مثل الاذان** اس کی دلیل میں صاحب ہدایہ نے لکھا تھا **هكذا فعل الملك النازل من السماء۔** (ہدایہ ص 87)

صاحب ہدایہ نے بات صاف کر دی ہے کہ یہ اقامت کسی فقیہ نے معاذ اللہ گھر سے نہیں گھڑی بلکہ اصل اذان واقامت اس فرشتے کی ہے جس نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اذان سکھائی تھی اس فرشتہ نے اقامت مثل اذان سکھائی تھی۔ راشدی صاحب نے آگے والی عبارت چھوڑ دی۔

فقہ حنفی کے دلائل

1- حضرت عبداللہ بن زید ؓ فرماتے ہیں کہ اس فرشتے کی اذان اور اقامت دونوں دوہری دوہری تھیں۔

(ابن ابی شیبہ ج 1 ص 136 عبدالرزاق ج 1 ص 461 و 462 آثار السنن ج 1 ص 52 وسند صحیح ہذا اسناد فی غایۃ الصحۃ المحلی ابن حزم ج 2 ص 158 حافظ ابن دقیق العید کہتے ہیں رجالہ الصحیح نصب الرایہ ج 1 ص 267 ابوداؤد ج 1 ص 75)

2- حضرت عبداللہ بن زید فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ کی اذان واقامت دو مرتبہ تھی۔

(ترمذی ج 1 ص 27)

2- حضرت ابومحذورہ فرماتے ہیں مجھے آنحضرت ﷺ نے اذان واقامت دو دو مرتبہ سکھائی۔

(عبدالرزاق ج 1 ص 458)

4- عبدالعزیز بن رفیع فرماتے ہیں میں نے ابومحذورہ ؓ کی اذان واقامت سنی دونوں دو دو مرتبہ تھیں۔ (طحاوی ج 1 ص 93)

5- حضرت سلمہ بن الاکوع ؓ بھی اذان واقامت دوہری کہتے تھے۔

(دارقطنی واسنادہ صحیح، آثار السنن ج 1 ص 53)

6- حضرت ابراہیم فرماتے ہیں حضرت ثوبان ؓ کی اذان واقامت دوہری دوہری تھی۔

(عبدالرزاق ج 2 ص 462)

8- حضرت سوید بن غفلۃ فرماتے ہیں میں نے حضرت بلال ؓ کو اذان واقامت کہتے سنا ان کی اذان واقامت دو دو مرتبہ ہوتی تھی۔

(رواہ الطحاوی واسنادہ حسن، آثار السنن ج 2 ص 53)

9- حضرت ابوجحیفہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال ؓ نبی پاک صلی ﷺ کے لئے اذان بھی دو دو مرتبہ اور اقامت بھی دو دو مرتبہ کہا کرتے تھے۔ (رواہ دارقطنی والطبرانی)

محدث طحاوی ؒ فرماتے ہیں حضرت بلال ؓ کا دوہری اقامت کہنا تواتر سے ثابت ہے۔

(طحاوی ج 1 ص 92)

10- حضرت علی ؓ کا موذن اقامت دو دو مرتبہ کہا کرتا تھا۔

(عبدالرزاق ج 1 ص 463)

11- حضرت سعد بن قیس کہتے ہیں بے شک حضرت علی ؓ اذان و اقامت دو دو مرتبہ کہا کرتے تھے ایک دن ایک موذن کو سنا جس نے ایک ایک مرتبہ کہی حضرت علی ؓ نے فرمایا دو دو مرتبہ کیوں نہ کہی تیری ماں مرجائے۔ (ابن ابی شیبہ ج 1 ص 138)

12- ابو اسحاق کہتے ہیں اصحاب علی ؓ اور اصحاب عبداللہ بن مسعود سب کے سب اذان اور اقامت دو دو مرتبہ کہا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

13- حضرت امام سفیان ثوری ؒ نے منیٰ میں اذان و اقامت کہی جو دو دو مرتبہ تھی۔

(عبدالرزاق ج 1 ص 462)

14- مجاہد فرماتے ہیں کہ ایک ایک مرتبہ اقامت کہنا امراء کی تخفیف ہے اقامت تو دو مرتبہ ہی ہے۔ (عبدالرزاق ج 1 ص 463، ابن ابی شیبہ ج 1 ص 138 طحاوی ج 1 ص 95)

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ اور خلفائے ثلاثہ کے دور میں سنت متواترہ دوہری اقامت ہی تھی حضرت علی ؓ اور آپ کے تمام اصحاب حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے تمام اصحاب میں بھی دوہری اقامت ہی متواتر تھی۔ بعض امراء نے اختصار سے کام لے کر اقامت اکہری بنالی۔ پس ثابت ہوا کہ دوہری اقامت احناف نے گھر سے نہیں گھڑی آنحضرت ﷺ کے سب موذن حضرت ابومحذورہ ؓ، حضرت بلال ؓ، حضرت ثوبان ؓ، حضرت سلمہ بن الاکوع ؓ دوہری اقامت ہی کہا کرتے تھے اور یہی خلافت راشدہ میں رائج تھی۔ خلافت راشدہ کے بعد بعض امراء نے اکہری تکبیر نکالی اور اپنے دور حکومت سے اس کو رواج دیا۔

راشدی صاحب نے سنتوں کے مٹانے پر کمر باندھ رکھی ہے وہ جس حدیث سے دھوکا دے رہے ہیں ان میں اگر کلمات مراد لیئے جائیں تو وہ سنت متواترہ کے خلاف ہوگی خود ان کے عمل کے بھی خلاف ہوگا کیونکہ وہ اذان میں اللہ اکبر چار مرتبہ کہتے ہیں نہ کہ دو مرتبہ اور اقامت میں اللہ اکبر دو مرتبہ کہتے ہیں نہ کہ ایک مرتبہ اس لیئے اس حدیث میں شفع سے مراد یہ ہوگا کہ اذان کے کلمات دو سانس میں ہوں اقامت کے ایک سانس سے۔

اذان:

اللہ اکبر اللہ اکبر — اللہ اکبر اللہ اکبر (شفع)

اشھد ان لا الہ الا اللہ — اشھد ان لا الہ الا اللہ

اشھدان محمدا رسول اللہ	اشھدان محمدا رسول اللہ
حی علی الصلوۃ	حی علی الصلوۃ (دومرتبہ)
حی علی الفلاح	حی علی الفلاح (دومرتبہ)
اللہ اکبر اللہ اکبر	لا الہ الا اللہ

اقامت:

اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر وتر ایک سانس میں

اشھدان لا الہ الا اللہ دونوں ایک سانس سے وتر

اقامت میں یہ دونوں کلمے ایک ہی سانس میں کہے۔

پس اس تطبیق سے احادیث میں کوئی اختلاف نہ رہا۔

اعتراض نمبر ㉓

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ㉓: شراب کا سرکہ

حدیث نبوی ﷺ

عن انس ان النبی ﷺ سئل عن الخمر تتخذ خلا فقال لا

ترجمہ: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شراب کے بارے میں پوچھا گیا کہ اس سے سرکہ بنایا جا سکتا ہے؟ آپؐ نے اس سے منع فرمایا۔

(مسلم ج2 کتاب الاشربہ باب تحریم تخلیل الخمر الخ ص173 رقم الحدیث 5140)

فقہ حنفی

و اذا تخللت الخمر حلت سواء صارت خلا بنفسها اوشی ء یطرح فیھا ولا یکرہ تخلیلھا

(ہدایۃ اخرین ج4 کتاب الاشربہ ص499)

شراب کا سرکہ بنایا جا سکتا ہے، برابر ہے وہ سرکہ نفس شراب سے بنایا جائے یا اس میں کوئی چیز ڈال کر سرکہ بنایا جائے اس میں کراہیت نہیں۔

(فقہ و حدیث ص 62)

جواب:

امام ابوحنیفہ ؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم (یعنی سرکہ بنانے سے منع کرنا) ابتدائی دور کا ہے جب شراب کی حرمت کا حکم نیا نیا اترا تھا اور لوگوں کے دلوں سے شراب کی محبت بالکل ختم کرنے کے لئے اس قدر سختی کی گئی تھی کہ شراب کے لئے استعمال ہونے والے برتنوں کا استعمال بھی ممنوع قرار دیا گیا۔ بعد میں جب لوگوں کے دلوں میں شراب کی نفرت اچھی طرح جاگزیں ہوگئی تو برتنوں کے استعمال اور شراب کو سرکہ بنا لینے سے ممانعت بھی ختم کر دی گئی۔ برتنوں کے استعمال کی اجازت کی احادیث کتب میں معروف ہیں۔ یہاں شراب کا سرکہ بنا لینے کی اجازت کی روایات و آثار کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1- حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ تمہارے سرکوں میں سے بہترین شراب کا بنا ہوا سرکہ ہے۔ (سنن الکبریٰ بیہقی ج ص)

2- حدیث ام المومنین ام سلمہ ؓ میں ہے ہمارے یہاں ایک بکری تھی جس کا ہم دودھ دوہا کرتے تھے پس آنحضرت ﷺ نے اس کو نہ پایا تو پوچھا کہ وہ بکری کیا ہوئی لوگوں نے عرض کیا کہ وہ مر گئی تو فرمایا کہ تم نے اس کی کھال سے انتفاع کیوں نہیں لیا تو ہم نے عرض کیا کہ وہ تو مردار تھی تو آپ ؐ نے فرمایا کہ دباغت سے وہ حلال ہو جاتی ہے جیسے خمر (شراب) کو سرکہ حلال کر دیتا ہے۔ (دارقطنی جلد 4 ص 266. الہدایہ ج 4 ص 404)

3- عبدالرزاق عن معمر عن سلیمان التیمی قال حدثنی امراۃ یقال ام حراش انہا رات علیا یصطبغ بخل خمر۔

(مصنف عبدالرزاق ج 9 ص 252، مصنف ابن ابی شیبہ ج 8 ص 13)

ام حراش ؓ کہتی ہیں کہ انہوں نے حضرت علی ؓ کو شراب سے بنے ہوئے سرکے کو بطور سالن استعمال کرتے ہوئے دیکھا۔

4- عن جبیر بن نفیر قال اختلف رجلان من اصحاب معاذ فی خل الخمر فسالاہ ابا الدردا فقال لا باس بہ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 8 ص 12)

جبیر بن نفیر کہتے ہیں کہ حضرت معاذ ؓ کے اصحاب میں سے دو آدمیوں کا شراب کے سرکے بارے میں اختلاف ہوا تو انہوں نے حضرت ابو الدرداء ؓ سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

5- عبد الرزاق عن سعید بن عبد العزیز التنوخی عن عطیة بن قیس قال مر رجل اصحاب ابی الدرداء و رجل یتغدی فدعاہ الی طعامہ فقال و ما طعامك؟ قال خبز و مری و زیت قال المری الذی یصنع من الخمر قال نعم قال ھو خمر فتوا عدا الی ابی الدرداء فسالاہ فقال ذبحت خمرھا الشمس والملح والحیتان یقول لا باس به۔ (مصنف عبد الرزاق ج9 ص253)

عطیہ بن قیس کہتے ہیں کہ حضرت ابو الدرداء ؓ کے اصحاب میں سے ایک آدمی ایک دوسرے آدمی کے پاس سے گزرا جو کھانا کھا رہا تھا۔ اس نے اسے کھانے کی دعوت دی اس نے پوچھا کیا کھانا ہے؟ اس نے کہا روٹی اور "مری" اور تیل اس نے پوچھا وہ "مری" جو شراب سے بنائی جاتی ہے؟ اس نے کہا ہاں اس نے کہا یہ شراب ہی ہے۔ پھر دونوں ابو الدردا ؓ کے پاس گئے اور ان سے (اس کے متعلق) دریافت کیا انہوں نے فرمایا کہ اس کے نشے کو دھوپ اور نمک او مچھلی کی آمیزش نے ختم کر دیا ہے۔ یعنی اس (کے کھانے) میں کوئی حرج نہیں۔

6- عبد الرزاق عن ابن جریج قال قلت لعطاء ایجعل الخمر خلا؟ قال نعم و قال لی ذلك عمرو بن دینار مثله۔

(مصنف عبد الرزق ج9 ص253)

ابن جریج کہتے ہیں میں نے عطاء ؒ سے پوچھا کہ کیا شراب کو سرکہ بنایا جا سکتا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں اور اسی طرح مجھ سے عمرو بن دینار نے کہا۔

7- عبد الرزق عن معمر عن ایوب قال رایت ابن سیرین اصطنع خل خمر او قال مساخل خمر۔ (مصنف عبد الرزاق ج9 ص253)

ایوب کہتے ہیں کہ میں نے ابن سیرین کو دیکھا کہ انہوں نے شراب سے سرکہ

بنایا یا یہ کہا کہ شراب کے سرکے میں کوئی حرج نہیں۔

8- حدثنا ابو بکر حدثنا قال ابن مھدی عن حماد بن زید عن یحیی بن عتیق عن ابن سیرین انه کان لا یری باسا بخل الخمر ۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج 8 ص 13)

یحیٰ بن عتیق کہتے ہیں کہ ابن سیرین رحمہ اللہ شراب کے سرکے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

9- حدثنا ابو بکر قال حدثنا ازھر عن ابن عون قال کان محمد لا یقول خل خمر و یقول خل العنب و کان یصطبخ فیه۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج 8 ص 13، کتاب الاموال مترجم جلد اول 242،241)

ابن عون کہتے ہیں کہ محمد بن سیرین رحمہ اللہ ”شراب کے سرکہ“ کہنے کے بجائے ”انگور کا سرکہ“ کہتے تھے اور اس کو سالن کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

10- حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع عن عبداللہ بن نافع عن ابیه عن ابن عمر انه کان لا یری باسا ان یاکل مما کان خمرا فصار خلا۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج 8 ص 13)

نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ شراب سے بنے ہوئے سرکے کے کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

11- حدثنا ابو بکر قال حدثنا حمید بن عبدالرحمن عن ابیه عن مسربل العبدی عن امه قالت سالت عائشة عن خل الخمر قالت لا باس به هو ادام۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 8 ص 13)

مسربل عبدی کی والدہ کہتی ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے شراب کے سرکے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کوئی حرج نہیں یہ بھی ایک سالن ہے۔

12- حدثنا ابو بکر قال حدثنا ابو اسامة عن اسماعیل بن عبدالملك قال رایت سعید بن جبیر یصطبخ بخل خمر۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج 8 ص 13)

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ شراب بنے ہوئے سرکے کو بطور سالن استعمال کرتے تھے۔

13- حدثنا ابو بکر قال حدثنا ابن مهدی عن مبارک عن الحسن قال لا باس بخل خمر۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 8 ص 13)

حسن بصری کہتے ہیں کہ شراب سے بنے ہوئے سرکہ میں کوئی حرج نہیں۔

حارث عکلی کا حوالہ

شبرمہ راوی ہیں کہ حارث عکلی نے اس شخص کے بارے میں جس نے میراث میں شراب پائی تھی کہا تھا وہ اس میں نمک ڈال لے تا کہ وہ سرکہ بن جائے۔

(کتاب الاموال مترجم ص 242)

حضرت عمر بن عبد العزیز کا حوالہ

مثنی بن سعید کہتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے اپنے کوفہ کے عامل عبد الحمید بن عبد الرحمن کو لکھا شراب ایک بستی سے دوسری بستی میں نہ منتقل کی جائے اور تمہیں جو شراب کشتیوں پر لدی ہوئی ملے اسے سرکہ میں تبدیل کر دو چنانچہ عبد الحمید نے یہ حکم اپنے واسط کے نمائندہ محمد بن المنتشر کو لکھا انہوں نے خود پہنچ کر کشتیوں کو معائنہ کیا اور ہر شراب کے ڈرم میں نمک اور پانی ڈال کر اسے سرکہ بنا دیا۔

(کتاب الاموال مترجم ص 238)

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے کہ اس کا جواب اوپر گزر چکا ہے کہ وہ پہلے زمانہ کی ہے۔

اعتراض نمبر ۲۴

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۲۴: عورت کو مسجد جانے سے نہیں روکا جا سکتا

حدیث نبوی ﷺ

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ اذا استأذنت امراة احدکم الی المسجد فلا یمنعها

ترجمہ: جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت طلب کرے تو اسے منع نہ کرو۔

(صحیح بخاری کتاب الاذان باب استذان المراۃ زوجھا فی الخروج الی المسجد رقم الحدیث 873ج اص120)(صحیح مسلم کتاب الصلاۃ باب خروج النساء الی المساجد رقم الحدیث 183)

فقہ حنفی

یکرہ لھن حضور الجماعات ولاباس للعجوزن تخرج فی الفجر و المغرب والعشاء

(ھدایۃ اولین ج1 کتاب الصلاۃ باب الامامۃ ص126)

یعنی عورتوں کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے مسجد جانا مکروہ ہے۔ مگر بوڑھی عورت فجر، مغرب اور عشاء پڑھنے کے لئے جائے تو کوئی حرج نہیں۔

(فقہ وحدیث ص63)

جواب:

راشدی صاحب نے ہدایہ کی پوری عبارت نقل نہیں کی ہے پہلے ہم یہاں پر ہدایہ کی مکمل عبارت نقل کرتے ہیں اس کے بعد اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں گے۔

ہدایہ کی مکمل عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

و یکرہ لھن حضور الجماعات یعنی الشواب منھن لما فیہ من خوف الفتنۃ ولا باس للعجوز ان تخرج فی الفجر والمغرب والعشاء و ھذا عند ابی حنیفۃ و قالا یخرجن فی الصلوات کلھا لانہ لا فتنۃ لقلۃ الرغبۃ فلا یکرہ کما فی العید ولہ ان فرط الشبق حامل تقع الفتنۃ غیر ان الفساق انتشارھم فی الظھر والعصر والجمعۃ اما فی الفجر والعشاء ھم نائمون وفی المغرب بالطعام مشغولون والجبانۃ متسعۃ فیمکنھا الا اعتزال عن الرجال فلا یکر

ترجمہ: اور مکروہ ہے عورتوں کے لئے جماعت میں حاضر ہونا، یعنی جوان عورتوں کو کیونکہ ان کی حاضری میں فتنہ کا خوف ہے اور کوئی مضائقہ نہیں کہ بوڑھی عورتیں فجر و مغرب اور عشاء میں نکلیں یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ بوڑھی عورتیں تمام تمام نمازوں میں نکل سکتی ہیں

کیونکہ ان میں کم رغبتی کی وجہ سے فتنہ نہیں ہے اس لئے مکروہ نہ ہوگا جیسے عید میں ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ شدت شہوت باعث جماع ہے اس لئے فتنہ واقع ہوگا صرف اتنی بات ہے کہ فاسق لوگ ظہر وعصر و جمعہ کے اوقات میں منتشر رہتے ہیں رہا فجر وعشاء کا وقت سو اس میں وہ سوتے رہتے ہیں اور مغرب کے وقت کھانے میں مشغول رہتے ہیں اور جنگل وسیع ہوتا ہے تو اس میں بوڑھی عورتوں کو مردوں سے علیحدہ ہونا ممکن ہے اس لئے ان کا عید میں جانا مکروہ نہیں۔

(غایۃ السعایہ شرح ہدایہ جلد 3 ص 305-304)

اس مسئلہ کے متعلق احادیث و آثار مختلف وارد ہوئے ہیں۔ راشدی صاحب نے اجازت والی روایت تو نقل کر دی اور دوسری تمام روایات چھوڑ دی ہیں۔ ہم وہ روایات یہاں پر نقل کرتے ہیں جن کی وجہ سے فقہاء نے جوان عورتوں کے لئے مسجد میں جانا مکروہ کہا ہے۔

حدیث نمبر ①:

عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال المراۃ عورۃ و انھا اذا خرجت استشرفھا الشیطان و انھا اقرب ما تکون الی اللہ و ھی فی قعر بیتھا رواہ الطبرانی فی الکبیر و رجالہ موثقون.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا عورت واجب الستر ہے جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو ملتا ہے، وہ اپنے رب کی رحمت کے اس وقت زیادہ قریب ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کی کوٹھری میں ہو۔

(مجمع الزوائد ج 2 ص 35، ترمذی ص 189)

اس مضمون کی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(دیکھئے الترغیب والترہیب ج 1 ص 135)

حدیث نمبر ②:

عن ابی موسی عن النبی ﷺ قال کل عین زانیة والمراة اذا استعطرت فمرت بالمجلس فھی کذا و کذا یعنی زانیة و ھذا حدیث حسن صحیح۔ (ترمذی ص 396)

حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہر آنکھ زنا کار ہے اور جب کوئی عورت خوشبو لگا کر کسی مجلس سے گزرے تو وہ ایسی ہے یعنی زنا کار ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حدیث نمبر ③:

عن الاشعری قال قال رسول اللہ ﷺ ایما امراۃ استعطرت فمرت علی قوم لیجدوا من ریحھا فھی زانیۃ۔

(نسائی ج2 ص343، مسند احمد ج2 ص246)

حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گزرے تا کہ انہیں اس کی خوشبو آئے وہ زانیہ ہے۔

حدیث نمبر ④:

عن عبداللہ بن مسعود قال انما النساء عورة و ان المراة لتخرج من بیتھا و ما بھا من باس فیستشرفھا الشیطان فیقول انك لا تمرین باحداه الا اعجبتیه و ان المراة لتلبس ثیابھا فیقال این تریدین فتقول اعود مریضا او اشھد جنازة او صلی فی مسجد و ما عبدت امراة ربھا مثل ان تعبد فی بیتھا ۔ (رواه الطبرانی فی الکبیر رجاله ثقات) (مجمع الزوائد ج2 ص35، مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص384)

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ عورتیں واجب الستر ہیں جو عورت اپنے گھر سے بلاحجاب نکلتی ہے شیطان اس کو تاکتا ہے اور یہ کہتا ہے تو جس شخص کے پاس سے بھی گزرے گی اس کے دل کو لبھائے گی اور عورت اپنے کپڑے پہن کر نکلتی ہے اس سے کہا جاتا ہے تم کہاں جارہی ہو؟ وہ کہتی ہے میں بیمار کی عیادت کرنے جارہی ہوں یا جنازہ پڑھنے جارہی ہوں یا مسجد میں نماز پڑھنے جارہی ہوں اور عورت کے گھر میں نماز پڑھنے کی مانند اس کی کوئی عبادت نہیں ہے اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

1- اوائل اسلام میں زخمیوں کی تیمارداری اور بیماروں کو پانی پلانے کے لئے عورتیں حجاب کے

ساتھ غزوات میں شریک ہوتی تھیں لیکن بعد میں رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو غزوات م
جانے سے منع کیا۔

2- اس حدیث میں یہ بھی ہے عورت کے گھر میں نماز پڑھنے کی مانند اس کی کوئی عبادت نہیں ہے۔

حدیث نمبر ⑤:

عن ام کبشة انها قالت یا رسول الله اتاذن انا اخرج فی جیش کذا و کذا قال لا قالت یا رسول الله انه لیس ارید ان اقاتل انما ارید اداوی الجرحی والمرضی اواسقی لمرضی قال لو لا ان تکون سنة و یقال فلانة خرجت لاذنت لك ولکن اجلسی رواه الطبرانی فی الکبیر والاوسط ورجالها رجال الصحیح۔ (مجمع الزوائد ج5 ص324 و323)

حضرت ام کبشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ مجھے فلاں فلاں لشکر میں جانے کی اجازت دیتے ہیں آپ نے فرمایا نہیں انہوں نے کہا یا رسول اللہ میرا لڑنے کا ارادہ نہیں ہے تو صرف زخمیوں اور بیماروں کو دوا دوں گی یا بیماروں کو پانی پلاؤں گی آپ نے فرمایا اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا تو آگے چل کر یہ چیز امر شرعی بن جائے گی اور اس سے یہ استدلال کیا جانے لگے کہ فلاں عورت جہاد میں گئی تھی تو میں تم کو اجازت دے دیتا لیکن (اپنے گھر میں) بیٹھو! اس حدیث کو امام طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح ہیں۔

حدیث نمبر ⑥:

عن ام سلمة عن رسول الله ﷺ قال خیر مساجد السناء قعر بیوتهن رواه احمد ابویعلی۔

(مجمع الزوائد ج2 ص33، مستدرک حاکم ج1 ص209)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں کی بہترین مسجد ان کے گھروں کا اندرونی حصہ ہے۔

حدیث نمبر ⑦:

عن ام حمید قالت قلت یا رسول الله ﷺ یمنعنا ازواجنا ان تصلی

معك ونحب الصلوة معك فقال رسول الله ﷺ صلوتكن فی بيوتكن افضل من صلاتكن فی حجر كن و صلا تكن فی حجر كن افضل من صلاتكن فی دور كن و صلا تكن فی دوركن افضل من صلاتكن فی الجماعة رواه الطبرانی فی الكبير۔

ام حمید بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے شوہر ہم کو آپ کے ساتھ نماز پڑھنے سے روکتے ہیں اور ہم آپ کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا گھروں میں نماز پڑھنا بیرونی کمروں میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور تمہارا بیرونی کمروں میں نماز پڑھنا حویلیوں میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور تمہارا حویلیوں میں نماز پڑھنا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

(مجمع الزوائد ج 2 ص 34 مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 384)

حدیث نمبر ⑧:

عن ام سلمة قالت قال رسول الله ﷺ صلاة المراة فی بيتها خير من صلاتها فی حجرتها و صلاتها فی بيتها خير من صلاتها فی دارها و صلاتها فی دارها خير من صلاتها خارج۔

(رواه الطبرانی فی الاوسط مجمع الزوائد ج 2 ص 34)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت کا اندر کمرے میں نماز پڑھنا برآمدے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور برآمدے میں نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ (مجمع الزوائد ج 2 ص 34)

حدیث نمبر ⑨:

عن عبدالله عن النبی ﷺ قال صلوة العمراة فی بيتها افضل من صلوتها فی حجرتها و صلاتها فی مخدعها افضل من صلوتها فی بيتها۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا حویلی میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور کوٹھڑی میں نماز پڑھنا گھر میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ (ابو داؤد ج 1 ص 84)

حدیث نمبر ⑩:

عن ابن عمر ؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تمنعوا نسائکم المساجد و بیوتھن خیر لھن۔

حضرت ابن عمر ؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی عورتوں کو مسجدوں سے مت روکو اور ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں۔

(فضل المعبود شرح ابی داؤد ج 1 ص 444، مستدرک حاکم ج 1 ص 209)

حدیث نمبر ⑪:

عن سلیمان ابن ابی حثمة عن امه قالت رایت النساء القواعد یصلین مع رسول اللہ ﷺ فی المسجد۔

سلیمان بن ابی حثمہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا بوڑھی عورتیں مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں۔

(مجمع الزوائد ج 2 ص 34)

حدیث نمبر ⑫:

عن عائشة قالت لو ادرك رسول اللہ ﷺ ما احدثت النساء لمنعھن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل فقلت لعمرة او منعن قالت نعم۔

حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا عورتوں نے جو (بناؤ سنگھار) اب ایجاد کیا ہے اگر اس کو رسول اللہ ﷺ دیکھ لیتے تو عورتوں کو مسجد میں جانے سے اس طرح روک دیتے جس طرح بنو اسرائیل کی عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیا گیا تھا۔ راوی نے عمرہ سے پوچھا کیا ان کو روک دیا گیا تھا؟ فرمایا ہاں۔

(بخاری ج 1 ص 120، موطا امام مالک مترجم ص 188، مصنف عبد الرزاق ج 3 ص 150)

حدیث نمبر ⑬:

عن عائشة قالت بینما رسول اللہ ﷺ جالس فی المسجد اذ دخلت امراة من مزینة ترفل فی زینة لھا فی المسجد فقال النبی صلی اللہ

علیہ وسلم یا ایھا الناس انھوا نسائکم عن لبس الزینۃ والتبختر فی المسجد فان بنی اسرائیل لم یلعنوا حتی لبس نساءھم الزینۃ و یتبخترن فی المساجد۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آنحضرت ﷺ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں ایک عورت آئی مزینہ کی اور بڑے ناز سے زینت کئے ہوئے مسجد میں داخل ہوئی آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے لوگو اپنی عورتوں کو منع کرو زینت کا لباس پہن کر اور ناز کے ساتھ مسجد میں آنے سے اس لئے کہ بنی اسرائیل پر لعنت نہیں ہوئی (یعنی اللہ کا غصہ ان پر نہیں اترا) یہاں تک کہ ان کی عورتوں نے بناؤ کیا اور مسجدوں میں ناز سے داخل ہونے لگیں۔

(ابن ماجہ مترجم علامہ وحید الزمان ج 3 ص 276)

حدیث نمبر ⑭:

عن مولی ابی رھم اسمہ عبید ان ابا ھریرۃ لقی امراۃ متطیبۃ ترید المسجد فقال یا امۃ الجبار این تریدین قالت المسجد قال و لہ تطیبت قالت نعم قال فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ایما امراۃ تطیبت ثم خرجت الے المسجد لم تقبل لھا صلوۃ حتی تغتسل۔

ابورہم کے مولے (غلام آزاد) سے جس کا نام عبید ہے روایت ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو مسجد میں جاتے دیکھا خوشبو لگائے ہوئے تھی۔ انہوں نے کہا اے خدا کی لونڈی تو کہاں جاتی ہے وہ بولی مسجد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا تو خوشبو لگائی ہے وہ بولی ہاں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے جس عورت نے عطر لگایا اور مسجد میں گئی اس کی نماز قبول نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ غسل کرے (یعنی خوشبو کو دھوڈالے اپنے بدن اور کپڑے سے)

تشریح: علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں

اب تک انصاری کا یہی حال ہے ان کی عورتیں گرجوں میں عمدہ عمدہ عطر لگا کر اور خوب بناؤ سنگھار کر کے عمدہ لباس کے ساتھ بڑے ناز و انداز سے آتی ہیں اور صدہا فساق و فجار ان کی قوم کے اور

نیز دوسری قوموں کے بھی عورتوں کو گھورنے کے لئے گرجا میں جاتے ہیں نہ نماز سے غرض ہے نہ دعا سے اور مسلمانوں میں چونکہ اکثر عورتیں پردے میں رہتی ہیں اس وجہ سے ایسے موقع مسجدوں میں تو کم ملتے ہیں مگر میلوں ٹھیلوں اور بزرگوں کے عرسوں میں اکثر مسلمانوں کی عورتیں بناؤ سنگار کر کے جاتی ہیں اور پردے ہی کے اندر سے اپنا جوبن دکھلاتی ہیں اور ان کے مرد جو دیوث سے کم نہیں ہیں ان عورتوں کو ایسے برے کام سے نہیں روکتے جب آنحضرت ﷺ نے عورتوں کو بناؤ سنگار کر کے مسجد میں آنے سے منع کیا جہاں خدا کی عبادت کی جاتی ہے تو بازار یا میلہ یا عرس میں عورتوں کو اس طرح سے جانا سخت منع ہوگا البتہ اگر عورتیں موٹا لباس پہن کر بغیر زیب و زینت کے نماز کے لئے مسجد میں آئیں یا ضرورت سے بازار میں جائیں تو درست ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کے عہد مبارک میں یہ شائع تھا اور بعضوں نے اس زمانہ میں مطلقاً عورتوں کو باہر نکلنا منع رکھا ہے بوجہ فتنہ کے اور بعضوں نے بوڑھی عورتوں کے لئے جائز رکھا ہے۔ واللہ اعلم۔ (ابن ماجہ مترجم علامہ وحید الزماں ج 3 ص 276)

حدیث نمبر ⑮:

عن ام حمید امراۃ ابی حمید الساعدی انها جائت النبی ﷺ فقالت یا رسول الله ﷺ انی احب الصلوۃ معك قال قد علمت انك تحبین الصلوۃ معی و صلاتك فی بیتك خیر من صلاتك فی حجرتك و صلاتك فی حجر تك خیر من خیر من صلاتك فی دارك و صلاتك فی دارك خیر من صلاتك فی مسجد قوم و صلاتك فی مسجد قومك خیر من صلاتك فی مسجد قالت فامرت فبنی لها مسجد فی اقصی بیت فی بیتها و اظلمه فكانت تصلی فیه حتی لقیت الله عزوجل. رواه احمد (مجمع الزوائد ج2 ص34و33)

ابوحمید الساعدی ؓ کی زوجہ ام حمید ؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے آپ کے ساتھ (مسجد میں) نماز پڑھنا اچھا لگتا ہے آپؐ نے فرمایا مجھے علم ہے کہ تمہیں میرے ساتھ نماز پڑھنا اچھا لگتا ہے (لیکن) تمہارا اپنے گھر کے (کسی اندرونی) کمرے میں نماز پڑھنا (بیرونی) کمرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور گھر (کے صحن) میں نماز پڑھنا میری مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر

ہے۔ (یہ سن کر) ام حمید رضی اللہ عنہ نے (اپنے گھر والوں کو) حکم دیا کہ میرے لئے گھر کے تاریک ترین کمرے میں میری نماز کی جگہ بنادو (پھر ان کے لئے نماز کی جگہ بنائی گئی) اور وہ وفات تک وہیں نماز پڑھتی رہیں۔

حدیث نمبر ⑯:

عن ابی عمرو الشیبانی انه رای عبدالله یخرج النساء من المسجد یوم الجمعة و یقول اخرجن الی بیوتکن خیر لکن۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر و رجالہ موثقون، مجمع الزوائد ج2 ص35)

ابو عمرو شیبانی کہتے ہیں کہ انہوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جمعہ کے دن عورتوں کو مسجد سے نکالتے تھے اور کہتے ہیں اپنے گھروں کو چلی جاؤ یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔

حدیث نمبر ⑰:

ولعمر عند احمد بن سالم قال کان عمر رجلا غیورا فکان اذا خرج الی الصلوۃ تبعته عاتکة بنت زید فکان یکرہ خروجها و یکرہ منعها و کان یحدث ان رسول الله ﷺ قال اذا استاذنکم نسائکم الی الصلوۃ فلا تم نعوهن۔

(مجمع الزوائد ج2 ص33)

سالم کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک غیرت مند آدمی تھے اور وہ جب نماز کے لئے نکلتے تو (ان کی اہلیہ) عاتکہ بنت زید بھی ان کے پیچھے چلی آتیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کا نکلنا ناپسند تھا لیکن وہ انہیں روکنے کو بھی مناسب نہیں سمجھتے تھے وہ بیان کیا کرتے تھے کہ رسول ﷺ نے فرمایا جب تمہاری عورتیں تم سے نماز کے لئے جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں مت روکو۔

حدیث نمبر ⑱:

عن ابی عمرو الشیبانی قال رایت ابن مسعود یحصب النساء یخرجهن من المسجد یوم الجمعة۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص384)

ابوعمرو الشیبانی کہتے ہیں میں نے ابن مسعود ؓ کو دیکھا کہ وہ کنکر مار مار کر جمعہ کے دن عورتوں کو مسجد سے نکالتے تھے۔

حدیث نمبر ⑲:

عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال لولا ما فی البیوت من النساء والذریۃ اقمت صلوۃ العشاء وامرت فتیانی یحرقون ما فی البیوت بالنار۔ (مشکوۃ مترجم ج1 ص228)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے وہ نقل کرتے ہیں نبی کریم ﷺ سے اگر گھر میں عورتیں نہ ہوتیں اور اولاد (بچے) حکم کرتا میں عشاء کی نماز کو قائم کرنے کا اور حکم کرتا اپنے خادموں کو کہ جلاتے اس چیز کو جو گھروں میں آگ کے ساتھ۔

حدیث نمبر ⑳:

عن ابی عمر عن النبی ﷺ قال اذا استاذنکم نسائکم باللیل الی المسجد فاذنوا لھن۔ (بخاری ج1 ص119)

حضرت ابن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب تمہاری عورتیں رات کو مسجد میں جانے کی اجازت مانگیں تو ان کو اجازت دے دو۔

اس حدیث میں رات کو اجازت دینے کا حکم دیا ہے اس سے علی الاطلاق عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دینے کا ثبوت لازم نہیں آتا۔

حدیث نمبر ㉑:

عن زید بن خالد قال قال رسول اللہ ﷺ لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ ولیخرجن وھو تفلات۔ (کشف الاستار ج1 ص222)

حضرت زید بن خالد ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مساجد میں جانے سے منع نہ کرو عورتوں کو چاہئے کہ وہ بغیر خوشبو لگائے جائیں۔

حدیث نمبر ㉒:

عن ابی ھریرۃ قال ان رسول اللہ ﷺ قالا لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ ولکن یخرجن وھن تفلات۔ (فضل المعبود ج1 ص443)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے مت روکو لیکن جب وہ گھروں سے نکلیں تو زیب وزینت کے بغیر آئیں۔

اس حدیث میں اجازت کے باوجود ایک سخت قسم کی قید بھی حضور اکرم ﷺ نے لگادی ہے جس پر آج کل عمل بہت کم ہوتا ہے۔ اکثر عورتیں زیب وزینت کے ساتھ ہی مسجدوں میں آتی ہیں۔

حدیث نمبر (۲۴):

عن عبدالله ابن عباس امن امراة سالته عن الصلوة فى المسجد يوم الجمعة فقال صلاتك فى مخدعك افضل من صلاتك فى بيتك و صلاتك فى بيتك افضل من صلاتك فى حجرتك و صلاتك فى حجرتك افضل من صلاتك فى مسجد قومك. (مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص384)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک عورت نے مسجد میں جمعہ پڑھنے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا تمہارا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

ان احادیث کے علاوہ قرآن پاک کا حکم بھی موجود ہے۔

و قرن فى بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى. (احزاب 33)

اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور پرانی جاہلیت کی بے پردگی کے ساتھ نہ رہو۔

مندرجہ بالا احادیث کے پیش نظر فقہاء کا کہنا ہے کہ مردوں کو مسجد میں با جماعت نماز ادا کرنے کا حکم تاکیدی تھا لیکن عورت کے لئے یہ حکم نہ استحباب کے لئے تھا نہ تاکید کے لئے۔ الغرض فقہاء نے فتنہ کی وجہ سے عورتوں کو مساجد میں آنے سے روکا ہے فتنے کا احساس جب خیر القرون میں ہی ہو گیا تھا تو اس دور میں فتنے کا انکار کون کرسکتا ہے اور کس آیت اور حدیث میں ہے کہ فتنہ کی حالت میں ہی عورتوں کو مسجد میں جانے کی تاکید ہے؟

اعتراض نمبر (۲۵)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ (۲۵): بھول معاف ہے

حدیث نبوی ﷺ

عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قال ان اللہ تجاوز عن امتی الخطا والنسیان وما استکرھوا علیہ

ترجمہ: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا بھول اور وہ کام جو اس سے زبردستی کروایا گیا ہو معاف کر دیئے ہیں۔

(سنن ابي ماجه كتاب الطلاق باب طلاق المكره والناسي رقم الحديث 20452043) (رواه البيهقي في كتاب الاقرار باب من لا يجوز اقراره رقم الحديث 11232 ج6 ص 84. بلفظ وضع عن متي عن عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہما وفي كتاب الايمان باب جامع الايمان. رقم الحديث 19798. عن عبد الله بن عباس رضی اللہ عنہما)

فقہ حنفی

ومن تکلم فی صلوۃ عامدا او ساھیا بطلت صلوتہ

(ھدایۃ اولین ج1 کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ ص 134)

جس نے دوران نماز جان بوجھ کر یا بھول کر بات چیت کر لی، اس کی نماز باطل ہو گئی۔

(فقہ و حدیث ص 64)

جواب:

کئی روایات سے ثابت ہے کہ ابتدا میں نماز کے دوران میں گفتگو کر لینے کی اجازت تھی اور صحابہ کرام نماز کی حالت میں سلام کا جواب دینے کے علاوہ آنے والے کو یہ بھی بتا دیتے تھے کہ کتنی رکعات ہو گئی ہیں۔ لیکن بعد میں یہ اجازت منسوخ ہو گئی اور نماز کی حالت میں ہر قسم کی گفتگو ممنوع قرار پائی۔

احناف کا استدلال مندرجہ ذیل روایات سے ہے۔

1- حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نماز کی حالت میں باتیں کیا کرتے تھے۔ آدمی نمازی حالت میں اپنے ساتھ کھڑے آدمی سے بات چیت کر لیتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ آیت اتری و قوموا اللہ قانتین ٥ (اور اللہ کے حضور خاموشی کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ) چنانچہ ہمیں سکوت کا حکم دیا گیا اور کلام کرنے سے منع کر دیا گیا۔ (صحیح مسلم ج1 ص 204)

2- حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نماز کے دوران میں یوں ہوا کہ ایک آدمی نے چھینک ماری تو میں نے اسے یرحمک اللہ کہہ دیا۔ اس پر صحابہ کرام نے مجھے گھورنا شروع کر دیا۔ میں نے کہا کہ کیا بات ہے؟ کیوں تم میری طرف گھور گھور کر دیکھ رہے ہو تو صحابہ کرام اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارنے لگے۔ نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سمجھایا اور کہا۔

بے شک نماز میں لوگوں کی باتوں میں سے کوئی بات کرنا درست نہیں ہے۔ یہ تو صرف تسبیح اور تکبیر اور قرآن کی قرات کا نام ہے۔ (صحیح مسلم ج 1 ص 203)

اس حدیث میں جان بوجھ کر کلام کرنے یا بھول چوک سے کلام کرنے میں کوئی فرق نہیں۔ یہ حکم دونوں صورتوں کو عام ہے۔

3- عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پہلے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی حالت میں سلام کرتے تو آپؐ اس کا جواب دیا کرتے تھے۔ جب ہم ہجرت حبشہ سے واپس آئے تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز کی حالت میں سلام کیا، لیکن آپؐ نے جواب نہ دیا۔ اس پر مجھے بہت تشویش لاحق ہوئی میں وہیں بیٹھ گیا، جب حضورؐ نے نماز مکمل کر لی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکامات میں سے جو چاہتا ہے بھیجتا رہتا ہے۔

اب اس نے یہ حکم اتارا ہے کہ نماز کے دوران میں کلام نہ کیا جائے۔ (سنن نسائی ج 1 ص 181)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دو دفعہ ہجرت حبشہ کی تھی۔ پہلی دفعہ ہجرت کرنے کے بعد پھر مکہ مکرمہ واپس چلے گئے تھے جب کہ دوسری ہجرت کرنے کے بعد وہاں سے 2 ہجری میں، غزوہ بدر سے کچھ پہلے مدینہ منورہ چلے آئے۔ (فتح الباری ج 2 ص 60، البدایہ والنہایہ ج 3 ص 69)

اس روایت سے دوسری واپسی کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے دوران میں گفتگو کی اجازت 2 ہجری میں غزوہ بدر سے پہلے منسوخ ہو چکی تھی۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ امت کو بھول چوک یا غلطی سے کئے گئے کاموں کا گناہ نہیں ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر کوئی عمل بھول کر یا غلطی سے احکام شرعیہ کے خلاف کر لیا جائے تو وہ ادا نہ ہو۔ چنانچہ اس روایت کے صحیح مفہوم کی رو سے یہ بات تو درست ہے کہ بھول کر نماز میں کلام کر لینے سے گناہ نہیں ہوگا۔ لیکن یہ استدلال درست نہیں ہے کہ اس صورت میں نماز بھی ادا ہو جائے گی۔

اعتراض نمبر ㉖

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ㉖: غلام کا قصاص بھی ہے اور دیت بھی

حدیث نبوی ﷺ

عن سمرة بن جندب قال قال رسول الله ﷺ من قتل عبده قتلناه ومن جدع عبده جدعناه

ترجمہ: سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اپنے غلام کو قتل کیا، ہم اس کو قتل کریں گے اور جس نے اپنے غلام کا کوئی عضو کاٹا، ہم اس کا عضو کاٹیں گے۔

(ترمذي ج1 ابواب الديات باب ما جاء في الرجل يقتل عبده صفحه 169. رقم الحديث 1414) (ابو داؤد ج2 كتاب الديات باب من قتل عبده او مثل به ايقاد منه ص 272. رقم الحديث 4515) (ابن ماجه ابواب الديات باب هل يقتل الحر بالعبد ص 191. رقم الحديث 2663) (سنن النسائي كتاب القسامة والقعود والديات باب القود من السيد للمولي رقم الحديث 47574742 ص 240)

فقہ حنفی

ولا يقتل الرجل بعبده

(هداية آخرين ج4 كتاب الجنايات باب ما يوجب القصاص ص 563)

کسی آدمی کو اس کے غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

(فقہ و حدیث ص 65)

جواب:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک خود آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کے طرز عمل کے عین مطابق ہے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ①:

عن ابن عباس قال جاءت جارية الى عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فقالت

ان سیدی اتهمنی فاقعدنی علی النار حتی احترق فرجی فقال لها عمر ؓ هل رای ذلك علیك قالت لا قال فهل اعترفت له بشی قالت لا فقال عمر ؓ علی به فلما رای عمر الرجل قال اتعذب بعذاب الله قال یا امیر المومنین اتهمتها فی نفسها قال رایت ذلك علیها قال الرجل لا، قال فاعترفت لك به فقال لا، قال والذی نفسبی بیده لو لم اسمع رسول ﷺ یقول لا یقاد مملوك من مالکه و لا ولد من والده لا قدتها منك فبرده و ضربه مائة سوط و قال للجارية اذهبی فانت حرة لوجه الله و انت مولاة الله و رسوله۔ قال ابو صالح و قال اللیث و هذا القول معمول به۔ (سنن الکبری ج 8 ص 36)

ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ ایک لونڈی سیدنا عمر بن الخطاب ؓ کے پاس آئی اور کہا کہ میرے مالک نے مجھ پر (بدکاری کا) الزام لگایا۔ اور مجھے آگ کے اوپر بیٹھا دیا جس سے میری شرمگاہ جل گئی۔ سیدنا عمر ؓ نے اس سے کہا، کیا اس نے تمہیں (بدکاری کرتے ہوئے) دیکھا۔ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے کہا، کیا تو نے اس کے سامنے کسی بات کا اقرار کیا؟ اس نے کہا نہیں، سیدنا عمر ؓ نے کہا اسے میری پاس لاؤ۔ جب حضرت عمر ؓ نے اس آدمی کو دیکھا تو کہا کیا تم (اپنی لونڈی کو) اللہ تعالیٰ کے عذاب میں عذاب دیتے ہو؟ اس نے کہا، اے امیر المومنین مجھے اس کے متعلق بدکاری کرنے کا گمان ہوا۔ حضرت عمر ؓ نے کہا کیا تم نے اسے ایسا کرتے ہوئے دیکھا؟ اس نے کہا نہیں آپ نے کہا، کیا اس نے تمہارے سامنے اعتراف کیا؟ اس نے کہا نہیں سیدنا عمر ؓ نے کہا، خدا کی قسم اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہوتا کہ غلام کے بدلے میں آقا سے اور بیٹے کے بدلے میں باپ سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ تو میں اس کو تجھ سے بدلہ دلواتا۔ پھر سیدنا عمر ؓ نے اس آدمی کے کپڑے اتروا کر اسے سو کوڑے لگوائے اور لونڈی سے کہا جاؤ، تم اللہ کے لئے آزاد ہو اور تم اللہ اور اس کے رسول کی لونڈی ہو۔ ابو صالح نے کہا کہ لیث کہتے ہیں کہ اسی بات پر عمل چلا آ رہا ہے۔

حدیث نمبر ②:

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان رجلا قتل عبده متعمدا فلجده النبی ﷺ مائة جلدة و نفاه سنة و محاسهمه من المسلمین و لم یقده به و امره ان یعتق رقبة۔

(سنن الکبری ج 8 ص 36، سنن دار قطنی ج 3 ص 143، مصنف ابن ابی شیبہ ج 9 ص 304)

حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنے غلام کو عمداً قتل کر دیا تو حضور اکرم ﷺ نے اس کو سو کوڑے لگائے اس کو ایک سال کے لئے جلا وطن کر دیا اور غنیمت میں سے اس کا حصہ ختم کر دیا۔ آپ نے اسے قصاص میں قتل نہیں کیا بلکہ اسے حکم دیا کہ ایک غلام کو آزاد کرے۔

حدیث نمبر ③:

عن علی ابن ابی طالب ؓ قال اتی رسول الله ﷺ برجل قتل عبده متمعدا فجلده رسول الله ﷺ مائة جلدة و نفاه سنة و محاسهمه من المسلمین و لم یقدبه۔

(سنن الکبری ج 8 ص 36، سنن دار قطنی ج 3 ص 144، مصنف ابن ابی شیبہ ج 9 ص 304)

حضرت علی ؓ کہتے ہیں کہ ایک آدمی کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا جس نے اپنے غلام کو عمداً قتل کر دیا تھا۔ آپ نے اس کو سو کوڑے لگوائے۔ ایک سال کے لئے اسے جلاوطن کر دیا اور مال غنیمت میں سے اس کا حصہ ختم کر دیا (لیکن) اسے بدلے میں قتل نہیں کیا۔

حدیث نمبر ④:

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن عبدالله بن عمرو قال کان ابو بکر و عمر لا یقتلان الرجل بعبده کانا یضربانه مة و یسجنانه سنة و یحرمانه سهمه مع المسلمین سنة اذا قتله عمدا قال واخبرنی ابی عن عبدالکریم ابی امیة مثله قال و یومر بعتق رقبة

(مصنف عبدالرزاق ج 9 ص 491)

عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ کسی آدمی کو اپنے غلام کو قتل کرنے کے جرم میں قتل نہیں کرتے تھے بلکہ اسے سو کوڑے لگاتے۔ اسے ایک سال کے لئے قید کر دیتے اور ایک سال کے لئے مال غنیمت میں سے اس کا حصہ ختم کر دیتے تھے۔ جب کہ اس نے عمداً قتل کا ارتکاب کیا ہوتا۔ اور اسے ایک غلام آزاد کرنے کا حکم دیتے۔

اسی مفہوم کی روایت (سنن بیہقی ج 8 ص 37) اور (مصنف ابن ابی شیبہ ج 9 ص 305) میں مذکور ہے۔

حدیث نمبر ⑤:

عن قتادة عن الحسن قال لا يقادُ الحر بالعبد.

قتادہ حضرت حسن بصری سے روایت کرتے ہیں کہ آزاد قتل نہ کیا جائے غلام کے بدلے میں۔

(ابوداؤد مترجم علامہ وحید الزماں ج 3 ص 417)

آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے اس طرز عمل کی روشنی میں راشدی صاحب کی نقل کردہ روایت کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ بات محض آقاؤں کو ڈرانے اور دھمکانے کے لئے فرمائی تھی، تاکہ وہ اپنے غلاموں کو قتل کرنے کے معاملے میں بے لگام نہ ہو جائیں۔ اس کا مقصد اس جرم کی سزا بیان کرنا نہیں تھا۔ جیسا کہ چوتھی بار شراب پینے والے کے لیے حدیث جابر ؓ میں آتا ہے فاقتلوہ اس کو قتل کر دو۔ مگر جب آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک آدمی پکڑ کر لایا گیا جس نے چوتھی مرتبہ شراب پی تھی آپؐ نے اس کا دماء اور قتل نہیں کیا۔ مشکوۃ ص 315 آپؐ کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے صرف ڈرانے اور دھمکانے کے لئے یہ بات فرمائی تھی۔ ورنہ خود حضور اکرم ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین یہ سزا دینے سے گریز نہ کرتے۔

علاوہ ازیں اس روایت کی سند بھی کمزور ہے کیونکہ یہ روایت حسن بصری نے حضرت سمرہ ؓ سے نقل کی ہے اور محدثین کی ایک بڑی جماعت نے ان کی حضرت سمرہ ؓ سے نقل کردہ روایات کو ناقابل اعتماد قرار دیا ہے۔ امام بیہقی اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

قال قتادہ ثم ان الحسن نسی ھذا الحدیث قال لا یقتل حر بعبد (قال الشیخ) یشبه ان یکون الحسن لم ینس الحدیث لکن رغب عنه لضعفه و اکثر اھل العلم بالحدیث رغبوا عن روایة الحسن عن سمرة و ذھب بعضھم الی انه لم یسمع منه غیر حدیث الحقیقة۔

قتادہ کہتے ہیں کہ حسن بصری یہ روایت بیان کرنے کے بعد بھول گئے اور کہنے لگے کہ آزاد آدمی کو غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ شیخ کہتے ہیں کہ غالباً حسن بصری روایت کو بھولے نہیں تھے بلکہ انہوں نے اس حدیث کے ضعف کی وجہ سے اس کو قبول نہیں کیا۔ اور اکثر ائمہ حدیث نے ان حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کردہ روایتوں سے اعراض کیا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے سمرہ رضی اللہ عنہ سے سوائے ایک حدیث عقیقہ کے اور کوئی روایت نہیں سنی۔

امام بیہقی آگے تحریر فرماتے ہیں۔

عن شعبة قال لم یسمع الحسن من سمرة قال و سمعت یحیی بن معین یقول لم یسمع الحسن من سمرة شیئا ھو کتاب قال یحیی فی حدیث الحسن سمرة من قتل عبده۔

شعبہ کہتے ہیں کہ حسن نے سمرہ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں کیا۔ اور میں نے یحییٰ بن معین کو کہتے سنا کہ حسن نے سمرہ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں کیا، بلکہ وہ ایک کتاب سے نقل کرتے ہیں۔ اور اس حدیث (یعنی مالک کو غلام کے بدلے میں قتل کرنے کی حدیث) کے بارے میں یحییٰ نے فرمایا کہ حسن نے سمرہ رضی اللہ عنہ سے یہ نہیں سنی۔ (سنن الکبری بیہقی ج 8 ص 35)

عن قتادہ الا ان اکثر الفاظ لا یثبتون سماع الحسن البصری من سمرة فی غیر حدیث العقبة۔

قتادہ کہتے ہیں کہ اکثر حافظ حدیث عقیقہ کی حدیث کے علاوہ سمرہ رضی اللہ عنہ سے حسن بصری کے سماع کو ثابت نہیں مانتے۔ (سنن الکبری ج 5 ص 288)

راشدی صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے وہ عقیقہ کے علاوہ ہے۔

اعتراض نمبر ㉗

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ㉗: کتے کی خرید وفروخت کا حکم

حدیث نبوی ﷺ

عن ابن مسعود الانصاری ان رسول اللہ ﷺ نہی عن ثمن الکلب و مہر البغی و حلوان الکاہن

ترجمہ: سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت اور زنا کی اجرت اور نجومی کا منہ میٹھا کرانے سے منع فرمایا۔

(بخاري ج1 كتاب البيوع باب ثمن الكلب ص 298 . رقم الحديث 2237)(مسلم ج2 كتاب المساقاة والمزارعة باب تحريم ثمن الكلب وحلوان الكاهن و مهر البغي والنهي عن بيع السنور رقم الحديث 4009 ص 19)

فقہ حنفی

یجوز بیع الکلب والفہد والسباع

(ہدایۃ آخرین ج3 کتاب البیوع مسائل منشورۃ ص 101)

یعنی کتے، چیتے اور دوسرے درندوں کی تجارت جائز ہے۔

(فقہ و حدیث ص 66)

جواب:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ احادیث میں مذکور نہی اس زمانے سے متعلق ہے جب کتوں کے بارے میں شریعت کے احکام بہت سخت تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل عرب میں کتوں کے ساتھ غیر معمولی انس اور محبت پائی جاتی تھی اور ان کے گھروں میں کتوں کو شوقیہ پالنے کا بکثرت رواج تھا۔ یہ انس ومحبت اور تعلق ان کے دل سے نکالنے کے لئے ابتداء میں بہت سخت احکام دیئے گئے جو کہ بعد میں بتدریج نرم ہوتے گئے اور آخر میں یہ حکم ٹھہر گیا کہ کسی ضرورت کی غرض سے تو کتے کو پال لینے کی

اجازت ہے لیکن شوقیہ طور پر کتا رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

1- عبداللہ بن ابن المغفل قال امر رسول اللہ ﷺ بقتل الکلاب ثم قال ما بالھم و بال الکلاب ثم رخص فی کلب الصید و کلب الغنم۔ (مسلم شریف ج2 ص25)

حضرت ابن مغفل ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (ابتدا میں) کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا پھر فرمایا کتے لوگوں کو کیا تکلیف دیتے ہیں پھر آپ نے شکاری کتے اور بکریوں (کی حفاظت) کے (لئے) کتوں کو پالنے کی اجازت دے دی۔ (کتوں کو قتل کرنے کی روایات بہت زیادہ ہیں دیکھئے مسلم کتاب المساقات والمزراعہ)

اس حدیث میں تین باتوں کا ذکر ہے۔

1- پہلے کتے کو (دیکھتے ہی) قتل کرنے کا حکم تھا۔

2- پھر قتل کرنے کا حکم تو منسوخ ہو گیا مگر کتوں کو پالنا پھر بھی ممنوع ہی رہا۔

3- پھر شکاری کتے اور بکریوں کی حفاظت کے لئے پالنے کی اجازت بھی دے دی گئی چنانچہ شکار اور کھیتی اور ریوڑ کی حفاظت کے لئے کتے کو پالنے کی اجازت کی صریح روایات حضرت عبداللہ بن ؓ بن عمر، حضرت ابو ہریرہ ؓ اور سفیان بن زبیر ؓ سے مروی ہیں۔

(دیکھئے صحیح مسلم کتاب المساقات والمزراعہ۔ باب الامر بقتل الکلاب و بیان نسخہ و بیان تحریم اقتنائھا الا الصید او زرع او ماشیہ و نحو ذلک)

2- عن ابی ھریرہ عن رسول اللہ ﷺ قال من اقتنی کلبا لیس بکلب صید ولا ماشیۃ ولا ارض فانہ ینقص من اجرہ قیر اطان کل یوم۔ (مسلم شریف مترجم ج4 ص306 حدیث نمبر 8193)

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے شکار مویشی اور زمین کے علاوہ کتا پالا۔ (یا رکھا) اس کے اجر میں سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے۔

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ ان تین وجہوں سے کتا پالنے کی اجازت ہے۔ یہ اجازت بعد کے زمانے ہی کی ہے۔ جس وقت کتوں کو قتل کرنے کا حکم منسوخ ہو چکا تھا۔

3- قرآن پاک میں بھی کتے کے شکار کا ذکر ملتا ہے۔

آیت:

فَكُلُوا مِمَّآ أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ

تو کھاؤ اس شکار میں سے جو وہ (شکاری کتے وغیرہ) مار کر تمہارے لئے رہنے دیں اور اس پر اللہ کا نام لو۔ (پارہ نمبر 6 سورۃ المائدہ آیت نمبر 4)

4- آنحضرت ﷺ نے عدی بن حاتم ؓ سے فرمایا کہ **اذا ارسلت الكلب المعلم و ذكرت اسم الله عليه فاخذ فكل** جب تو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سیدھایا ہوا کتا شکار پر چھوڑ دے اور کتا اسے پکڑ لے تو ایسے شکار کا کھانا تیرے لئے جائز ہے۔

(نسائی ج2 ص192)

ان روایات کہ پیش نظر امام ابوحنیفہ ؒ فرماتے ہیں کہ جب کسی جائز ضروریات کے لئے کتے کو پالنا اور اس سے فائدہ اٹھانا درست ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس کی خرید وفروخت کرنا بھی درست ہے۔ اسی وجہ سے جن بعض روایات میں کتوں کی خرید وفروخت سے ممانعت آئی ہے۔ خود انہی روایات میں یہ استثناء بھی ثابت ہے چنانچہ دیکھئے مندرجہ ذیل روایات۔

1- **عن جابر ان النبی ﷺ نهی عن ثمن السنور والكلب الا كلب صيد.**

(نسائی کتاب الصید ج2 ص195، سنن دار قطنی ج3 ص73، سنن الکبریٰ بیہقی ج6 ص6، مسند احمد ج3 ص317)

حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے بلی اور کتے کی بیع سے منع فرمایا۔ مگر شکاری کتے کی بیع ہے۔

2- **عن ابی هريرة قال نهى عن ثمن الكلب الا كلب الصيد.**

(ترمذی ج1 ص154، سنن دار قطنی، ج3 ص73، سنن الکبریٰ بیہقی ج2 ص6)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہا انہوں نے منع کیا (حضور اکرم ﷺ نے) کتے کی قیمت سے۔ مگر شکاری کتے کی قیمت کو یعنی اس کو منع نہیں کیا۔

3- ابن عباس ؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ **فی ثمن كلب الصيد** حضور ﷺ نے شکاری کتے کی قیمت لینے کی اجازت دی۔ (مسند امام اعظم ص169، نصب الرایہ ج4 ص54)

اس کے علاوہ طحاوی اور سنن الکبری بیہقی میں عبداللہ بن عمرو اور سنن بیہقی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے کسی کے شکاری کتے کو قتل کر دیا تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے (قضی فی کلب صید قتلہ رجل باربعین درھما) فیصلہ فرمایا کہ کتے کا قاتل اس کے مالک کو چالیس درہم اور بیس اونٹوں کا تاوان ادا کرے۔

(بیہقی ص 8 ج 6، طحاوی ج 2 ص 228)

اگر شکاری کتے کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوتی تو مندرجہ بالا فیصلہ ہرگز نہ فرمایا جاتا۔ ان روایات میں شکاری کتے کی بیع کی اجازت مذکور ہے جب کہ کھیتی اور ریوڑ کے محافظ کتے کی خرید و فروخت کی اجازت اس پر قیاس کرنے سے ثابت ہوگی۔ اور جو روایت راشدی صاحب نے نقل کی ہے۔ وہ پہلے زمانہ کی ہے۔ جب کتوں کو قتل کرنے کا حکم تھا جب شکار اور کھیتی اور ریوڑ کی حفاظت کے لئے کتا رکھنے کی اجازت ہوگئی تو شکاری کتے کی بیع کی اجازت بھی بعد میں ہوگئی تھی۔

اعتراض نمبر ۲۸

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۲۸: مسجد میں نماز جنازہ کا حکم

حدیث نبوی ﷺ

عن ابی سلمة بن عبدالرحمان ان عائشة لما توفی سعد بن ابی الوقاص قالت ادخلوابه المسجد حتی اصلی علیه فانکر ذلك علیها فقالت والله لقد صلی رسول الله ﷺ علی ابنی بیضاء فی المسجد سهلو اخیه

(مسلم ج 1 کتاب الجنائز فصل في جواز الصلاة علي الميث في السمجد ص 313، رقم الحديث 2254)

ترجمہ: سیدنا ابوسلمہ بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ جب سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اس (کی میت) کو مسجد میں لے آؤ، تاکہ میں بھی اس کی نماز جنازہ پڑھ سکوں۔ تو ان کی اس بات کو عجیب جانا گیا

، تب انہوں نے کہا اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ نے بیضاء کے دونوں بیٹوں سہل اور اس کے بھائی کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھائی تھی۔

فقہ حنفی

ولا یصلی علی میت فی مسجد جماعة

(هداية اولين ج1 كتاب الصلاة باب الجنائز فصل في الصلاة علي الميت ص180)

یعنی میت پر مسجد میں یعنی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

(فقہ و حدیث ص 67)

جواب:

ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں شروع دور میں یہ دستور تھا کہ جب کسی صحابی کی وفات ہو جاتی تھی تو آنحضرت ﷺ اس کے گھر تشریف لے جا کر بموقع دفن نماز جنازہ پڑھا دیتے تھے۔ لیکن جب صحابہ کرام نے اس میں آپ کی مشقت اور تکلیف کا احساس کیا تو انہوں نے میت آپ کے در دولت پر لانی شروع کر دی۔ اور آپ کے گھر کے قریب ایک جگہ تجویز کر لی جہاں میت کو رکھ کر آپ کو اطلاع کی جاتی۔ آپ تشریف لا کر اس متعین جگہ پر نماز جنازہ پڑھاتے تھے۔ یہ متعین جگہ (جنازہ گاہ) مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام کی مشرقی دیوار کی طرف مسجد نبوی سے باہر تھی اسی جگہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام مستقل نماز جائز پڑھائے تھے اس جگہ کا نام موضع جنائز اور مصلی جنائز تھا۔ اسی جگہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے شاہ حبشہ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ اور اسی جگہ کے قریب دو زناکار یہودی مرد و عورت کو سنگسار کیا گیا تھا۔

اسی موضوع جنائز میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد صحابہ کرام بھی اسی جگہ جنازے پڑھاتے تھے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام اور صحابہ کرام کے عمل کے علاوہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان بھی موجود ہے۔ کہ جو شخص مسجد میں نماز جنازہ پڑھتا ہے اسے کوئی اجر نہیں ملتا۔ حنفی مسلک کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

1- عن ابن شهاب قال كان رسول الله ﷺ اذا هلك الهالك شهده يصلی عليه حيث يدفن فلما ثقل رسول الله ﷺ و بدن نقل اليه المومنون موتا هم فصلی عليهم رسول الله صلی الله

علیه وسلم علی الجنائز عند بیته فی موضع الجنائز الیوم ولم یزل ذالك جاریا۔ (وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ج2 ص532)

حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کسی کی وفات ہوجاتی تھی تو رسول اللہ ﷺ بموقع دفن نماز پڑھانے کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کا وجود بھاری ہوگیا (اور آپ کے لئے جانا دشوار ہوگیا) تو صحابہ کرام نے میت کو آپ کے مکان کے قریب ہی لے جانا شروع کردیا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے مکان کے قریب موضع جنائز میں نماز جنازہ پڑھاتے۔ یہی دستور آج تک چلا آرہا ہے۔

2- عن ابن شهاب قال حدثنی سعید ابن المسیب ان ابا هریرة قال ان النبی ﷺ صف بهم بالمصلی فکبر علیه اربعا۔

(بخاری ج1 ص177)

حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت سعید ابن المسیب نے حدیث بیان کی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے مصلی جنائز میں لوگوں کی صف بندی کی اور نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔

3- عن عبداللہ بن عمر ان الیهود جاوا الی النبی ﷺ برجل منهم و امراة زنیا فامر بهما فرجما قریبا من موضع الجنائز عند المسجد۔ (بخاری ج1 ص177)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہودی نبی ﷺ کے پاس اپنے ایک ایسے مرد و عورت کو لائے جنہوں نے زنا کیا تھا۔ آپ ؐ نے ان کے بارے میں سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہیں موضع جنائز کے قریب مسجد نبوی سے متصل سنگسار کیا گیا۔

4- قال محمد لا یصلی علی جنازة فی المسجد و کذالك بلغنا عن ابی هریرة و موضع الجنازة بالمدینة خارج من السمجد و هو الموضع الذی کان النبی ﷺ یصلی علی الجنازة فیه۔

(موطا امام محمد ص165)

حضرت امام محمد ؒ فرماتے ہیں کہ مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ ایسے ہی پہنچا ہے ہمیں حضرت ابو ہریرہ ؓ سے۔ مدینہ طیبہ میں موضع جنائز مسجد نبی ﷺ سے باہر ہے اور یہ وہی جگہ ہے جہاں نبی ﷺ نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے۔

5- عن وائل بن داود قال سمعت قال لما مات ابراھیم بن النبی ﷺ فی المقاعد۔ (ابو داؤد ج2 ص98)

حضرت وائل بن داؤد فرماتے ہیں کہ میں نے سنا انہوں نے فرمایا کہ جب نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے صاحبزادے ابراہیم کی وفات ہوئی تو آپ نے ان کی نماز جنازہ مقاعد (مصلی جنائز) میں پڑھی۔

6- انبا ابن جریج قال قلت لنافع اکان ابن عمر یکرہ ان یصلی وسط القبور قال لقد صلینا علی عائشة وام سلمة ؓ وسط ابقیع والامام یوم صلینا علی عائشة ؓا ابو ھریرة ؓ وحضر ذالك عبدالله بن عمر۔

(سنن کبری بیہقی ج2 ص435، مصنف عبدالرزاق ج3 ص525)

حضرت ابن جریج ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نافع ؒ سے عرض کیا کہ کیا حضرت عبداللہ بن عمر ؓ قبروں کے درمیان نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے؟ تو آپ نے فرمایا ہم نے حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ ؓما کی نماز جنازہ بقیع کے درمیان میں پڑھی تھی۔ جب ہم نے حضرت عائشہ ؓا کی نماز پڑھی تو امام حضرت ابو ہریرہ ؓ تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بھی موجود تھے۔

ان چھ روایات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جنازہ کے لئے ایک جگہ مقرر تھی۔ (یعنی جنازہ گاہ) اس میں جنازہ پڑھا جاتا تھا۔

7- عن ابی ھریرة قال قال رسول الله ﷺ من صلی علی جنازة فی المسجد فلا شی له۔

(ابو داؤد ج2 ص98، ابن ماجہ ص110، مصنف عبدالرزاق ج3 ص527)

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے

مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کے لئے کوئی اجر نہیں ہے۔

8- عن صالح مولی التوامة عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ من صلی علی جنازة فی المسجد فلاشی له قال صالح وادركت رجالا ممن ادركو النبی ﷺ وابابكر اذا جاوا فلم يجدوا الا ان يصلوا فی المسجد رجعوا فلم يصلوا۔

(منحۃ المعبود فی ترتیب مسند الطیالسی ابی داؤد ج 1 ص 165)

حضرت صالح مولی توامہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کے لئے کوئی اجر نہیں ہے۔ حضرت صالح فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے ایسے لوگوں کو جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پایا ہے۔ دیکھا کہ وہ جب نماز جنازہ کے لئے آتے اور انہیں نماز جنازہ کے لئے مسجد کے سوا کوئی جگہ نہ ملتی تو وہ واپس ہو جاتے اور مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھتے۔

9- عن صالح مولی التوامة عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ من صلی علی جنازة فی المسجد فلاشی له قال وكان اصحاب رسول الله ﷺ اذا تضايق بهم المكان رجعوا ولم يصلوا۔

(مصنف ابن شیبہ ج 3 ص 364)

حضرت صالح مولی توامہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے مسجد میں نماز پڑھی اس کے لئے کوئی اجر نہیں۔ حضرت صالح فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام جب نماز جنازہ کے لئے جگہ تنگ ہو جاتی تو واپس چلے جاتے تھے۔ مسجد میں نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔

10- عن صالح مولی التوامة عمن ادرك ابابكر و عمر انهم كانوا اذا تضايق بهم المصلی انصرفوا و لم يصلوا علی الجنازة فی المسجد۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 3 ص 365)

حضرت صالح مولی توامہ ان صحابہ وتابعین سے روایت کرتے ہیں جنہوں نے

حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو پایا ہے کہ جب نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ تنگ ہوجاتی تو وہ واپس چلے جاتے تھے۔ مسجد میں نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔

11- عن کثیر بن عباس قال لا عرفن ما صلیت ما جنازۃ فی المسجد۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 3 ص 365، مصنف عبد الرزاق ج 3 ص 527)

حضرت کثیر بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ (عہد نبوی میں) کسی بھی جنازہ کی نماز مسجد نبوی میں نہیں پڑھی گئی۔

12- عن ابن ابی ذئب عن المقبری انہ رای حرس مروان بن الحکم یخرجون الناس من المسجد یمنعونھم ان یصلوا فیہ علی الجنائز۔

(وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی ج 2 ص 531)

حضرت ابن ابی ذئب سعید بن ابی سعید مقبری (متوفی 125) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے مروان بن حکم کے سپاہیوں کو لوگوں کو مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے سے روکتے اور نکالتے ہوئے دیکھا ہے۔

13- عن کثیر بن زید قال نظرت الی حرس عمر بن عبد العزیز یطردون الناس من المسجد ان یصلی علی الجنائز فیہ۔

(وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی ج 2 ص 531)

حضرت کثیر بن زید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی کے سپاہیوں کو نماز جنازہ مسجد میں پڑھنے سے روکتے ہوئے دیکھا ہے۔

14- قال و قال مالک و اکرہ ان توضع الجنازۃ فی المسجد فان وضعت قرب المسجد للصلوۃ علیھا فلا باس ان یصلی من فی المسجد علیھا بصلوۃ الامام الذی یصلی علیھا اذا ضاق خارج المسجد باھلہ۔

(المدونۃ الکبری ج 1 ص 177)

حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ میں جنازہ کے مسجد میں رکھے جانے کو مکروہ

سمجھتا ہوں ہاں اگر نماز جنازہ کے لئے مسجد کے قریب جنازہ رکھا جائے تو پھر اس شخص کے لئے نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جو مسجد میں ہو اور جنازہ پڑھانے والے امام کی اتباع سے جنازہ پڑھے یہ بھی اس وقت ہے جب کہ مسجد کے باہر کی جگہ جنازہ پڑھنے والوں کی وجہ سے تنگ ہو جائے۔

5- علامہ ابن قیم کی تحقیق:

حافظ ابن قیم مسجد میں نماز جنازہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> و الصواب ما ذكرناه اولا و ان سنة و هديه الصلوة على الجنازة خارج المسجد الا لعذر و لا الامرين جائز والا فضل الصلوة عليها خارج المسجد۔ (زاد المعاد فی ھدی خیر العباد ج 1 ص 140)

درست بات وہی ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے۔ اور نبی ﷺ کی سنت اور آپ کا طریقہ نماز جنازہ مسجد سے باہر ہی پڑھنا ہے الا یہ کہ کوئی عذر پیش آ جائے اور دونوں امر جائز ہیں لیکن افضل یہی ہے کہ نماز جنازہ مسجد سے باہر پڑھی جائے۔

مذکورہ دلائل سے حنفی مسلک اچھی طرح ثابت ہو جاتا ہے۔ مولانا راشدی صاحب کا یہ کہنا کہ یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے غلط ہے۔ رہی وہ روایت جو انہوں نے نقل کی ہے اس کا جواب یہ ہے۔

کہ ابن بیضاء کی نماز جنازہ تو معمول کے مطابق موضع جنائز میں ہی خارج المسجد ہی ہوئی تھی البتہ اس موقع پر جمع ہونے والے لوگ زیادہ ہونے کی وجہ سے مسجد میں آ گئے تھے۔ اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ سمجھیں کہ نماز جنازہ مسجد میں ہوئی تھی شاید یہی وجہ ہے کہ کسی بھی صحابی سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کی تصدیق منقول نہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اشتباہ ہوا ہے ورنہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک واقعہ جو صحابہ کرام کے درمیان پیش آیا ہو وہ صحابہ کرام میں سے کسی ایک کو بھی یاد نہ رہے سارے کے سارے ہی بھول جائیں۔ صرف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کو یاد رہے۔ دوسرے حضرت کثیر بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ ”مجھے خوب معلوم ہے کہ دور رسالت میں مسجد نبوی میں کسی کی بھی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی“ وہ بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اشتباہ ہی ہوا ہے۔

خوذ حدیث اوراہل حدیث، تفصیل کے لئے دیکھئے نماز جنازہ خارج از مسجد عہد رسالت میں۔

اعتراض نمبر (۲۹)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

سئلہ (۲۹): کافر کا قصاص مسلمان سے نہیں لیا جائے گا

حدیث نبوی ﷺ

عن علی عن النبی ﷺ قال الا لا یقتل مسلم بکافر

ترجمہ: سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ کافر کے عوض مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

(ابوداوٗد ج2 کتاب الدیات باب ایقاد المسلم من الکافر ص275. رقم الحدیث 4530) (نسائي ج2 کتاب لقسامة والقود والدیات سقوط القود من المسلم للکافر ص241. رقم الحدیث 4739) (واللفظ لابي داوٗد)

فقہ حنفی

والمسلم بالذمی ..... الخ

(ھدایة آخرین 4 کتاب الدیات ص 562)

مسلمان اور ذمی کافر کی دیت برابر ہے۔ (فقہ وحدیث ص 68)

جواب:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان حربی کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا اور ذمی کافر کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ اور حدیث میں جو آیا ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا۔ اس سے مراد حربی کافر ہے نہ کہ ذمی۔ امام اعظم کے اس نظریہ کی تائید اسی حدیث میں موجود ہے۔

راشدی صاحب نے مکمل حدیث نقل نہیں کی۔ اس حدیث میں بکافر کے بعد ولا ذوعھد فی عھدہ کے الفاظ بھی تھے۔ راشدی صاحب نے نقل نہیں کئے۔ کیونکہ ان الفاظ سے امام اعظم کے نظریہ کی کھلی تائید ہوتی ہے۔ اب روایت کا صحیح مفہوم اس طرح بنتا ہے۔

اور خبردار کافر (حربی) کے بدلے میں مسلمان نہ مارا جائے اور نہ عہد والے (یعنی ذمی) کو مارا جائے جب تک کہ وہ عہد وضمان میں ہے۔

اس روایت میں ذمی کا ذکر الگ سے کیا گیا ہے کہ اگر کسی ذمی نے کسی حربی کافر کو مار دیا تو اسے بھی مسلمان کی طرح بدلے میں نہیں مارا جائے گا۔ اس سے امام اعظم کے نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ اس حدیث میں کافر سے مراد حربی ہے نہ کہ ذمی کیونکہ ذمی کا حکم مسلمان کی طرح آپ نے فرمایا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے علاوہ اور روایات میں بھی یہ الفاظ آئے ہیں مثلاً۔

1- حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے۔

لا یقتل مومن بکافر ولا ذو عھد فی عھدہ

نہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور نہ کسی ذمی کو جو عہد ذمہ میں ہو۔

(سنن الکبری ج8 ص39)

2- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

لا یقتل مسلم بکافر ولا ذو عھد فی عھدہ۔ (سنن الکبری ج8 ص30)

نہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور نہ کسی ذمی کو جو عہد وذمہ میں ہو۔

3- حضرت معقل بن یسار سے روایت ہے۔

لا یقتل مومن بکافر ولا ذو عھد فی عھدہ والمسلمون

(سنن الکبری ج8 ص30)

نہ کسی مومن کو کافر کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور نہ کسی ذمی کو جو عہد ذمہ میں ہو۔

4- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

لا یقتل مومن بکافر ولا ذو عھد فی عھدہ

(سنن الکبری ج8 ص30)

نہ کسی مومن کو کافر کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور نہ کسی ذمی کو جو عہد ذمہ میں ہو۔

(ابن ماجہ مترجم ج2 ص136)

ان چار روایات سے بھی امام اعظم کے نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ حدیث میں کافر سے مراد حربی کافر ہے اگر اس حدیث میں کافر حربی مراد لیا جائے تو امام صاحب کا مذہب حدیث کے مطابق خود

ی ثابت ہو جاتا ہے۔ راشدی صاحب نے ہدایہ سے جو عبارت تعارض میں نقل کی ہے اس میں ذمی کا ذکر ہے۔ خاص ذمی کافر کے بدلے قتل کیا جائے ذکر بھی حدیث میں موجود ہے۔ مثلاً

الف۔ عن ابن البیلمانی عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قتل مسلما بمعاھد وقال انا اکرم من وفی بذمته۔

(سنن الکبریٰ ج8 ص30)

ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کو ایک ذمی کے بدلے میں قتل کیا اور کہا جو شخص اپنا ذمہ پورا کرے میں اس کا (بدلہ لینے کا) زیادہ حق دار ہوں۔

عن محمد بن المنکدر عن عبدالرحمن بن البیلمانی ان رجلا من المسلمین قتل رجلا من اھل الکتاب فرفع الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ ﷺ انا احق من وفی بذمته ثم امر به فقتل۔ (سنن الکبریٰ ج8 ص30)

مسلمانوں کے ایک ذمی نے اہل کتاب کے ایک آدمی کو قتل کیا مقدمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپؐ نے فرمایا جو آدمی اپنا ذمہ پورا کرے میں اس کا (بدلہ لینے کا) زیادہ حق رکھتا ہوں پھر آپؐ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

اس حدیث سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تائید ہوتی ہے کہ اگر کسی مسلمان نے ذمی کو قتل کیا تو اس کے بدلے میں مسلمان قتل کیا جائے گا۔

راشدی صاحب کا یہ کہنا کہ فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے سو فیصد غلط ہے۔

اعتراض نمبر ۳۰

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۳۰: عورتوں کا عیدگاہ جانا

حدیث نبوی ﷺ

عن ام عطیة قالت امرنا ان تخرج الحیض یوم العیدین والذوات الخدور فیشھدن جماعة المسلمین و دعوتھم و یعتزل الحیض عن مصلاھن۔ (الحدیث)

ترجمہ: سیدنا ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم عورتوں کو بھی نماز عید پڑھنے کے لئے عیدگاہ کی طرف جانے کا حکم دیا جب کہ حائضہ عورتوں کے لئے یہ حکم تھا کہ عیدگاہ سے دور رہ کر مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک رہیں۔

(البخاري ج1 في كتاب الصلوة باب وجوب الصلوة في الثياب رقم الحديث 351 ص51)(المسلم في كتاب صلا
العيدين باب ذكر اباحة خروج النساء في العيدين رقم الحديث 2054 ج1 ص 91-290)

فقہ حنفی

ویکرہ لهن حضور الجماعات

(هداية اولين ج1 كتاب الصلاة باب الامامة ص126 2)

یعنی عورتوں کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے جانا مکروہ ہے۔

(فقہ وحدیث ص69)

جواب:

راشدی صاحب نے یہ مسئلہ اپنی کتاب فقہ وحدیث کے صفحہ نمبر 63 مسئلہ نمبر 24 کے تحت بیان کیا تھا یہاں پر پھر عورتوں کے عیدگاہ جانے کے حوالہ سے لکھ دیا ہے۔ ہم نے مسئلہ نمبر 24 کے جواب میں تفصیل سے لکھ دیا تھا تفصیل تو وہاں پر ملاحظہ فرمالیں۔ مختصر طور پر یہاں پر بھی لکھ دیے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس مسئلہ میں تفصیل ہے کہ کون کون سی عورت کس کس نماز میں کن کن شرائط کے ساتھ مسجد میں جاسکتی ہے اور عورت کا یہ جانا بھی صرف جواز کے لئے ہے۔ بہتر اس کے لئے اپنے گھر میں ہی نماز پڑھنا ہے۔ راشدی صاحب نے یہ تفصیل ہدایہ سے نقل نہیں کی مطلقاً سب عورتوں کے لئے مکروہ لکھ دیا اور اس کو فقہ حنفی کا مسئلہ کہہ دیا۔ ہم پہلے ہدایہ سے مکمل مسئلہ نقل کرتے ہیں۔

ہدایہ کی عبارت کا مکمل ترجمہ ملاحظہ فرمائیں

اور مکروہ ہے عورتوں کے لئے جماعت میں حاضر ہونا۔ یعنی جوان عورتوں کو کیونکہ ان کی حاضری میں فتنہ کا خوف ہے اور کوئی مضائقہ نہیں کہ بوڑھی عورتیں فجر و مغرب اور عشاء میں نکلیں یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ صاحبین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بوڑھی عورتیں تمام نمازوں میں نقل سکتی ہیں کیونکہ ان میں کم رغبتی کی وجہ سے فتنہ نہیں ہے اس لئے مکروہ نہ ہوگا جیسے عید میں ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ شدت شہوت باعث جماع ہے اس لئے فتنہ واقع ہوگا صرف اتنی بات ہے کہ فاسق لوگ

ظہر وعصر وجمعہ کے اوقات میں منتشر رہتے ہیں۔ رہا فجر عشاء کا وقت سو اس میں وہ سوتے رہتے ہیں اور مغرب کے وقت کھانے میں مشغول رہتے ہیں۔ اور جنگل وسیع ہوتا ہے تو اس میں بوڑھی عورتوں کو مردوں سے علیحدہ ہونا ممکن ہے اس لئے ان کا عید میں جانا مکروہ نہیں۔

(غایۃ السعایہ ترجمہ ہدایہ ج3 ص 305-304)

ناظرین ہدایہ کی عبارت کا مکمل ترجمہ آپ کے سامنے ہے۔ آپ انصاف سے بتائیں کہ راشدی صاحب نے جو بات فقہ حنفی کے حوالہ سے نقل کی ہے کیا وہ درست ہے۔ ہدایہ میں تو خاص عیدگاہ جانے کے متعلق لکھا ہے کہ بوڑھی عورتوں کی عیدگاہ میں جانا مکروہ نہیں۔

امام محمد فرماتے ہیں میں نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا:

میں نے کہا یہ بتلایئے کیا عورتوں پر عید کی نماز کے لئے جانا واجب ہے؟

امام اعظم نے فرمایا پہلے انہیں اس کی اجازت تھی لیکن اب میں اس کو ناپسند کرتا ہوں۔ میں نے کہا آیا آپ ان کا باجماعت فرائض اور جمعہ کے لئے جانا بھی مکروہ قرار دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں نے کہا کیا ان کے لئے کچھ اجازت ہے آپ نے فرمایا میں بوڑھی عورتوں کو عشاء ،۔ فجر اور عیدین میں جانے کی اجازت دیتا ہوں ان کے علاوہ اور کسی نماز کے لئے اجازت نہیں دیتا۔

(المبسوط ج1 ص382)

المبسوط کے اس حوالہ سے بھی معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بوڑھی عورت کو عیدگاہ جانے کی اجازت ہے۔ راشدی صاحب نے فقہ حنفی کی بات درست نقل نہیں کی۔

یہاں تک تو بات ہدایہ کی عبارت نقل کرنے کی تھی اب ہم یہ بتانا چاہیں گے کہ فقہ حنفی اور امام ابوحنیفہ جوان عورتوں کو تمام فرض نمازوں میں اور جمعہ وعیدین میں اور نماز جنازہ وغیرہ میں جانے سے کیوں منع کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں دلائل مختلف ہیں امام ابوحنیفہ نے جن دلائل کی بنا پر یہ نظریہ قائم کیا اب ہم وہ دلائل نقل کرتے ہیں۔

حنفی کے دلائل:

فقہائے احناف یہ کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں احادیث مختلف ہیں۔

1- بعض احادیث میں عورتوں کو مسجد جانے کی مطلقاً اجازت اور روکنے کی ممانعت آئی ہے۔

2- بعض احادیث میں مشروط اجازت آئی ہے۔

3- بعض احادیث میں عورتوں کو اپنے گھر میں نماز پڑھنے کا حکم آیا ہے۔

4- بعض احادیث میں مسجد جانے کی ممانعت آئی ہے۔

ان مختلف احادیث کے پیش نظر امام صاحب نے ان میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے اور صحابہ کرام کے ارشادات اور عمل سے ان احادیث کو ترجیح دی ہے جن میں عورتوں کو منع کیا گیا ہے یا گھر میں نماز پڑھنے کو بہتر فرمایا گیا ہے۔ اور بوڑھی عورتوں کو اجازت بھی دے دی ہے۔

منع کی احادیث

حدیث نمبر ①:

ابوعمرو شیبانی نے دیکھا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عورتوں کو جمعہ کے دن مسجد سے نکال رہے ہیں اور فرما رہے ہیں تم عورتیں اپنے گھروں کی طرف جاؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر بحوالہ الترغیب والترھیب ج 1 ص 228)

حدیث نمبر ②:

ابوعمرو شیبانی کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ جمعہ کے دن عورتوں کو مسجد سے نکالنے کے لئے کنکریاں مار رہے ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 277)

حدیث نمبر ③:

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے اس عورت کے متعلق مسئلہ پوچھا گیا جس نے یوں نذر مانی کہ اگر اس کا خاوند جیل سے رہا کر دیا گیا تو وہ بصرہ کی ہر اس مسجد میں جس میں جماعت ہوتی ہے دو رکعت نماز پڑھے گی۔

بصری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا وہ اپنے محلہ کی مسجد میں دو رکعتیں ادا کر کے اپنی نذر پوری کرے وہ بصرہ کی ہر مسجد میں جا کر نماز پڑھنے کی (شرعاً) طاقت نہیں رکھتی نیز فرمایا اگر اس (ماننے والی) عورت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پا لیتے تو وہ اس کا سر کوٹتے۔ (مصنف ابن شیبہ ج 2 ص 277)

حدیث نمبر ④:

محدث اعمش رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی تین بیویاں تھیں وہ ان کی جمعہ اور جماعت میں شریک ہونے کے لئے نہیں چھوڑتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 277)

حدیث نمبر ⑤:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں عورتوں نے جو زیب و زینت، نمائش حسن اور عطریات کا استعمال شروع کر دیا ہے اگر یہ صورت حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہو جاتی تو آپ انہیں مسجدوں سے ضرور روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا۔ یحییٰ بن سعید نے عمرہ سے پوچھا بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا؟ عمرہ نے کہا جی ہاں روک دیا گیا تھا۔

حدیث نمبر ⑥:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن عورتوں کو کنکریاں مار مار کر مسجد سے نکالتے تھے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج 3 ص 228)

حدیث نمبر ⑦:

محدث ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء تابعی سے پوچھا جیسے مردوں کے لئے یہ حق ثابت ہے کہ جب وہ اذان سنیں تو مسجد میں حاضر ہوں کیا عورتوں کے لئے بھی ثابت ہے؟ عطاء نے قسم اٹھا کر فرمایا ان کے لئے ثابت نہیں۔ (مصنف عبدالرزاق ج 3 ص 147)

حدیث نمبر ⑧:

محدث اعمش کہتے ہیں کہ ابراہیم نخعی کی تین بیویاں تھیں ان میں سے کسی نے بھی محلہ کی مسجد میں نماز نہیں پڑھی۔ (مصنف عبدالرزاق ج 3 ص 101)

حدیث نمبر ⑨:

ابراہیم نخعی کا بیان ہے کہ علقمہ کی بیوی جو بوڑھی ہو چکی تھی وہ عید کے لئے نکلتیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 87)

حدیث نمبر ⑩:

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ (تابعی کبیر) عورتوں کا عیدین کے لئے نکلنا مکروہ جانتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 88)

حدیث نمبر ⑪:

نافع کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنی عورتوں کو عیدین میں نکلنے کی اجازت نہ دیتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج 2 ص 88)

حدیث نمبر ⑫:

ہشام بن عروہ اپنے باپ عروہ کے متعلق بتاتے ہیں کہ وہ اپنے اہل میں سے عورت کو نماز عید الفطر اور نماز عید الاضحیٰ میں نکلنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص88)

حدیث نمبر ⑬:

عبدالرحمن بن قاسم اپنے باپ قاسم کے متعلق بتاتے ہیں کہ وہ جوان عورتوں کے بارے میں بہت ہی سخت تھے وہ ان کو عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے لئے نہیں نکلنے دیتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص88)

حدیث نمبر ⑭:

جلیل القدر تابعی ابراہیم نخعی کو جوان عورت کا عیدین کے لیے نکلنا ناگوار تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج6 ص88)

حدیث نمبر ⑮:

حضرت ام حمید کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمیں ہمارے شوہر آپ کے ساتھ نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں حالانکہ ہم آپ کو پیچھے نماز پڑھنے کی بہت چاہت رکھتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جواباً فرمایا چھوٹے کمرے کی نماز بڑے کمرے کی نماز سے بہتر ہے اور بڑے کمرے کی نماز تمہاری نماز باجماعت کی نماز سے بہتر ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج2 ص277)

حدیث نمبر ⑯:

ام عطیہ فرماتی ہیں کہ ہمیں جنازہ کے پیچھے جانے سے روکا جاتا تھا لیکن اس ممانعت پر عمل کرنا ہم پر لازم نہ تھا۔ (رواہ مسلم ج1 ص304)

حدیث نمبر ⑰:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نکلے تو دیکھا کہ عورتیں بیٹھی ہیں پوچھا تمہیں کس چیز نے بیٹھا رکھا ہے؟ انہوں نے کہا ہم جنازہ کا انتظار کر رہی ہیں آپ نے کہا کیا تم میت کو غسل دیتی ہو؟ انہوں نے کہا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم میت کو اٹھاتی ہو؟ انہوں نے کہا جی نہیں۔ آپ نے کہا کیا تم میت کو دوسرے لوگوں کی طرح قبر میں اتارتی ہو؟ انہوں نے کہا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا تم لوٹ جاؤ؟ لیکن ثواب لے کر نہیں بلکہ گنہگار ہو کر۔ (ابن ماجہ ص113)

حدیث نمبر ⑱:

اور حدیث نمبر 17 ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لئے پہلے جنازہ کے لئے پیچھے جانا جائز تھا مگر کراہیت کے ساتھ اس وقت روکنے میں اتنی سختی نہ تھی لیکن بعد میں اس حکم کے اندر شدت اختیار کی گئی اور معصیت اور کراہت حرمت سے بدل گئی اور اب عورتوں کے لئے جنازہ کے پیچھے جانا معصیت اور گناہ قرار پایا۔ اسی لئے آپؐ نے فرمایا تم لوٹ جاؤ مگر نیکوکار بن کر نہیں گنہگار ہو کر۔

اسی طرح گھر سے باہر نکلنے اور مسجد وعیدگاہ کے اندر جانے میں عورتوں کے لئے ابتدا میں نرمی تھی، اتنی سختی نہ تھی لیکن بعد میں شر اور فتنہ کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سختی کی اور مسجد جانے سے عورتوں کو منع کرنے لگے۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے عورت کا مسجد میں جانا فرض واجب یا ضروری ثابت نہیں ہوتا کیونکہ دوسرے دلائل اس کے خلاف ہیں۔ فقہاء نے جو شرائط مسجد جانے کی عورتوں پر لگائی ہیں ان کی روشنی میں جانے کے ہم بھی جواز کے قائل ہیں۔ مگر بہتر یہ ہے کہ عورتیں اپنے گھر میں نماز ادا کریں۔

اعتراض نمبر ㉛

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ㉛: قصاص، تلوار کے ساتھ خاص نہیں

حدیث نبوی ﷺ

عن انس ان یهودیا رض راس جاریة بین حجرین فقیل لها من فعل بك هذا افلان افلان حتی سمی الیهودی فاوت براسها فجی بالیهودی فاعترف بامر به رسول الله ﷺ فرض راسه بالحجارة

ترجمہ: سیدنا انس ؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے ایک بچی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا تو اس بچی کو کہا گیا، تیرا یہ حال کس نے کیا، کیا فلاں نے؟ کیا فلاں نے؟ یہاں تک کہ یہودی کا نام لیا گیا، تو اس نے سر کے

اشارے سے ہاں کہا پھر اس یہودی کو لایا گیا، اس نے اعتراف کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے سر کو بھی پتھر کے ساتھ کچلنے کا حکم دیا۔

(بخاري ج 2 كتاب الديات باب اذا قر بالقتل مرة قتل به ص 1017. واللفظ له. رقم الحديث 6884)

(مسلم ج 2 كتاب القسامة والمحاربين والقصاص والديات باب ثبوت القصاص في القتل بالحجر ص 58 رقم الحديث 4361)

فقہ حنفی

ولا یستوفی القصاص الا بالسیف

(هداية آخرين ج 4 كتاب الجنايات باب مايوجب القصاص ص 563)

یعنی قصاص تلوار ہی سے لیا جائے گا، کسی دوسری چیز سے نہیں لیا جائے گا۔

(فقہ و حدیث ص 70)

جواب:

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث سے ثابت ہے ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ①:

عن ابی بکرہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا قود الا بالسیف۔

(سنن ابن ماجہ باب لاقود الا بالسیف باب نمبر 194 حدیث نمبر 444) (سنن دار قطنی ج 3 ص 106)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تلوار کے علاوہ کسی اور چیز کے قصاص نہ لیا جائے۔

حدیث نمبر ②:

عن النعمان بن بشیر قال قال رسول اللہ ﷺ لکل شئی خطا الا السیف ولکل خطا ارش۔

(مسند احمد ج 4 ص 272. مصنف ابن ابي شيبه ج 9 ص 342. طحاوي مترجم ج 3 ص 263. ابن ماجه حديث نمبر 443 باب لاقود الا بالسيف، سنن دار قطني ج 3 ص 107. سنن الكبري بيهقي ج 8 ص 42)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تلوار کے سوا ہر شے میں خطا ہے اور خطا میں دیت ہے۔

حدیث نمبر ③:

عن علی علیہ السلام قال رسول اللہ ﷺ لا قود الا بحدیدۃ و لا قود فی النفس و غیرھا الا بحدیدۃ۔ (سنن دارقطنی ج3 ص88)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم نے فرمایا قصاص صرف لوہے (ہتھیار) کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے جان یا اس کے علاوہ (کسی عضو) کا قصاص صرف توہے (ہتھیار) کے ذریعہ لیا جاسکتا ہے۔

حدیث نمبر ④:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لا قود الا بالسیف۔

(سنن دارقطنی ج3 ص88و87)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا قصاص صرف تلوار سے لیا جاسکتا ہے۔

حدیث نمبر ⑤:

عن عبداللہ ابن مسعود ان رسول اللہ ﷺ قال لا قود الا بسلاح۔

(سنن دارقطنی ج3 ص88)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں قصاص صرف اسلحہ کے ذریعہ۔

حدیث نمبر ⑥:

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا قود فی شلل و لا عرج۔ (سنن دارقطنی ج3 ص91)

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالہ سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا، شلل، اور عرج میں قصاص نہیں ہوگا۔

ہم نے یہاں پر چند روایات نقل کر دی ہیں ان کے علاوہ اور روایات اور آثار بھی اس کے متعلق موجود ہیں جن سے حنفی مسلک کی تائید ہوتی ہے۔

رہی وہ روایات جو راشدی صاحب نے نقل کی اس کے علماء نے کئی جواب دیئے ہیں جن میں سے دو جواب ہم یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

جواب نمبر ①: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کو قاطع الطریق اور ڈاکو کے حکم میں فرمایا اور ڈاکو کو امام (یعنی امیر مملکت) جس طرح چاہے قتل کرسکتا ہے۔

جواب نمبر ②: یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب مثلہ کرنا مباح تھا جس طرح نبی کریم ﷺ نے عرینیین کو سزا دی تھی بعد میں اس سے منع کر دیا گیا اور یہ منسوخ ہوگیا۔ (عمدۃ القاری ج12 ص 254)

اعتراض نمبر (۳۲)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ (۳۲): تکبیرات عیدین کتنی اور کب؟

حدیث نبوی ﷺ

عن كثير ابن عبدالله عن ابيه عن جده ان النبى ﷺ كبر فى العيدين فى الاولى سبعا قبل القرائة وفى الاخرة خمسا قبل القرائة

ترجمہ: بیشک نبی ﷺ عیدین میں پہلی رکعت میں قرات سے پہلے سات تکبیرات اور دوسری رکعت میں قرات سے پہلے پانچ تکبیرات کہتے تھے۔

(ترمذي ج1 ابواب العيدين باب في التكبير في العيدين ص70. رقم الحديث 536)(ابن ماجه ما جاء في صلوة العيدين باب ما جاء في فكم يكبر الامام في الصلوة العيدين ص91 رقم الحديث 1289)

فقہ حنفی

يكبر فى الاولى للافتتاح وثلاثا بعدها ثم يقرا الفاتحة وسورة ويكبر تكبيرة يركع بها ثم يبتدى فى الركعة الثانية بالقراءة ثم يكبر ثلاثا بعدها ويكبر رابعة يركع بها

(هداية اولين ج1 كتاب الصلوة باب العيدين ص173)

پہلی رکعت میں نماز کے آغاز کے لئے تکبیر کہی جائے گی اور اس کے بعد تین تکبیریں کہی

جائیں گی۔ پھر سورۃ فاتحہ اور دوسری کوئی سورۃ پڑھی جائے گی۔ پھر رکوع کے لئے تکبیر کہی جائے گی۔ پھر دوسری رکعت کا قرات سے آغاز کیا جائے گا، اس کے بعد تین تکبیریں کہی جائیں گی اور چوتھی تکبیر رکوع کے لئے کہی جائے گی۔ (فقہ و حدیث ص 71)

جواب:

اس مسئلہ میں احادیث مختلف آتی ہیں احناف کا مسلک مندرجہ ذیل حدیث سے ثابت ہے۔

حدیث نمبر ①:

عن القاسم ابی عبدالرحمن انه قال حدثنی بعض اصحاب رسول الله ﷺ قال صلی بنا النبی ﷺ یوم عید فکبر اربعا و اربعا ثم اقبل علینا بوجهه حین انصرف فقال لا تنسوا کتکبیر الجنائز و اشار باصابعه وقبض ابهامه۔ (طحاوی شریف ج 2 ص 438)

ابوعبدالرحمن قاسم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں عید کی نماز پڑھائی تو (بشمول تکبیر رکوع کے) چار چار تکبیریں کہیں جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا بھول نہ جانا عید کی تکبیریں جنازہ کی طرح چار ہیں۔ آپ نے ہاتھ کی انگلیوں سے اشارہ فرمایا اور انگوٹھا بند کر لیا۔

حدیث نمبر ②:

عن مکحول قال اخبرنی ابو عائشة جلیس لابی هریرة ان سعید بن العاص سال ابا موسی الاشعری وحذیفة بن الیمان کیف کان رسول الله ﷺ یکبر فی الاضحی والفطر فقال ابو موسی کان یکبر اربعا تکبیره علی الجنائز فقال حذیفة صدق فقال ابو موسی کذالك کنت اکبر فی البصرة حیث کنت علیهم قال ابو عائشة و انا حاضر سعید بن العاص۔

(ابوداؤد ج 1 ص 163، طحاوی ج 2 ص 439، مسند احمد ج 4 ص 416)

حضرت مکحول ؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابو ہریرہ ؓ کے ہم نشین ابو عائشہ نے بتلایا کہ حضرت سعید بن عاص ؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور

حضرت حذیفہ بن یمان ؓ سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں کتنی تکبیریں کہا کرتے تھے حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے فرمایا (بشمول تکبیر رکوع کے) چار چار تکبیریں کہا کرتے تھے جیسا کہ آپ جنازہ میں کہتے تھے حضرت حذیفہ ؓ نے فرمایا ٹھیک کہتے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ نے فرمایا جب میں بصرہ کا حاکم تھا تو اسی طرح تکبیریں کہا کرتا تھا، حضرت ابو عائشہ کہتے ہیں کہ میں حضرت سعید بن عاص ؓ کے سوال کے وقت خود موجود تھا۔

ان دونوں احادیث سے حنفی مسلک ثابت ہوتا ہے۔ حنفی مسلک کی تائید میں اور بھی بہت سی احادیث و آثار پیش کئے جا سکتے ہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں سرور العینین فی تکبیرات العیدین)

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل فرمائی وضعیف ہے۔

اعتراض نمبر (۳۳)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ (۳۳): پیشاب کے چھینٹوں کے بچنا از حد ضروری ہے

حدیث نبوی ﷺ

عن ابی ھریرۃ ؓ قال قال رسول اللہ ﷺ عامۃ عذاب القبر من البول

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عام طور پر قبر کا عذاب پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

(رواه الحاكم في مستدركه عن ابن عباس رفعه الي النبي ﷺ قال عامة عذاب القبر من البول رقم الحديث 654 جلد 1ص 293 طبع دارالكتب العلمية بيروت) (سنن الدارقطني عن ابي هريرة ج1ص 128، رقم 7 طبع دارلمعرفة بيروت)

فقہ حنفی

فان انتضح عليه البول مثل روس الابر فذالك ليس بشيء و قدر

الدرهم و ما دونه من النجس المغلظ كالدم والبول والخمر و خر الدجاج و بول الحمار جازت الصلوة معه

(هداية اولین ج1 کتاب الطهارات باب الانجاس وتطهيرها صفحہ 74-77)

ترجمہ: سوئی کے سر کے برابر اگر پیشاب کے قطرے لگے ہوئے ہیں تو کوئی حرج نہیں۔۔۔۔ اگر درہم کے برابر سخت نجاست مثلاً: پیشاب، شراب، مرغ کی بیٹھ یا گدھے کا پیشاب لگا ہوا ہو تو نماز درست ہے۔ (فقہ و حدیث ص72)

جواب:

جو حدیث راشدی صاحب نے نقل کی ہے اسے احناف مانتے ہیں اور احناب پیشاب کو ناپاک کہتے ہیں لیکن یہ حدیث تو غیر مقلدین کے خلاف ہے۔ کیونکہ غیر مقلدین کا مذہب ہے کہ حلال جانور ہوں یا حرام سب کا پیشاب پاک ہے حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

نواب علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں۔

"والمنى طاهر و كذالك الدم غير دم الحيضة و كذالك رطوبة الفرج و كذالك الخمر و بول ما يوكل لحمه و ما لا يوكل لحمه من الحيوانات"۔ (نزل الابرار ج1 ص49)

یعنی منی پاک ہے ایسے ہی حیض کا خون، شرمگاہ کی رطوبت شراب اور حلال و حرام جانوروں کا پیشاب سب پاک ہیں۔

ناظرین حدیث کی مخالفت احناف نے کی یا خود غیر مقلدین نے۔

حنفی مسلک میں پیشاب ناپاک ہے

حنفی مسلک کی اصول فقہ کی مشہور کتاب نور الانوار ص 68 میں ہے۔

"روى انه عليه السلام لما فرغ من دفن صحابى صالح ابتلى بعذاب القبر جاء الى امرة فسالها عن اعماله فقالت يرعى الغنم ولا يتنزه من بوله فحينئذ قال عليه السلام استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه"۔

مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام ایک نیک صالح صحابی کی تدفین سے فارغ ہوئے تو آپ کو احساس ہوا کہ وہ عذاب قبر میں مبتلا ہوئے ہیں آپ ان کی اہلیہ کے پاس تشریف لائے اور ان صحابی کے اعمال کے متعلق دریافت فرمایا انہوں نے عرض کیا کہ یہ بکریاں چرایا کرتے تھے اور ان کے پیشاب سے نہیں بچتے تھے اس موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا پیشاب سے بچو کیونکہ قبر کا عذاب عام طور پر اسی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

راشدی صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ حنفی مسلک میں ناپاک بدن اور ناپاک کپڑوں کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے۔ حالانکہ یہ بھی بالکل جھوٹ ہے ہم یہاں پر دونوں چیزوں کا حکم فقہ حنفی سے بیان کرتے ہیں۔

فقہ حنفی میں بدن اور کپڑوں کا پاک ہونا

1- نمازی کے بدن کا نجاست حقیقی سے پاک ہونا ضروری ہے۔ یعنی بول و براز خون، پیپ، شراب وغیرہ۔ (ہدایہ ج 1 ص 58 شرح نقایہ ج 1 ص 63 کبیری ص 177 خلاصہ)

2- نمازی کے کپڑوں کا بھی نجاست سے پاک ہونا ضروری ہے۔

(شرح نقایہ ج 1 ص 63 کبیری ص 58)

3- فقہ حنفی کی مشہور کتاب قدوری میں ہے۔

نمازی پر واجب ہے کہ ناپاکیوں اور پلیدیوں سے اول اپنے بدن وغیرہ کو پاک کرے۔

(قدوری مترجم اردو ص 34 مجموعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

4- فقہ حنفی کی مشہور کتاب شرح وقایہ میں ہے۔

"یطھر بدن المصلی و ثوبه و مکانه عن نجس و مرئی بزوال" پاک کیا جائے نمازی کا بدن اور کپڑا اور پڑھنے کی جگہ ایسی نجاست سے جو دکھائی دے۔

(شرح وقایہ مترجم ص 123-122 مطبوعہ میر محمد کراچی)

5- مفتی کفایت اللہ دہلوی حنفی لکھتے ہیں۔

نماز کی پہلی شرط کا بیان

سوال: بدن پاک ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: بدن پاک ہونے سے یہ مراد ہے کہ بدن پر کسی قسم کی نجاست پلیدی نہ ہو۔

(تعلیم الاسلام حصہ دوم ص 22 مطبوعہ تاج کمپنی کراچی)

مفتی کفایت اللہ دہلوی حنفی مزید لکھتے ہیں:

نماز کی دوسری شرط (کپڑے پاک ہونے) کا بیان۔

سوال: کپڑوں کے پاک ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: جو کپڑے کہ نماز پڑھنے والے بدن پر ہوں جیسے کرتہ، پائجامہ، ٹوپی، عمامہ، اچکن وغیرہ ان سب کا پاک ہونا ضروری ہے۔ (تعلیم السلام حصہ سوم ص 71)

ناظرین آپ نے دیکھ لیا کہ فقہ حنفی میں نماز پڑھنے کے لئے بدن اور کپڑوں کا پاک ہونا شرائط نماز میں ہے۔ غیر مقلدین اس مسئلہ پر اکثر اعتراض کرتے ہیں اس لئے ہم یہاں پر اس مسئلہ کو تفصیل سے لکھتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا محمد شریف صاحب اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

بے شک فقہاء علیہم الرحمۃ نے ایسا لکھا ہے لیکن یہ معافی بہ نسبت صحت نماز ہے نہ بہ نسبت گناہ کے۔ یعنی اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسا کرنے والے کو گناہ بھی نہیں۔ جو فقہاء علیہم الرحمۃ نے تصریح فرمائی ہے کہ ایسا کرنا مکروہ تحریمہ ہے۔

درمختار میں ہے۔

"عفا الشارع عن قدر درھم وان کرہ تحریما فیجب غسلہ"

(درمختار)

شارع نے قدر درہم معاف کیا ہے اگرچہ مکروہ تحریمہ ہے پس اس کا دھونا واجب ہے۔

معلوم ہوا کہ جس کپڑے کو بقدر درہم نجاست لگی ہوگی اس میں نماز پڑھنا ہمارے نزدیک مکروہ تحریمہ ہے۔ اس کا دھونا واجب اور نماز کا اعادہ واجب ہے۔

کمال قال الشیخ عبدالحی لکھنوی فی عمدۃ الرعایۃ ص 50 ج 1

"اشار الی العفو عنہ بالنسبۃ الی صحۃ الصلوۃ بہ فلا ینافی الاثم"

کہ یہ معافی بہ نسبت صحت نماز ہے نہ یہ کہ اس کو گناہ نہیں۔

اور یہ اجازت ہی اس صورت میں ہے کہ دھونے کے لئے پانی یا دوسرا پاک کپڑا نہ ملے۔

اگر پانی میسر ہے اور وقت کی گنجائش بھی ہے تو اسے دھولینا چاہئے۔

چنانچہ فتاوی غیاثیہ ص 13 میں ہے۔

"دخل فی الصلوة فرای فی ثوبه نجاسة اقل من قدر الدرهم و کان فی الوقت سعة فالافضل ان یقطع او یغسل الثوب و یستقبلها فی جماعة اخری و ان فاتته هذا لیکون مودیا فرضه علی الجواز بیقین فان کان عادما للماء اولم یکن فی الوقت سمة اولا برج اخری جماعة اخری مضی علیها و هو الصحیح"۔

یعنی نماز شروع کی تو دیکھا کہ کپڑے میں قدرے درہم سے کم نجاست ہے اور وقت میں فراخی ہے تو افضل یہ ہے کہ نماز قطع کر کے کپڑا دھوڈالے اور دوسری جماعت میں نئے سرے سے شروع کرے اگرچہ یہ جماعت اس کی فوت بھی کیوں نہ ہو جائے تاکہ اس کے فرض یقیناً ادا ہو جائیں اور اگر پانی نہیں یا وقت میں وسعت نہیں یا دوسری جماعت ملنے کی امید نہیں تو اسی کے ساتھ نماز پڑھ لے۔

طحطاوی فرماتے ہیں۔

"المراد عفا عن الفساد به والا نکراة التحریم باقیة اجماعا ان بلغت الدرهم و تنزیها ان لم تبلغ۔" (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص 90)

یعنی عفو سے مراد ہے کہ نماز فاسد نہیں ورنہ کراہت تحریمی اجماعا باقی رہتی ہے اگر درہم کو نجاست پہنچے اگر درہم سے کم ہو تو کراہت تنزیہی رہتی ہے۔

معلوم ہوا کہ اگر بقدر درہم نجاست کے ساتھ نماز پڑھے گا تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی جس کا اعادہ واجب اور کپڑے کا دھونا واجب ہے۔

پس دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ معترض ان تمام باتوں کو بھی لکھتا پھر اعتراض کرتا تاکہ ناظرین کو اصل مذہب کا پتہ لگ جاتا۔ مگر یہاں تو عوام کو صرف مغالطہ میں ڈال کر مذہب حنفی سے بیگانہ کرنا مقصود تھا دیانت سے کیا کام؟ جب اصل مسئلہ معلوم کر چکے تو اس معافی کا ماخذ بھی معلوم کر لینا چاہئے۔ یہ معافی فقہاء نے استنجاء بالاحجار سے اخذ کی ہے کیونکہ ظاہر ہے پتھر ڈھیلے مزیل نجاست نہیں ہیں بلکہ مجفف اور منشف ہیں تو موضع غائط کا نجس ہونا شریعت نے نماز کے لئے معاف کیا ہے اور وہ

قدر درہم ہوتا ہے اس لئے فقہاء نے نماز کے لئے بقدر درہم معاف لکھا ہے۔

نووی شرح صحیح مسلم میں حدیث اذا استیقظ احدکم من منامہ کے بعض فوائد بھی لکھتے ہیں:

"منھا ان موضع الاستنجاء لا یطھر بالاحجار بل یبقی نجسا معفوا عنہ فی حق الصلوۃ۔ (نووی ص136)

یعنی بعض فوائد میں سے یہ ہے کہ استنجاء کی جگہ پتھروں سے پاک نہیں ہوتی بلکہ نجاست رہتی ہے جو نماز کے حق میں معاف ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر فتح الباری پ 1 میں لکھتے ہیں:

''قدرناہ بقدر الدرھم اخذا عن موضع الاستنجاء''۔ (ص58)

کہ وہ قلیل نجاست جو کہ عفو ہے ہم نے اس کا اندازہ بقدر درہم رکھا اور اس کا ماخذ استنجاء کی جگہ (کا معاف ہوتا ہے)

علامہ شامی فرماتے ہیں۔

"قال فی شرح المنیۃ ان القلیل عفو اجماعا اذا الاستنجاء بالحجر کان بالاجماع و ھو لا یستاصل النجاسۃ والتقدیر بالدرھم مروی عن عمر و علی و ابن مسعود و ھو مما لا یعرف بالرائے فیحمل علی السماع اہ. و فی الحلیۃ القدیر بالدرھم و قع علی سبیل الکنایۃ عن موضع خروج الحدث من الدبر کما افادہ ابراھیم النخعی بقولہ انھم استنکرھوا المقاعد فی مجالسھم فکنوا بالدرھم و یعضدہ ما ذکرہ المشائخ عن عمر انہ سئل عن القلیل من النجاسۃ فی الثوب فقال اذ کان مثل ظفری ھذا یمنع جواز الصلوۃ قالوا و ظفرہ و کان قریبا من کفنا اہ"۔ (شامی ص231 ج اول)

شرح منیۃ میں کہا ہے کہ نجاست قلیل اجماعاً معاف ہے کیوں کہ پتھروں سے استنجاء کرنا بالاجماع کافی ہے اور وہ نجاست کو بالکل ختم نہیں کرتا اور درہم کا اندازہ حضرت عمر و علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے چونکہ اس میں رائے کا دخل نہیں اس لئے سماع پر محمول ہوگا اور حلیۃ میں ہے کہ درہم کا اندازہ بطور کنایہ ہے دبر سے جیسے کہ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اپنی مجالس میں مقاعد کا ذکر برا سمجھا تو کنایہ درہم سے تعبیر کیا

اور اسی کی تائید کرتا ہے جو مشائخ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر ؓ سے جب قلیل نجاست کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا جب میرے ناخن کے مثل ہو تو نماز کے جواز کو منع نہیں کرتا۔ کہتے ہیں کہ آپ کا ناخن ہماری ہتھیلی (کے مقعر) کے برابر تھا۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ قدر درہم بھی صحابہ سے مروی ہے۔ وللہ الحمد

اعتراض نمبر (۳۴)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ (۳۳): ایام تشریق سارے کے سارے ایام ذبح ہیں

حدیث نبوی ﷺ

عن جبیر بن معطم قال قال رسول اللہ ﷺ ایام التشریق کلھا ایام ذبح

ترجمہ: سیدنا جبیر بن معطم ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تشریق کے تمام دن (یعنی 13,12,11 ذوالحج) قربانی کے دن ہیں۔

(مسند احمد ج4 ص82) (صحیح ابن حبان مع الاحسان 3843) (سنن دار قطني 4671) (سنن الکبري للبیهقي ج9 ص 295) (معجم طبراني کبیر ج2 ص138 رقم الحدیث 1583) (مسند البزار ج8 ص364 رقم الحدیث 3444) (سلسلة الاحادیث الصحیحة للالباني ج5 ص617 رقم الحدیث 2476) (وثق رجاله الحافظ في فتح الباري ج10 ص8 کتاب الاضاحي باب من قال الاضحي یوم النحر تحت حدیث 5550)

فقہ حنفی

وھی جائزة فی ثلاثة ایام یوم النحر و یومان بعده

(ھدایة آخرین ج4 کتاب الاضحیة ص446)

اور یہ (قربانی) جائز ہے تین دنوں میں دس تاریخ کو اور اس کے بعد دو دن۔ (یعنی دس، گیارہ اور بارہ ذوالحج) (فقہ و حدیث ص73)

جواب:

صرف تین دن تک قربانی کرنے کا ثبوت احادیث میں موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

حدیث نمبر ①:

”مالك عن نافع ان عبدالله بن عمر قال الاضحی یومان بعد یوم الاضحی۔“

(موطا امام مالک مترجم ص 410 مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

امام مالک نافع سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قربانی کے دو دن ہیں دس ذوالحجہ کے بعد۔

حدیث نمبر ②:

مالك انه بلغة عن علی بن ابی طالب مثل ذلك۔ (موطا امام مالک مترجم ص 410)

امام مالک فرماتے ہیں کہ انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی بات پہنچی ہے

(یعنی دن تین قربانی والی)

حدیث نمبر ③:

من طریق ابن ابی شیبة نا زید بن الحباب عن معاویه ابن صالح حدثنی ابو مریم سمعت اباهریرة یقول الاضحی ثلثة ایام۔

(محلی ابن حزم ج7 ص 377)

ابن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ ہم سے زید بن حباب نے بیان کیا وہ معاویہ بن صالح سے روایت کرتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے ابو مریم نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ قربانی کے صرف تین دن ہیں۔

حدیث نمبر ④:

من طریق وکیع عن شعبة عن قتادة عن انس قال الاضحی یوم النحر و یومان بعد۔ (محلی ابن حزم ج7 ص 377)

ابن ابی شیبہ وکیع سے روایت کرتے ہیں وہ شعبہ اور قتادہ سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمائی کہ قربانی کے دن عید کے بعد صرف دو دن ہیں۔

حدیث نمبر ⑤:

من طريق ابن ابي ليلى عن المنهال بن عمر و عن سعيد بن جبير عن ابن عباس النحر ثلثة ايام۔

(محلی ابن حزم ج7 ص377)

ابن ابی لیلیٰ منہال بن عمرو سے وہ سعید بن جبیر سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ قربانی تین دن ہے۔

حدیث نمبر ⑥:

من طريق ابن ابي ليلى عن المنهال بن عمرو بن عن ذر عن علي قال النحر ثلاثة ايام افضلها اولها۔

(محلی ابن حزم ج7 ص377)

ابن ابی لیلیٰ منہال بن عمرو سے وہ ذر سے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ قربانی تین دن تک جائز ہے ان میں سے پہلا دن افضل ہے۔

حدیث نمبر ⑦:

من طريق ابن ابي شيبة ناهيشم عن ابي حمزه عن حزب ابن ناجية عن ابن عباس قال ايام النحر ثلاثة ايام۔ (محلی ابن حزم ج7 ص377)

ابن ابی شیبہ سے روایت ہے کہ ہم سے ہیشم نے بیان کیا وہ حزب بن ناجیہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ابن عباس نے فرمایا قربانی تین دن ہے۔

حدیث نمبر ⑧:

من طريق و كيع عن عبدالله بن نافع عن ابيه عن ابن عمر قال ما ذبحت يوم النحر والثاني والثالث فهي الضحايا۔

(محلی ابن حزم ج7 ص377)

وکیع عبداللہ بن نافع سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد سے وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ یوم النحر (10 ذالحجہ) گیارہویں اور بارہویں تاریخ میں میرا ذبیحہ قربانی ہے۔

حدیث نمبر ⑨:

من طریق ابن ابی شیبة ناجریر عن منصور عن مجاهد عن مالك بن ماعزا و ماعز بن مالك الثقفی ان اباه سمع عمر یقول انما النحر فی هذه الثلاثة الایام۔

(محلی ابن ج7 ص377)

ابن ابی شیبہ کہتے ہیں ہمیں جریر نے خبر دی وہ منصور سے وہ مجاہد سے وہ مالک بن ماعزیاماعزیابن مالک ثقفی سے وہ کہتے ہیں کہ ہمارے والد نے حضرت عمر ؓ سے سنا ہے کہ قربانی صرف ان تین دنوں میں ہے۔

حدیث نمبر ⑩:

من طریق ابن ابی شیبة عن اسماعیل بن عیاش عن عبیدالله ابن عمر عن نافع عن ابن عمر قال الاضحی یوم النحر و یومان بعده۔

(محلی ابن حزم ج7 ص377)

ابن ابی شیبہ حضرت اسماعیل بن عیاش سے وہ عبید اللہ بن عمر سے انہوں نے نافع سے انہوں نے ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ قربانی دسویں تاریخ اور گیارہویں اور بارہویں تک ہے۔

حدیث نمبر ⑪:

رواه ابن ابی لیلی عن المنهال عن ذرعن علی قال المعدودات یوم النحر و یومان بعده اذبح فی ایها شئت و قد قبل ان هذا و هم والصحیح عن علی انه قال ذالك فی المعلومات وظاهر الایة ینفی ذالك ایضا لانه قال فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیه و ذلك یتعلق بالنحر و انما یتعلق برمی الجمار المفعول فی ایام التشریق و اما المعلومات فقد روی عن علی و ابن عمر ان المعلومات یوم النحر و یومان بعده و اذبح فی ایها سئت۔ (احکام القرآن جصاص ج1 ص316-315)

ابن ابی لیلیٰ منہال اور ذر کے واسطہ سے حضرت علی ؓ سے نقل کرتے ہیں کہ

آپ نے فرمایا معدودات سے مراد یوم النحر اور اس کے بعد دو دن ہیں لہذا میں ان میں سے جب چاہوں قربانی کرتا ہوں۔ لیکن اس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ اس میں وہم ہے۔ بلکہ آپ سے صحیح روایت یہ ہے کہ آپ نے یہ ارشاد ایام معلومات کے بارے میں فرمایا ہے اور آیت طیبہ کا ظاہر بھی اس کی نفی کرتا ہے کیونکہ فرمایا یہ گیا ہے کہ جو شخص دو دنوں میں جلدی کرے اس پر کوئی گناہ نہیں تو معلومات کا تعلق قربانی سے ہے اور معدودات کا تعلق رمی جمار سے ہے جو ایام التشریق میں کی جاتی ہے اور معلومات کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے مراد یوم النحر اور اس کے بعد کے دو دن ہیں ان میں سے جب میں چاہوں قربانی کرتا ہوں۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے پیش کی ہے وہ نہایت ضعیف ہے۔ یہ حدیث راشدی صاحب نے مسند احمد کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ مسند احمد میں اس کی سند اس طرح ہے۔

"سعید بن عبد العزیز قال حدثنی سلیمان بن موسی عن جبیر بن مطعم"۔

دیکھئے اس سند میں سلیمان بن موسیٰ خود حضرت جبیر بن مطعم سے روایت نقل کرتے ہیں جب کہ سلیمان بن موسیٰ کی ملاقات حضرت جبیر بن معطم سے ثابت نہیں جس کی وجہ سے یہ روایت منقطع ہے اور منقطع روایت غیر مقلدین کے ہاں قابل عمل نہیں ہوتی۔

اور سلیمان بن موسیٰ متکلم فی راوی ہے۔ بہت سے محدثین نے اس پر سخت قسم کی جرح کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

1- امام بخاری فرماتے ہیں: عندہ مناکیر سلمان بن موسیٰ کے پاس ضعیف قسم کی حدیثیں ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج 4 ص 227 وکتاب الضعفاء الصغیر للبخاری مع التاریخ الصغیر ص 262)

2- امام نسائی فرماتے ہیں لیس بالقوی فی الحدیث حدیث میں قوی نہیں ہے نیز فرماتے ہیں فی حدیثہ شئ اس کی حدیث میں کچھ خرابی ہے۔ (تہذیب التہذیب ج 4 ص 227) اس لئے یہ روایت قابل استدلال نہیں ہے (ہم نے یہاں پر مختصر بیان کر دیا ہے تفصیل ہماری کتاب قربانی صرف تین دن تک جائز ہے میں ملاحظہ فرمائیں)

اعتراض نمبر ۳۵

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۳۵: زمین بٹائی پر دینا جائز ہے

حدیث نبوی ﷺ

عن عبداللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ دفع الی یھود نخل خیبر وارضھا علی ان یعتملوھا من اموالھم ولرسول اللہ ﷺ شطر ثمرھا

ترجمہ: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے یہود کو خیبر کی کھجور اور اس کی زمین آدھی بٹائی پر آباد کرنے کے لئے دی اس شرط پر کہ وہ اس کو اپنے مال سے آباد کریں گے۔

(مسلم ج 2 کتاب السماقاۃ والمزارعۃ باب المساقاۃ والمعاملۃ بجزء من الثمر والزرع ص 15، رقم الدیث 3966)

فقہ حنفی

قال ابو حنیفۃ المزارعۃ بالثلث والربع باطلۃ

(ھدایۃ آخرین ج 4 کتاب المزارعۃ 424)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تہائی یا چوتھائی پر کھیتی بٹائی پر دینا باطل ہے۔

(فقہ وحدیث ص 74)

جواب:

مضاربت یعنی زمین بونے کے لئے کرایہ پر دینے کے متعلق مختلف روایات آئی ہیں کسی حدیث میں اجازت اور کسی حدیث میں منع ہے اس وجہ سے ائمہ کرام اور محدثین میں اختلاف واقع ہوا۔ اجازت والی حدیث تو راشدی صاحب نے نقل کردی اور منع والی کا ذکر تک نہ کیا۔ ہم یہاں پر پہلے منع والی حدیث نقل کرتے ہیں اس کے بعد حنفی مسلک کی وضاحت کرتے ہیں۔

مضاربت سے منع کی حدیث

عن عبداللہ بن السائب قال سالت عبداللہ بن معقل عن المزراعة فقال اخبرنی ثابت بن الضحاك ان رسول الله ﷺ نهی عن المزراعة۔" (مسلم ج2 ص14)

عبداللہ بن سائب کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن معقل سے مزارعت کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے کہا مجھے ثابت بن ضحاک نے یہ حدیث سنائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزارعت سے منع فرمایا ہے۔

ہم نے صرف ایک حدیث نقل کی ہے ویسے منع کی احادیث حضرت جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عمر، حضرت ابوہریرہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

اگر امام ابوحنیفہ نے ان احادیث کے پیش نظر یہ نظریہ قائم کیا ہے تو کون سا جرم کیا ہے۔ اور حدیث کی مخالفت کب لازم آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ راشدی صاحب کو معاف فرمائیں

حنفی مسلک کی وضاحت

اس مسئلہ میں احادیث مختلف وارد ہوئی ہیں بعض احادیث، آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے زمین کو بٹائی پر دینے کا جواز چونکہ ثابت ہوتا ہے اس لئے فقہاء احناف نے اس مسئلہ میں امام ابویوسف اور امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ کے قول پر صحیح ہونے کے باوجود فتویٰ نہیں دیا۔

خود صاحب ہدایہ علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں۔

> الا ان الفتوی علی قولهما لحاجة الناس اليها و لظهور تعامل الامة بها والقياس يترك بالتعامل كما فی الاستصناع۔
>
> (ہدایہ آخرین 425 مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

فتویٰ امام ابویوسف اور امام محمد کے قول پر ہے کیونکہ لوگوں کو مزارعت کی حاجت ہے اور تمام امت کا مزارعت پر عمل ہے اور تعامل کے مقابلہ میں قیاس ترک کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اجارہ میں ہے۔

2- قدوری مترجم 234 میں ہے۔

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ تہائی یا چوتھائی (بٹائی) پر زمین بونے کے لئے دینا باطل ہے اور صاحبین فرماتے ہیں کہ جائز ہے۔

جب حنفی مسلک کا فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے تو اعتراض خود بہ خود ختم ہو جاتا ہے۔

اعتراض نمبر ۳۶

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۳۶: نابینا امامت کراسکتا ہے

حدیث نبوی ﷺ

عن انس قال استخلف رسول الله ﷺ ابن ام مکتوم یوم الناس وھو اعمی

ترجمہ: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنی عدم موجودگی میں) ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تھا وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے اور وہ نابینا تھے۔

(ابو داوٗد ج 1 کتاب الصلوۃ باب امامۃ الاعمی ص 95 رقم الحدیث 595)

فقہ حنفی

فیکرہ تقدیم العبد والاعرابی والفاسق والاعمی وولد الزنا

(ھدایۃ اولین ج 1 کتاب الصلاۃ باب الامامۃ ص 122)

غلام، اعرابی، فاسق، نابینے اور ولد الزنا کو امامت کے لئے آگے کرنا مکروہ ہے۔

(فقہ وحدیث ص 75)

جواب:

راشدی صاحب نے فقہ حنفی کا مسئلہ پورا نہیں بتایا پورا مسئلہ اس طرح ہے۔

1- مسئلہ اندھے کے پیچھے بھی نماز مکروہ ہوتی ہے اگر استقبال قبلہ نہ کرسکتا ہو اور نجاست سے نہ بچ سکتا ہو اگر سمجھدار اور متقی ہو تو پھر اس کے پیچھے نماز مکروہ نہیں

(ہدایہ ج 1 ص 77 شرح نقایہ ج 1 ص 86 کبیری ص 514 خلاصہ)

2- قدوری اردو ص 41 میں ہے۔

غلام، گنوار، فاسق، نابینا، حرامی بچہ کو امام بنانا مکروہ ہے اور اگر یہ امام ہوجائیں تو نماز ہوجائے گی۔

3- حضرت عطاء تابعی کا فتوی: ”عن ابی جریج قال سئل عطاء عن الاعمی ایوم القوم

فقال ماله اذا كان افقههم۔ (مصنف عبدالرزاق ج2ص395)

ابن جریج سے روایت ہے حضرت عطاء سے پوچھا گیا نابینا کے بارے میں کیا وہ امامت کرا سکتا ہے لوگوں کو تو انہوں نے کہا کیا حرج ہے اگر وہ ان میں سے زیادہ فقیہ ہو۔

4- حضرت ابراہیم نخعی تابعی کا فتوی: ”عن حماد قال سالت ابرهيم عن الاعمى هل يوم فقال نعم اذا قام الصلوة۔ (مصنف عبدالرزاق ج2ص395)

حضرت حماد نے کہا میں نے حضرت ابراہیم نخعی سے دریافت کیا نابینا شخص کے بارہ میں کہ آیا وہ امامت کرا سکتا ہے تو انہوں نے کہا ہاں کرا سکتا ہے بشرطیکہ نماز اچھی طرح ادا کرتا ہو۔

5- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا نابینا کی امامت سے احتراز فرمانا: مصنف ابن ابی شیبہ ج2ص119 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان میں ہے۔

”حدثنا وكيع عن سفيان عن عبدالاعلى عن سعيد بن جبير عن ابن عباس قال كيف اومهم وهم يعدلوني الى القبلة“۔

6- مصنف ابن ابی شیبہ ص114 جلد2 میں ہے

حدثنا الفضل بن دكين عن ابي الحسناء عن زيادة النمرى قال سالت انسا عن الاعمى يوم فقال ما افقر كم الى ذالك۔

7- مصنف ابن ابی شیبہ ج2ص119 میں ہے۔

حدثنا وكيع قال حدثنا سفيان عن وصل الاحدب عن قبيصه بن برمة الاسدى قال قال عبدالله ما احب ان يكون موزنو كم عميانكم قال احسبه قال ولا قراء كم۔

8- مصنف ابن ابی شیبہ ج2ص119 میں ہے۔

حدثنا زيد بن حباب عن اسرائيل عن مرزوق عن سعيد بن جبير انه قال الاعمى لا يوم۔

تفصیلی جواب: مولانا منصور علی خان مرادآبادی لکھتے ہیں۔

اقول: حنفیہ کے نزدیک اس اندھے کی امامت مکروہ ہے جو احتیاط نہ کرتا ہو اور کوچہ گرو ہو اور اگر عالم اور محتاط ہو یا سب میں افضل ہو اس وقت حنفیہ ہرگز مکروہ نہیں کہتے بلکہ حجت میں یہی حدیث

عبداللہ بن ام مکتوم کی لکھتے ہیں کتاب الاشباہ والنظائر احکام الاعمیٰ میں ہے ’’وتکرہ امامتہ الا ان یکون اعلم القوم‘‘ یعنی مکروہ ہے امامت اندھے کی مگر جب کہ مقتدیوں سے زیادہ جاننے والا ہو۔ اور بحر الرائق کتاب الامامۃ میں ہے: ’’فان کان افضلھم فاولی و علی ھذا حمل تقدیم ابن ام مکتوم لانہ لم یبق من الرجال الصالحین للامامۃ فی المدینہ احد افضل منہ حینئذٍ۔‘‘ یعنی اگر نابینا افضل قوم ہو تو واسطے امامت کے وہی بہتر ہے اور اسی پر محمول ہے امام کرنا ابن ام مکتوم کا اس لیے کہ مدینے میں کوئی شخص قابل امامت کے ان سے بہتر نہیں رہا تھا اور فتح المنان فی تائید مذہب النعمان باب الامامۃ تالیف شیخ عبدالحق محدث دہلوی میں ہے ’’ان کان مقتدی القوم وعالما وقارئا لا یکرہ وقد کان شیخنا الاجل الاکرم عبدالوھاب المتقی یوم اصحاب مع عمیہ ‘‘یعنی اگر ہو اندھا مقتدی قوم کا اور عالم اور قاری تو نہیں مکروہ ہے اور تحقیق استاد ہمارے عبد الوہاب متقی امام ہوتے تھے اپنے یاروں کے باوجود نابینائی کے۔ اور محیط میں ہے ’’اذا لم یکن غیرہ من البصیر افضل فھو اولی ‘‘یعنی جب کہ نابینا سے بصیر افضل ہو تو نابینا بہتر ہے۔ اور بدائع باب الامامۃ میں ہے ’’اذا کان لا یوزیہ غیرہ فی الفضل فی مسجدہ فھو اولی ‘‘یعنی جس وقت فضیلت میں اور کوئی نابینا کے برابر نہ ہو تو وہی بہتر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک نابینا کی امامت مکروہ نہیں مگر اس وقت مکروہ ہے جب احتیاط نہ کرتا ہو یا علم نہ رکھتا ہو عبداللہ بن ام مکتوم ان باتوں سے بری تھے بلکہ اس وقت تو آنحضرت ﷺ تبوک کی لڑائی میں تشریف لے گئے ہیں ان سے بہتر کوئی نہ تھا علی ؓ کو مکان کے اہتمام میں چھوڑ گئے تھے اگر اس کا بھی اہتمام ان کے سپرد ہوتا تو اس اہتمام میں کو تاہی ہو جاتی بلکہ صاحب ہدایہ کی خود وجہ کراہیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً نابینا کی امامت مکروہ نہیں بلکہ بوجہ عدم احتیاط کے مکروہ ہے پس اس مسئلے کو ابن مکتوم کی حدیث کے مخالف کہنا کمال درجے کی نادانی ہے قیاس مع الفارق اسی کو کہتے ہیں ہاں خواب یاد آیا اگر رطب و یابس نہ بھرتے تو سو مسئلوں کا التزام کیونکر ہو سکتا تھا کچھ معترض صاحب کو خیال نہیں کہ کیا لکھتا ہوں بے دیکھے انکل سے کام لیتے ہیں۔

سمجھ ہی نہیں آتی ہے کوئی بات ذوق اس کی
کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھ

(ماخوذ فتح المبین ص 101۔110 ترمیم اور اضافہ کے ساتھ)

اعتراض نمبر ㊲

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ㊲: ہر نشہ آور چیز حرام ہے

حدیث نبوی ﷺ

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ كل مسكر خمر و كل مسكر حرام

ترجمہ: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نشہ دینے والی چیز شراب ہے اور ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے۔

(مسلم ج2 کتاب الاشربہ باب بیان ان کل مسکر خمر الخ ص162، رقم الحدیث 5219)

ایک حدیث میں ہے۔

قال رسول الله ﷺ ان من الحنطة خمرا او من الشعير خمرا و من التمر خمرا و من الزبيب خمرا و من العسل خمرا

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گندم، جو، کھجور، انگور اور شہد سے شراب بنتی ہے۔

(ترمذي ج2 كتاب الاشربة باب ماجاء في الحبوب التي يتخذ منها الخمر ص9، رقم الحديث 1872، واللفظ له)(ابوداؤد ج2 كتاب الاشربة باب الخمر من ما هي ص161، رقم الحديث 3676)

فقہ حنفی

ان ما يتخذ من الحنطة والشعير والعسل والذرة حلال عند ابي حنيفة ولا يحد شاربه وان سكر منه

(ہدایہ آخرین ج4 کتاب الاشربۃ ص496)

یعنی گندم، جو، شہد اور جوار سے شراب بنانا ابو حنیفہ کے نزدیک حلال ہے اس کے پینے والے پر اگرچہ اس کو نشہ ہی کیوں نہ ہو کوئی حد نہیں۔

(فقہ و حدیث ص76)

جواب:

علامہ ابوالحسن مرغیانی رحمۃ اللہ علیہ حنفی صاحب ہدایہ کو اس مقام پر امام محمد کی جامع صغیر کی عبارت

سے وہم ہو گیا ہے۔ راشدی صاحب نے ہدایہ کی پوری عبارت نقل نہیں کی اگر پوری عبارت نقل کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ اصل یہ بات جامع صغیر کی ہے۔ ہدایہ کے بعد اکثر مصنفین نے صاحب ہدایہ پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی اپنی تصانیف میں یہ مسئلہ بیان کر دیا ہے۔ ہدایہ کی پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ ابوالحسن مرغیانی حنفی لکھتے ہیں۔

> و قال فی الجامع الصغیر ماسوی ذلك من الاشربه فلا باس به قالوا هذا الجواب علی هذا العموم والبیان لا یوجد فی غیره و هو نص علی ان ما یتخذ من الحنطة و الشعیر والعسل والذرة حلال عند ابی حنفة ولا یحد شاربه عنده و ان سکر منه و لایقطع طلاق السکران منه بمنزلة النائم۔ (ہدایہ اولین ص 495-496 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ)

امام محمد نے جامع الصغیر میں کہا ہے کہ ان چار شرابوں کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات کے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے (اس قول کی تفصیل کرتے ہوئے) فقہاء نے کہا جس طرح اس کتاب میں عموم ہے وہ (امام محمد کی) اور کسی کتاب میں نہیں ہے اور عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ جو شراب گندم، جو، شہد اور جوار سے بنائی جائے وہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حلال ہے اور اس کے پینے والے پر حد جاری نہیں ہوگی خواہ اس کو نشہ ہو جائے اور اس نشہ میں اس کی طلاق بھی واقع ہیں ہوگی جیسا کہ سونے والے کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

ہماری تحقیق یہ ہے کہ امام محمد نے جامع الصغیر میں جو یہ لکھا ” و ماسوی ذلک من الاشربة فلا باس به، ان چار شرابوں کے ماسوا سے اس قسم کا عموم مراد نہیں ہے جو اس عبارت کی تخریج کرنے والوں نے سمجھا ہے حتی کہ جو شراب بھی نشہ آور ہو اور وہ حلال ہو جائے، بلکہ ماسوا سے مراد وہ مشروبات ہیں جو نشہ آور نہ ہوں کیونکہ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک نبیذ اور ہر نشہ آور مشروب حرام ہے، اس کے پینے سے حد لازم آتی ہے اگر وہ نشہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے طلاق ہو جاتی ہے خود امام محمد نے یہ لکھا ہے کہ امام اعظم کا یہی قول ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب کتاب آلاثار کے حوالے سے نقل کریں گے اس لئے جامع الصغیر کی اس عبارت میں ایسا عموم مراد نہیں ہے جو اس عبارت کی تخریج اور تفصیل کرنے والوں نے بیان کیا ہے اور امام ابوحنیفہ اس بات سے بری ہیں کہ وہ ان چار شرابوں کے علاوہ باقی نشہ آور شرابوں کو حلال قرار دیں اس پر حد لازم نہ کریں اور اس کی طلاق واقع نہ کریں اب ہم ٹھوس حوالہ

جات کے ساتھ اس سلسلہ میں امام اعظم ابوحنیفہ کا موقف بیان کرتے ہیں:

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

فالنبیذ ھو ما التمر اذا طبخ ادنی طبخة یحل شربه فی قولھم مادام حلوا و اذا غلا و اشتد و قذف بالزبد۔ عن ابی حنیفة و ابی یوسف یحل شربه للتداوی و التقوی الا المحدی المسکر۔

(بنایہ شرح ہدایہ ج 2 ص 704-705 مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد)

کھجور کے پانی کو معمولی جوش دیا جائے تو یہ نبیذ ہے فقہاء احناف کے قول کے مطابق اس کا پینا جائز ہے بشرطیکہ یہ میٹھا ہو جائے اور جب یہ گاڑھا ہو جائے اور جھاگ چھوڑ دے۔ تو اما ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ دوا اور طاقت حاصل کرنے کے لئے اس کا پینا جائز ہے البتہ اگر یہ نشہ آور ہو تو اس کا پینا جائز نہیں ہے۔

نبیذ ان چار شرابوں کے علاوہ ہے اور اس عبارت میں تصریح ہے کہ جب وہ نشہ آور ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا پینا جائز نہیں ہے۔

2- علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

و روایة عبدالعزیز عن ابی حنیفة و سفیان انھما سئلا فیمن شرب البنج فارتفع الی راسه وطلق امراته ھل یقع قالا ان کان یعلمه حین شربه ما ھو یقع۔ (فتح القدیر شرح ہدایہ ج 5 ص 82 مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

عبدالعزیز نے بیان کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور سفیان سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص بھنگ کے نشہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے تو کیا اس کی طلاق واقع ہو جائے گی؟ امام ابوحنیفہ اور سفیان نے کہا اگر بھنگ پیتے وقت اس کو بھنگ کا علم تھا اس کی طلاق ہو جائے گی۔

بھنگ بھی ان چار شرابوں کے علاوہ ہے اور اس عبارت میں تصریح ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھنگ کے نشہ سے طلاق ہو جاتی ہے۔

3- امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں۔

تری الحد علی السکران من نبیذ کان او غیره ثمانین جلدة بالسوط الی قوله و ھو قول ابی حنیفه رحمة الله تعالیٰ۔

(کتاب الآثار ص 137 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

جس شخص کو نبیذ یا کسی اور مشروب سے نشہ ہو جائے تو ہماری رائے میں اس کو اسی کوڑے حد گائی جائے گی۔ اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

اس عبارت میں امام محمد نے صاف تصریح کی ہے کہ جس مشروب سے بھی نشہ ہو امام ابوحنیفہ کے نزدیک نشہ والے شخص پر اسی کوڑے حد لگائی جائے گی۔

4- شمس الآئمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں۔

ان السکر من النبیذ موجب للحد کشرب الخمر۔

(المبسوط سرخسی جلد 24 ص 29 مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

نبیذ سے نشہ ہو تو اس سے حد لگانا اس طرح واجب ہے جس طرح خمر پینے سے حد لگانا واجب ہے۔

5- علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

ومن سکر من النبیذ حد۔

(ہدایہ اولین ص 506 مطبوعہ مکتبہ امدادیہ)

جس شخص کو نبیذ سے نشہ ہو گیا اس کو حد لگائی جائے گی۔

6- علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں۔

ای شراب کان غیر الخمر اذا شربہ لا یحد الا اذا سکر بہ۔

(رد المحتار ج 3 ص 225 مطبوعہ عثمانیہ استنبول)

خمر کے علاوہ کسی شراب کو بھی پیا جائے اس سے حد لازم نہیں ہوگی البتہ اگر اس سے نشہ ہو جائے تو حد لازم ہوگی۔

7- علامہ علاؤالدین حصکفی لکھتے ہیں۔

او سکر من نبیذ حد۔ (در المختار ج 3 ص 225)

نبیذ سے نشہ ہو جائے تو حد لگائی جائے گی۔

فتاوی عالمگیری میں ہے۔

من سکر من النبیذ حد۔

جس شخص کو نبیذ سے نشہ ہو جائے اس کو حد لگائی جائے گی۔

مبسوط سرخسی، ہدایہ، در مختار، رد المختار اور عالمگیری سے ہم نے اس پر حوالہ جات پیش کئے

ہیں کہ نبیذ یا خمر کے علاوہ کسی اور مشروب سے نشہ ہو جائے تو اس پر حد ہے ہر چند کہ ان عبارات میں امام ابوحنیفہ کے قول کی تصریح نہیں کی گئی لیکن اہل علم سے یہ مخفی نہیں ہے کہ فقہاء احناف کی کتابوں میں جب مطلقاً کسی مسئلہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ امام ابوحنیفہ کا ہی قول ہوتا ہے اور جہاں امام محمد یا امام یوسف کے قول پر فتویٰ ہوتا ہے یہ تصریح کر دی جاتی ہے کہ یہاں امام اعظم کا یہ موقف ہے اور فتویٰ امام محمد امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔ لہذا ان تمام حوالہ جات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک ہر وہ مشروب حرام ہے جس سے نشہ ہو اور اس کے پینے پر حد لازم ہے اور اگر اس کے نشہ میں بیوی کو طلاق دے دی تو وہ طلاق واقع ہو جائے گی امام ابوحنیفہ کے مذہب اور ان کے اقوال کو بیان کرنے والے امام محمد بن حسن شیبانی ہیں اور انہوں نے کہیں یہ نہیں لکھا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان چار شرابوں کے علاوہ باقی نشہ آور شرابیں حلال ہیں اور ان کے پینے پر حد نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس کتاب آلاثار میں یہ لکھا ہے کہ جس شخص کو نبیذ یا کسی اور چیز سے نشہ ہو جائے اس پر حد ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے، اور جامع الصغیر کی عبارت کی جو اس کے خلاف تخریج اور تفصیل کی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہے اور اس کی تخریج کی بنیاد پر ہدایہ، تبیین الحقائق یا بعض دوسری کتابوں میں جو صرف چار شرابوں کو حرام کہا گیا ہے اور باقی نشہ آور شرابوں کو حلال کہا گیا ہے یا ان پر حد لازم نہیں کی وہ سب صحیح نہیں ہے۔

8- مفسر قرآن حضرت مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی رحمہ اللہ حنفی لکھتے ہیں۔

احناف نے خمر کے موضوع پر طول طویل بحثیں کی ہیں لیکن ہمیں امام محمد کا یہ فیصلہ پسند ہے۔

ما اسکر کثیرۃ فقلیلۃ حرام ہر وہ شراب جس کا کثیر مسکر ہو اس کا تھوڑا بھی حرام ہے۔ انگور، گیہوں، کھجور، انجیر، شہد سے تیار شدہ مشروب امام محمد کے نزدیک قطعاً حرام ہیں۔ صاحب درمختار کا یہ کہنا یفتی کہ قانون حنفی میں اسی پر فتوی ہے اور صرف یہی نہیں کہ شراب جسے قرآن نے خمر کہا ہے وہ حرام ہے بلکہ احناف نے اس معاملہ میں کچھ دوسروں سے زیادہ تشدد آمیز پالیسی اختیار کی ہے وہ اسے صرف حرام نہیں کہتے بلکہ ناپاک اور نجس العین بھی بتاتے ہیں اسے حلال بتانے والے کو دائرہ اسلام میں داخل نہیں سمجھتے۔ مسلمان کے حق میں اسے مالیت والی چیز نہیں مانتے۔ ہر طرح سے اس سے انتفاع پر قدغن قائم کرتے ہیں۔ دواء بھی اس کے استعمال کو ناجائز کہتے ہیں۔ یاد رہے فقہ حنفی میں قانون وہ ہے جس پر ان کے ہاں فتوی ہو۔ اقوال منتشرہ کا نام حنفی نہیں ہے بلکہ لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ شراب پینے

والے کا پسینہ بھی ناپاک ہوتا ہے اور پسینہ آنے سے اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

بہر حال ہمیں احناف کی تفصیلی قانونی بحثوں سے ایک طرف ہو کر شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کا یہ فیصلہ ہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ

نشہ آور ساری شرابیں ائمہ ثلاثہ اور امام محمد کے نزدیک حرام ہیں وہ سب کو خمر ہی قرار دیتے ہیں اور بغیر کسی تفصیل کے سب کو حرام قرار دیتے ہیں اور ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد نے شراب کی ساری قسموں کو حرام قرار دیا ہے اور بلاشبہ اس دور کے مطابق اس رائے کو اپنانا ہی احتیاط کا تقاضا ہے اوجز المسالک شرح موطا امام مالک

(تفسیر معالم القرآن پارہ نمبر 7 جلد نمبر 7 سورۃ المائدہ آیت نمبر 90 مطبوعہ ادارہ تعلیمات القرآن سیالکوٹ پاکستان)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حنفی لکھتے ہیں۔

اشربہ شراب کی جمع ہے شراب ہر بہتی ہوئی چیز کو کہتے ہیں جسے پیا جا سکے، خواہ حلال ہو یا حرام، لیکن شریعت کی اصطلاح میں ان مشروبات کو کہتے ہیں جو نشہ پیدا کرنے والی ہوں۔ والشراب لغة كل مائع يشرب واصطلاحا ما يسكر. (درمختار ج5 ص288)

وہ مشروبات جو شرعاً حرام ہیں چار طرح کے ہیں۔

1- خمر

خمر سے مراد انگور کا کچا رس ہے جس میں جوش پیدا ہو جائے اور جھاگ اٹھنے لگے امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک تمام حرام مشروبات میں جوش اور شدت کی کیفیت کا پیدا ہونا کافی ہے جھاگ کا اٹھنا ضروری نہیں امام ابوحنیفہ کے نزدیک جھاگ کا اٹھنا بھی ضروری ہے حرمت شراب کے معاملہ میں بعض فقہاء احناف نے احتیاطاً صاحبین کی رائے پر فتویٰ دیا ہے۔ و قيل يوخذ في حرمة الشراب بمجرد الاشتداد احتياطا. (ہدایہ جلد چہارم ص477)

اس کے علاوہ جن مشروبات پر خمر کا اطلاق کر دیا جاتا ہے وہ از راہ مجاز ہے۔

(درالمختار ج5 ص288)

خمر کے احکام

خمر سے درج ذیل احکام متعلق ہیں:

1- حرام مشروبات میں سے اسی کو "خمر" سے موسوم کیا جائے گا پھر چوں کہ خمر کی حرمت قرآن

مجید میں مصرح ہے اس لئے اگر کوئی شخص اس کی حرمت کا منکر ہو اور اس کو حلال سمجھتا ہو تو اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔ یکفر مستحلھا لانکارہ الدلیل القطعی

2- خمر بذاتہ حرام ہوگا چاہے اس کی وجہ سے نشہ پیدا ہو یا نہ ہو۔ اس لئے اس کی زیادہ اور کم مقدار میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ ان عینھا حرام غیر معلول بالسکر ولا موقوف علیہ۔

3- پیشاب کی طرح نجاست غلیظہ ہوگا۔

انھا نجسۃ نجاسۃ غلیظہ کالبول۔

4- مسلمان کے حق میں یہ بے قیمت ہو جائے گا اس کی خرید وفروخت جائز نہ ہوگی اگر کوئی شخص اس کو ضائع کر دے یا غصب کر لے تو اس پر تاوان واجب نہ ہوگا۔ حتی لا یضمن متلفھا و غاصبھا ولا یجوز بیعھا

5- اس سے کسی بھی طرح کا نافع اٹھانا مثلاً جانوروں کو پلانا، زمین کو اس کے ذریعہ تر کرنا جسم کے خارجی استعمال اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک دوائی علاج وغیرہ جائز نہیں۔

و حرم الانتفاع بھا ولو یسقی دواب او الطین او نظر للتلھی ادنی دواء او دھن او طعام او غیر ذلک۔

6- اس کے پینے پر بہرحال حد جاری ہوگی چاہے نشہ کی کیفیت پیدا ہوئی ہو یا نہیں ہو۔

یحد شاربھا و ان یسکر منھا

7- خمر بننے کے بعد اگر اس کو پکایا جائے یہاں تک کہ نشہ کی کیفیت ختم ہو جائے تب بھی اس کی حرمت باقی رہے گی البتہ اب جب تک نشہ پیدا نہ ہو جائے اس پر حد جاری نہ ہوگی۔

8- امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا سرکہ بنانا درست ہوگا۔

(ہدایہ ج چہارم ص 478-477. شامی ج 5 ص 89-288)

2- منصف وباذق

انگور کے رس کو اس قدر پکایا جائے کہ اس کا نصف حصہ یا نصف سے زیادہ اور دو تہائی سے کم حصہ جل جائے اور نصف یا ایک تہائی سے زیادہ بچ رہے تو یہ بھی امام ابوحنیفہ کے نزدیک شدت پیدا ہو جانے اور جھاگ چھینکنے کی صورت میں اور صاحبین کے نزدیک محض شدت پیدا ہو جانے کی وجہ سے حرام

ہو جائے گی۔ اگر پکانے کے بعد نصف مقدار باقی رہ جائے تو "منصف" اور تہائی سے زیادہ تو "باذق" کہلاتا ہے۔ امام اوزاعی کے نزدیک یہ دونوں مشروب حلال ہیں۔

3- سکر

کھجور سے حاصل کیا جانے والا کچا مشروب "سکر" اور "نقیع التمر" کہلاتا ہے یہ بھی حرام ہے فھو حرام مکروہ۔۔۔۔

شریک بن عبداللہ کے نزدیک یہ حلال ہے۔

4- نقیع زبیب

کشمش سے حاصل کیا جانے والا کچا مشروب جس میں شدت اور جھاگ پیدا ہو جائے امام اوزاعی اس کو حلال قرار دیتے ہیں۔

حکم

ان تینوں مشروبات اور خمر کے احکام میں فقہاء نے فرق کیا ہے۔ اس لئے کہ احناف کے نزدیک ان کی حرمت خمر سے کم تر ہے جن احکام میں فرق کیا گیا وہ حسب ذیل ہیں۔

1- ان مشروبات کی حرمت سے انکار کی وجہ سے تکفیر نہیں کی جائے گی اس لئے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ان کی حرمت پر اتفاق نہیں ہے اس طرح ان کی حرمت قطعی باقی نہیں رہی بلکہ اس کی حیثیت ایک اجتہادی مسئلہ کی ہے۔

لان حرمتها اجتهادية وحرمة الخمر قطعيه

2- ان مشروبات کے نجس ہونے پر فقہاء احناف متفق ہیں تاہم بعض حضرات کے نزدیک یہ بھی نجاست غلیظہ ہیں اور بعض کے نزدیک نجاست خفیفہ، سرخسی اور صاحب نہر نے ان کے نجاست خفیفہ ہونے کو ترجیح دی ہے۔

3- امام ابو حنیفہ اور قاضی ابو یوسف کے نزدیک یہ اس مقدار میں حرام ہوں گے جس سے نشہ پیدا ہو جائے چنانچہ اگر اتنی مقدار میں پی گئی کہ نشہ پیدا نہ ہونے پائے تو شراب کی سزا (حد) جاری نہیں ہو گی۔

لا يجب الحد بشربها حتى يسكر و يجب يشرب قطرة من الخمر

4- امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ مشروبات ذی قیمت (متقوم) ہوں گے چنانچہ ان کو فروخت کرنا امام صاحب کے نزدیک درست ہوگا اور اس کو ضائع کرنے والے کو تاوان ادا کرنا ہوگا البتہ یہ تاوان خود ان مشروبات کی شکل میں ادا نہیں کیا جاسکے گا بلکہ قیمت ادا کرنی ہوگی قاضی ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک یہ مشروبات بھی بے قیمت ہیں۔

5- ان سے کسی طرح کا نفع اٹھانا جائز نہ ہوگا۔

(الھدایہ چہارم ص 78-477. شامی ج 5 ص 89-288)

حلال مشروبات

اسی طرح جو مشروبات حلال ہیں وہ چار ہیں چاہے ان میں شدت پیدا ہوجائے:

1- کھجور اور کشمش کی نبیذ جس کو تھوڑا سا پکایا جائے۔ ان طبخ ادنی طبخة۔

2- کھجور اور کشمش کی مخلوط نبیذ جس کو تھوڑا سا پکا دیا جائے۔

3- شہد، گیہوں وغیرہ کی نبیذ چاہے پکائی گئی ہو یا نہیں۔

4- "مثلث غبی"۔۔۔ یعنی انگور کے رس کو اس قدر پکایا جائے کہ دو تہائی جل جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے۔

لیکن اس کے حلال ہونے کے لئے چند شرطیں ہیں:

اول یہ کہ ان مشروبات کے پینے کا مقصود لہو ولعب کا نہ ہو بلکہ قوت حاصل کرنا مقصود ہو، تا کہ نماز، روزہ، جہاد میں سہولت ہو، یا کسی بیماری میں اس سے فائدہ پہنچنے کا امکان ہو۔

التقوی فی اللیالی علی القیام فی الایام علی الصیام و القتال لاعداء الاسلام اولتداوی لدفع الالام۔

اگر لہو لعب مقصود ہو تو بالاتفاق حرام ہے۔ دوم یہ کہ اتنی مقدار نہ ہو کہ اس سے نشہ پیدا ہو۔ مالم یسکر۔۔۔ اگر غالب گمان ہو کہ اس کے پینے سے نشہ آجائے گا۔ تو پھر اس کا پینا درست نہیں۔

لیکن امام محمد کو اس مسئلہ میں شیخین سے اختلاف ہے ان کے نزدیک ان مشروبات میں اگر شدت کی کیفیت پیدا ہوجائے تو یہ بھی حرام ہوجاتے ہیں چاہے مقدار کم ہو یا زیادہ، بہر حال وہ حرام ہوں

گی۔ ان کے پینے پر شراب کی سزا نافذ کی جائے گی۔ اگر پی کر کوئی بحالت نشہ طلاق دے تو طلاق واقع ہوجائے گی۔ نیز وہ نجس شمار ہوگا یہی رائے ائمہ ثلاثہ کی ہے اور اسی پر متاخرین احناف نے فتوی دیا ہے۔

(دیکھیے رد المحتار ج 5 ص 93-292) (ماخوذ قاموس الفقہ ص 339 تا 343 مطبوعہ میر محمد کراچی)

اعتراض نمبر ㊳

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ㊳: درندوں کے چمڑے کا استعمال ممنوع ہے

حدیث نبوی ﷺ

عن ابی الملیح بن اسامة عن ابیه عن النبی ﷺ نهی عن جلود السباع

ترجمہ: سیدنا اسامہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے درندوں کے چمڑے استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(ابو داوٗد کتاب اللباس باب في جلود النمور والسباع رقم الحديث 4132) (نسائي ج2 كتاب الفرع والعتيرة باب النهي عن الانتفاع بجلود السباع ص 191. رقم الحديث 4258) (مسند احمد ج5 ص 74,75 رقم الحديث 2073120725)

فقہ حنفی

كل اهاب دبغت فقد طهر و جازت الصلوة فيه والوضوء منه الا جلد الخنزير والادمی

(هداية اولين كتاب الطهارة باب الماء الذي يجوز به الوضوء ومالا يجوز به ص 4)

ہر چمڑا دباغت کے بعد پاک ہوجاتا ہے اس میں نماز پڑھنا یا اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ مگر خنزیر اور انسان کا چمڑا پاک نہیں ہوتا۔

(فقہ و حدیث ص 77)

جواب: فقہ حنفی کے دلائل

اس مسئلہ میں احناف کے پاس کافی احادیث موجود ہیں جن میں آتا ہے کہ چمڑا دباغت سے پاک ہوجاتا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ①:

عن سودۃ زوج النبی ﷺ قالت ماتت لنا شاۃ فدبغنا مسکھا ثم مازلنا ننبذ فیہ حتی صار شنا۔ (بخاری)

ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں کہ ہماری ایک بکری مرگئی تو ہم نے اس کے چمڑے کو دباغت دی پھر ہم نبیذ (جو کھجور اور پانی سے تیار ہوتی ہے) اس میں ڈالتے تھے یہاں تک وہ پرانی مشک بن گیا۔

حدیث نمبر ②:

عن عبداللہ بن عباس قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول اذا ذبح الاھاب فقد طھر۔ (مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا کہ جب چمڑے کو دباغت دی جاتی ہے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔

حدیث نمبر ③:

عن عائشۃ رضی اللہ عنھا ان رسول اللہ ﷺ امر ان یستمع بجلود المیتہ اذا دبغت (موطا امام مالک)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جب مردار جانور کے چمڑے کو دباغت دی جائے تو اس کے استعمال سے فائدہ اٹھایا جائے۔

ف: کیوں کہ چمڑا دباغت (رنگنے) سے پاک ہو جاتا ہے۔

حدیث نمبر ④:

عن سلمۃ بن المحبق قال ان رسول اللہ ﷺ جاء فی غزوۃ تبوک علی اھل بیت فاذا قربۃ معلقۃ فسال الماء فقالوا لہ یا رسول اللہ

انما میتہ فقال دباغھا طھورھا۔ (مسند احمد)

حضرت سلمہ بن محبق رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک میں ایک گھر پر تشریف فرما ہوئے تو اس میں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا آپ نے پانی مانگا۔ گھر والوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ مشکیزہ مردہ جانور کے چمڑے کا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دباغت اس کو پاک کرنے والی ہے۔

حدیث نمبر ⑤:

عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قال ایما اھاب دبغ فقد طھر۔

(ترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چمڑے کو دباغت دی جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔

حدیث نمبر ⑥:

عن جابر بن عبد اللہ قال کنا نصیب مع رسول اللہ ﷺ فی مغانمنا من المشرکین الاسقیۃ فنقتسمھا و کلھا میتہ فننتفع بذلك۔

(طحاوی)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات کے مال غنیمت میں مشرکین کے مشکیزے ملا کرتے تھے تو ہم ان کو تقسیم کر لیتے تھے حالانکہ یہ مشکیزے مردار جانوروں کے ہوتے تھے اور ان کے استعمال سے نفع حاصل کرتے تھے۔

حدیث نمبر ⑦:

عن عبد اللہ بن عباس قال تصدق علی مولاۃ لمیمونۃ بشاۃ فماتت فمر بھا رسول اللہ ﷺ فقال ھلا اخذتم اھابھا فدبغتموہ فانتفعتم بہ فقالوا انھا میتہ فقال انما حرم اکلھا۔ (طحاوی)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ام المومنین

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک باندی کو ایک بکری خیرات میں دی تھی اور وہ مرگئی تو رسول اللہ ﷺ کا گزر اس پر ہوا اور آپ نے فرمایا کہ کیوں تم نے اس کے چمڑے کو نہیں لیا کہ اس کو دباغت دے کر اس سے نفع حاصل کرتے۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ وہ مردار ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ صرف اس کا گوشت کھانا حرام ہے۔

حدیث نمبر ⑧:

قال ماتت شاة لسودة بنت زمعة فقالت یا رسول الله صلی الله علیه وسلم فلانه یغنی الشاة قال فلولا اخذتم مسکها فقالت تاخذ مسك شاة قد ماتت فقال النبی صلی الله علیه وسلم انما قال الله (قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمه الایة فانه لا باس بان تذبعوه فتنتفعوا به قالت فارسلت الیها فسلخت مسکها فذبغته فاتخذت منه قربة حتی تخرفت۔ (طحاوی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کی ایک بکری مرگئی انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ مرگئی ہے یعنی بکری آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیوں تم نے اس کے چمڑے کو نہیں لیا؟ سودہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ ہم کیسے بکری کے چمڑے کو لے سکتے تھے؟ جو مردار ہوگئی ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ انعام کی آیت (پ 8 رکوع 18) میں یہی فرمایا ہے: قل لا اجد فی او لحم خنزیر فانہ رجس "(اے پیغمبر ﷺ ان لوگوں سے) تم فرماؤ (ان چیزوں میں سے جن کو تم حرام کہتے ہو) میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی ہوئی کسی کھانے والے پر کھانا حرام مگر یہ مردار ہو یا رگوں کا بہتا خون یا بد جانور کا گوشت وہ نجاست ہے۔ اس لئے اگر تم اس کو (یعنی مری ہوئی بکری کے چمڑے کو) دباغت دے دیتے اور اس سے نفع اٹھاتے تو کوئی حرج نہیں تھا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آدمی روانہ کر دیا اور کھال کھنچوا کر منگوالی اور اس کو دباغت دلوا کر اس سے مشکیزہ بنوایا۔ وہ استعمال میں رہا یہاں تک کہ وہ پھٹ گیا۔

حدیث نمبر ⑨:

عن میمونه قالت مر علی النبی ﷺ رجال من قریش یجرون شاة لهم مثال الحمار فقال لهم رسول الله ﷺ لو اخذتم اهابها قالوا انها میتته فقال رسول الله ﷺ یطهرها الماء والقرظ ۔ (ابوداود)

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس چند قریش کے لوگ اپنی ایک مری ہوئی بکری کو جو گدھے کی طرح پھول گئی تھی کھینچتے ہوئے لے جا رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کاش تم نے اس کے چمڑے کو لے لیا ہوتا تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ وہ مردار ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پانی اور کیکر پاک کر دیتے ہیں۔ (اور یہ بھی دباغت کی ایک قسم ہے)

حدیث نمبر ⑩:

عن عائشه قالت قال رسول الله ﷺ استمتعوا بجلود المیتة اذا هی دبغت ترابا کان او رمادا او ملحا او ما کان بعد ان یظهر صلاحه۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مردار جانور کے چمڑے کے استعمال سے جب اسے دباغت دی جائے تو فائدہ اٹھاؤ خواہ دباغت مٹی سے دی گئی ہو یا راکھ سے یا نمک سے یا ایسی چیز سے دباغت دی گئی ہو کہ جس سے چمڑے میں صلاحیت پیدا ہو جائے۔

ناظرین ہم نے دس احادیث نقل کر دی ہیں جن میں صاف مذکور ہے کہ دباغت دینے سے چمڑا پاک ہو جاتا ہے اب رہی یہ بات کہ دباغت کسے کہتے ہیں تو عرض ہے:

چمڑے سے اس کی بدبو اور ناپاک رطوبتوں کے دور کرنے کو دباغت کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ دباغت کی دو قسمیں ہیں۔

1- حقیقی 2- حکمی

دباغت حقیقی یہ ہے کہ چمڑے کو داوؤں کے ذریعہ مثلاً نمک، انار کے چھلکے، ماز واور کیکر یعنی ببول کے پتوں سے پاک کیا جائے اور دباغت حکمی یہ ہے کہ چمڑے کو دھوپ میں اس طرح تپایا جائے یا مٹی اور راکھ میں اس طرح روندا جائے کہ اس کی بدبو اور رطوبت دور ہو جائے۔

دباغت حقیقی سے چمڑا ہمیشہ کے لئے پاک ہو جاتا ہے اور اس کی نجاست پھر عود نہیں کرتی البتہ دباغت حکمی میں اختلاف ہے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں منقول ہیں ایک یہ کہ نجس رطوبت پانی کی تری کی وجہ سے عود کر جائے گی تو چمڑا پھر نجس ہو جاتا ہے دوسری روایت میں ہے کہ دباغت حکمی کے بعد چمڑا دوبارہ پانی میں تر ہو جائے اور رطوبت ظاہر ہو جائے تو یہ رطوبت جو ظاہر ہوئی ہے اصلی پہلے کی رطوبت نہیں ہے کیونکہ چمڑے کی اصلی رطوبت دھوپ یا مٹی یا راکھ سے جا چکی تھی اس وجہ سے چمڑے کو نجس نہیں قرار دیا جاسکتا اور اسی دوسرے قول پر (جس سے چمڑے کا پاک رہنا ثابت ہوتا ہے) فتویٰ ہے (شرح وقایہ، عمدۃ الرایۃ، غیاث اللغات) البتہ مختارات النوازل میں یہ صراحت ہے کہ دباغت حکمی میں اگر چمڑے کو دباغت سے پہلے پانی سے دھولیا جائے اور دھوپ یا مٹی یا راکھ کے ذریعہ دباغت دی جائے۔ تو چمڑے کی نجاست بالاتفاق عود نہیں کرے گی اور یہ دباغت حکمی دباغت حقیقی کے مثل ہو جائے گی۔

وعن ابراهيم قال كل شیء يمنع الجلد من الفساد هو دباغ.

(رواہ محمد فی الآثار)

حضرت ابراہیم سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ہر ایسی چیز جو چمڑے کو خراب ہونے سے روک دے تو یہی اس کے لئے دباغت ہے۔ (کتاب آلاثار)

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اور اس مضمون کی دوسری روایات میں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کے چمڑے کے پہننے اور ان پر سوار ہونے سے جو ممانعت فرمائی ہے اس کے متعلق تفصیل یہ ہے۔ کہ اس حدیث میں جو نہی وارد ہے اس سے نہی تنزیہی مراد ہے اور یہ مسلک امام ابوحنیفہ کا ہے اور حدیث میں نہی اس لئے آئی ہے کہ درندوں کے چمڑوں کو پہننا اور ان کے چمڑوں پر سوار ہونا سرکش لوگوں اور عجمی کفار اور عیش پرستوں کا عام دستور ہے لہذا نیک لوگوں کے لئے ان کا استعمال مناسب نہیں اس لئے مکروہ تنزیہی ہے۔

منع کی بعض روایات میں اہاب کے لفظ بھی آئے ہیں۔ اہاب کہتے ہیں کچی کھال کو اور پکی کھال کو جلد کہتے ہیں فقہ حنفی میں بھی دباغت سے قبل مردار جانور کی کچی کھال اور پٹھے نجس ہیں ان سے نفع لینا جائز نہیں اور نہ ہی ان کی تجارت جائز ہے مردار جانور کی کچی کھال کو پکانے اور خشک کرنے کے بعد اس سے نفع لینا اور تجارت کرنا جائز ہے اسی طرح مردار جانور کے سینگ اور ناخن وغیرہ جن پر زندگی کا اثر نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کو کاٹنے سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے ان سے نفع اٹھانا مطلقاً جائز ہے اور یہی تمام ائمہ کا مذہب ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ: ایک روایت میں حضرت ابوالملیح رضی اللہ عنہ نے درندوں کے چمڑوں کی قیمت کے استعمال کو مکروہ کہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قیمت لینا اس وقت مکروہ ہوگا کہ چمڑے کی دباغت نہ ہوئی ہو اس لئے کہ قبل دباغت چمڑا نجس رہتا ہے لیکن دباغت کے بعد اس کو فروخت کر کے قیمت کا حاصل کرنا مکروہ نہیں ہے اور فتاوی قاضی خاں میں صراحت ہے کہ مردہ جانوروں کے چمڑوں کا فروخت کرنا باطل اور ناجائز ہے بشرطیکہ وہ جانور ذبح کئے ہوئے نہ ہوں، یا ان کو دباغت نہ ہوئی ہو۔

(مرقات)

اعتراض نمبر ۳۹

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ ۳۹: جس چیز کا کثیر نشہ آور ہو اس کا قلیل بھی حرام ہے

حدیث نبوی ﷺ

عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام

ترجمہ: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو چیز زیادہ مقدار میں نشہ آور ہو اس کی کم مقدار بھی حرام ہے۔

(ترمذي ج2 ابواب الاشربة باب ما جاء ما اسكر كثيره فقليله حرام ص 9, رقم الحديث 1565)(ابوداوٗد ج2 كتاب الاشربه باب ما جاء في السكر ص 162 رقم الحديث 3681)(ابن ماجه كتاب الاشربه باب ما اسكر كثيره فقليله حرام ص 243 رقم الحديث 3392،3393،3394)

فقہ حنفی

ولان المفسد هو القدح المسكر وهو حرام عندنا

(ھدایۃ آخیرین ج4 کتاب الاشربہ ص497)

یعنی ہمارے (احناف) کے نزدیک وہ شراب کا پیالہ حرام ہے جس سے نشہ ہوتا ہے۔

(فقہ و حدیث ص78)

جواب:

1- علامہ ابن ہمام حنفی فتح القدیر شرح ہدایہ ج 5 ص 79/80 میں لکھتے ہیں خمر کے علاوہ باقی نبیذوں میں نشہ کی وجہ سے حد لازم ہوتی ہے اور خمر کا ایک قطرہ پینے سے بھی حد لازم آتی ہے خواہ نشہ ہو یا نہ ہو۔

2- امام محمد لکھتے ہیں:

محمد عن یعقوب عن ابی حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنهم قال الخمر قلیلها و کثیرها۔ (کتاب آلاثار ص 154)

امام محمد، امام ابو یوسف سے روایت کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا خمر (شراب) مطلقاً حرام ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر۔

صاحب ہدایہ بھی یہاں پر یہ کہتے ہیں کہ خمر کے علاوہ نبیذ وغیرہ جب حرام ہوتی ہے جب اس میں نشہ آجائے۔ جب تک نشہ نہیں اس وقت تک حرام بھی نہیں جس جام سے نشہ آئے گا اسی کو حرام کہا جائے گا پہلے جو نبیذ پی ہے وہ صحیح تھی اس میں نشہ نہیں تھا تو اس پر حرام کا حکم کیسے لگے گا۔ ہدایہ کا یہ مسئلہ بالکل درست ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ نبیذ تمر شراب بمعنیٰ خمر کا نہیں بلکہ اس پانی کا نام ہے جس میں چند کھجوریں ڈال دی جائیں تا کہ پانی میٹھا ہو جائے جس طرح آج کل شکر ڈال کر پانی میٹھا کیا جاتا ہے اسی طرح زمانہ رسالت مآب ﷺ میں کھجوریں ڈال کر پانی میٹھا کیا جاتا تھا شرعاً اس مشروب کا پینا بلا کراہت درست ہے حضور اقدس ﷺ نے اس کو بار بار نوش فرمایا ہے چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ①:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے اس پیالہ میں پینے کی طہر چیز پلائی ہے۔ شہد، نبیذ، پانی اور دودھ۔ (مشکوۃ مترجم ج 2 ص 219 مطبوع مکتبہ رحمانیہ لاہور)

حدیث نمبر ②:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا ہم ایک مشک میں رسول اللہ ﷺ کے لئے نبیذ بناتے تھے اوپر کی جانب سے اس کو بند کر دیا جاتا تھا نیچے اس کا دہانہ تھا ہم صبح نبیذ ڈالتے آپ رات کو پی لیتے ہم رات کو نبیذ بناتے آپ صبح پی لیتے۔ (مشکوۃ مترجم ج2ص320)

حدیث نمبر ③:

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ ﷺ کے لئے رات کے پہلے حصہ میں نبیذ ڈالی جاتی تھی آپ اس دن پیتے بعد میں آنے والی رات کو بھی پیتے دوسرے دن اگلی رات بھی اور تیسرے روز عصر تک اگر بچ رہتی خادم کو پلا دیتے یا حکم فرماتے اس کو پھینک دیا جائے۔

(مشکوۃ مترجم ج2ص320)

حدیث کی شرح میں محدثین نے فرمایا کہ اگر بوجہ گرمی وغیرہ کے نبیذ میں نشہ پیدا ہو جاتا (جس کی پہچان رنگ بدلنے یا جھاگ پیدا ہونے وغیرہ سے ہو جاتی ہے) تو حضور اکرم ﷺ اس کے گرانے کا حکم دے دیتے اور اگر نشہ پیدا نہ ہوتو خادم کو پلا دیتے۔ (مرقات ص227ج8)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نبیذ تمر عمدہ و پسندیدہ مشروب ہے۔ البتہ اسے اگر زیادہ دیر تک رکھا جائے تو اس میں کبھی نشہ بھی پیدا ہو جاتا ہے یہ مشروب نشہ آور ہونے سے پہلے بلا کراہت حلال ہے اور نشہ آور ہونے کے بعد بلا شبہ حرام ہے۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے احناف کا مسلک اسی کے مطابق ہے مخالف نہیں۔ فقہ حنفی بھی خمر کے بارے میں یہی کہتی ہے۔ البتہ نبیذ کا حکم جدا ہے ہدایہ میں نبیذ کی ہی بحث تھی نہ خمر کی۔

اعتراض نمبر ㊵

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ㊵: ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا

حدیث نبوی ﷺ

عن ابی موسی عن النبی ﷺ قال لا نکاح الا بولی

ترجمہ: سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

(ابو داوٗد ج 1 کتاب النکاح باب في الولي ص 291، رقم الحدث 2085) (ترمذي ج 1 کتاب النکاح باب ما جاء لا نکاح الا بولي ص 208، رقم الحدیث 1101) (ابن ماجه کتاب النکاح باب لا نکاح الا بولي ص 135 رقم الحدیث 1881)

فقہ حنفی

وینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضاءها وان لم یعقد علیها ولی بکرا اوثیبا (ھدایہ اولین ج 2 کتاب النکاح باب في الاولیاء والاکفاء ص 313)

ترجمہ: یعنی آزر، عاقلہ، بالغہ عورت کا نکاح اس کی رضامندی سے ولی کے بغیر ہو جائے گا وہ کنواری ہو یا بیوہ۔ (فقہ وحدیث ص 79)

جواب:

امام ابوحنیفہ کا طریقہ اجتہاد یہ ہے کہ وہ کسی مسئلہ میں وارد ہونے والی تمام روایات کو پیش نظر رکھ کر ایسا مسلک اختیار کرتے ہیں۔ جس سے حتی الامکان ساری روایات جمع ہو جائیں اور کوئی روایت عمل کرنے سے نہ رہ جائے۔ زیر بحث مسئلہ میں بھی یہی صورت ہے۔ مملوکہ، صغیرہ، مجنونہ کو غلامی، بچپن اور پاگل پن کے عواض کی بنا پر اپنا نکاح خود کرنے کا حق بالاتفاق حاصل نہیں ان کا نکاح ان کے ولی ہی کریں گے لیکن آزاد، عاقلہ اور بالغہ عورت کے بارے میں قرآن وسنت کے قطعی دلائل اس بات کے شاہد ہیں کہ وہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہیں۔ اور ولی کے بغیر اس کا نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ قرآن وسنت کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

قرآن سے دلائل

پہلی آیت

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۳۴﴾

(پارہ نمبر 2 سورۃ بقرہ ایت نمبر 234)

اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جاتے ہیں اور بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیبیاں اپنے آپ کو (نکاح وغیرہ سے) روکے رکھیں چار مہینے اور دس دن پھر جب اپنی میعاد (عدت) ختم کر لیں تو تم کو کچھ گناہ نہ ہوگا ایسی بات میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے لئے کچھ کاروائی (نکاح کی) کریں قاعدہ کے موافق اور اللہ تعالیٰ تمہارے افعال کی خبر رکھتے ہیں۔

اس آیت سے اللہ تعالیٰ کا صاف اور واضح حکم ہم کو ملتا ہے کہ بیوہ عورت اگر بعد از عدت معروف واحسن طریقہ پر اپنا نکاح کسی مرد سے کر لیتی ہے تو وہ کر سکتی ہے اور کسی پر کوئی گناہ یا بار نہیں ہے۔

دوسری آیت

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ

"اگر خاوند بیوی کو تیسری طلاق دے دے تو اس کے لئے وہ عورت حلال نہ رہی۔ جب تک دوسرے کسی شخص سے نکاح کر لے۔ (سورۃ بقرہ آیت 230)

اس آیت سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مطلقہ عورت کو اپنی مرضی سے نکاح کرنے کا حق ہے۔

تیسری آیت

قرآن مجید میں سرپرستوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا۔

فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ

اور اس کے بعد ان کو روکو اگر وہ اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں۔

(سورۃ بقرہ آیت 232)

اس آیت میں اولیاء کو تنبیہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے لفظ "عضل" استعمال کیا ہے جس کے معنی ہیں "ظلم و تنگی"، یعنی اولیاء کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ایک مطلقہ عورت جو کہ معروف طریقہ سے اپنی شادی کرنا چاہتی ہے اسے روکیں یا اس کے لئے کوئی تنگی پیدا کریں یا اس پر کسی قسم کا ظلم روا رکھیں۔ لہٰذا ایسی عورت کو اپنے کفو میں شادی سے روکنے کی سخت اور واضح ممانعت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (سورۃ بقرہ آیت 232)

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پورا کرلیں تو تم انہیں جب کہ وہ نیک طریقہ پر باہم رضامند ہو جائیں اپنے خاوندوں کے ساتھ نکاح کر لینے سے مت روکو۔

اس آیت مبارکہ میں اَنْ یَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ کہ "وہ اپنے خاوندوں سے (اپنی مرضی) سے نکاح کرلیں"۔ یہ جملہ غور طلب ہے کہ اس جملہ میں ایک فعل یعنی نکاح کا ذکر ہو رہا ہے جس کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے لہذا فعل کی نسبت ہمیشہ فاعل کی طرف ہوتی ہے اور اس جملہ کی رو سے فاعل عورتیں ہیں لہذا معلوم ہوا کہ یہ فعل نکاح عورت کر سکتی ہے کہ شارع نے خود اس فعل کی نسبت بطور فاعل عورت یا عورتوں کی طرف کی ہے باقی آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء کو عورت کو اس فعل سے روکنے کا کوئی اختیار نہیں بشرطیکہ یہ فعل عورت معروف یعنی صحیح اور احسن طریقہ سے کر رہی ہو۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اس میں شبہ نہیں کہ قرآن مجید میں بعض مقامات پر عورتوں کا نکاح کرنے کی نسبت ان کی سرپرستوں کی طرف بھی کی گئی ہے۔ (مثلاً سورۃ نور کی آیت نمبر 32 و سورۃ بقرہ آیت نمبر 221) اور ایک جگہ مردوں کو یہ بھی خطاب ہے کہ عورتوں کے ساتھ ان کے گھر والوں کی اجازت سے نکاح کرو (سورۃ نساء آیت 25) لیکن امام ابوحنیفہ کا مسلک ان آیات کے خلاف نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک جیسے عورت اپنا نکاح خود کر سکتی ہے، اس طرح اس کا سرپرست بھی اس کی رضامندی سے نکاح کر سکتا ہے، بلکہ سرپرست کا نکاح میں موجود ہونا اور امام صاحب کے نزدیک مستحب ہے۔ اسی طرح مردوں کے لئے پسندیدہ اور باوقار طریقہ یہی ہے کہ وہ عورتوں کو نکاح کا پیغام خاندان کے واسطے سے ہی بھیجیں ۔ تاہم اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر عورت خاندان اور سرپرست کے واسطے کے بغیر، اپنا نکاح خود کر لے تو اس کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔

احادیث سے دلائل

پہلی حدیث

عن ابن عباس قال: قال رسول اللہ ﷺ الایم احق بنفسها من ولیها، والبکر شامر فی نفسها و اذنها صماتها

(موطا امام مالک کتاب النکاح ص 416 مترجم مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ غیر شادی شدہ (ایم) عورت کو اپنے اوپر ولی کی نسبت زیادہ حق ہے اور کنواری سے اس کے نکاح کے بارے میں اس کی اجازت لی جائے اور اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔

اس حدیث میں لفظ ایم نہایت اہمیت کا حامل ہے جس کے معنی ہیں بغیر ”شوہر والی عورت یا لڑکی“ اب چاہے اس کی شادی سرے سے ہوئی ہی نہ ہو یا وہ بیوہ یا مطلقہ ہوگئی ہو۔

دوسری حدیث

”عن ابی ھریرۃ ؓ قال: قال النبی ﷺ لا تنکح الایم حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن قالوا یا رسول اللہ و کیف اذنھا قال ان تسکت“ (بخاری شریف کتاب النکاح ج6 ص477)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایم (غیر شوہر والی) عورت کا اس وقت تک نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے صاف صاف زبان سے اجازت نہ لے لی جائے۔ اسی طرح باکرہ کا بھی نکاح نہ کیا جائے جب تک وہ اذن نہ دے۔ لوگوں نے کہا وہ اذن کس طرح دے گی حضور ﷺ نے فرمایا اس کا اذن یہ ہی ہے کہ وہ سن کر چپ ہو جائے۔

تیسری حدیث

ابن عباس ؓ قال قال النبی ﷺ الثیب احق بنفسھا من ولیھا و البکر یستاذنھا ابوھا فی نفسھا و اذنھا صماتھا و ربما قال صمتھا اقرارھا۔ (مسلم کتاب النکاح ج1 ص455)

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ثیب (بیوہ یا مطلقہ) عورت اپنی ذات کی زیادہ حق دار ہے اپنے ولی سے اور کنواری سے اس کا باپ اس کی ذات کے لئے اجازت لے اور اجازت اس کا چپ رہنا ہے اور بعض وقت راوی نے کہا کہ اس کا چپ رہنا گویا اقرار ہے۔

چوتھی حدیث

عن ابن عباس ان جاریة بکرا اتت رسول اللہ فذکرت ان اباھا زوجھا و ھی کارھة، فخیرھا النبی ﷺ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی اور کہا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح کرادیا اور وہ اسے ناپسند ہے نبی کریم ﷺ نے اس کو اختیار دے دیا۔

(الفتح الربانی ج1ص16ص162۔ مصنف عبدالرزاق ج6ص 146-47)

مصنف عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے والد سے کہا: تمہارا کیا ہوا نکاح کالعدم ہے۔ اور لڑکی سے کہا جاؤ اور جس سے چاہتی ہو نکاح کرلو۔

پانچویں حدیث

عن عبداللہ بن بریدة عن ابیہ قال: جائت فتاة الی رسول اللہ ﷺ فقالت ان ابی زوجنی ابن اخیہ لیرفع بی حسیئتہ قال: فجعل الامر الیھا فقالت: قد اجزت ما صنع ابی و لکن اردت ان اعلم النساء ان لیس الی الاباء من الامر شیء۔

(سنن ابی ماجہ کتاب النکاح حدیث نمبر 1961 مترجم مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

حضرت بریدة سے مروی ہے انہوں نے کہا ایک نوجوان عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کی کہ میرے والد نے اپنے بھتیجے سے میرا نکاح کردیا ہے تاکہ میری وجہ سے اس کی رذالت دور کردیں۔ آپ نے اسے اختیار دے دیا۔ اس پر اس نے کہا میرے والد نے جو کچھ کردیا ہے وہ مجھے منظور ہے لیکن میری غرض آپ سے پوچھنے کی یہ ہے کہ عورتوں کو معلوم ہوجائے کہ نکاح کے بارے میں باپوں کو کوئی اختیار نہیں۔

چھٹی حدیث

عن خنساء بنت حذام الانصاریة ان اباھا زوجھا و ھی ثیب مکرھت ذلك ماتت رسول اللہ و فرد نکاحہ

حضرت خنساء انصاریہ کہتی ہیں میرا نکاح میرے والد نے ایسی جگہ کیا جہاں میں پسند نہ کرتی تھی اور میں ثیبہ تھی میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی آپؑ نے نکاح فسخ کرادیا۔ (بخاری ج1 ص 78-477)

ساتویں حدیث

عن علی انہ اجاز نکاح امراۃ بغیر ولی انکحتھا امھا برضاھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت یہ کہ انہوں نے ایک ایسی عورت سے نکاح کو جائز قرار دیا جس کا نکاح بغیر ولی کے اس کی ماں نے اس کی مرضی سے کیا تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ 4/2 ص 133 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

آٹھویں حدیث

علی بن عبداللہ قال حدثنا مرحوم قال سمعت ثابتا البنانی قال کنت عند انس و عندہ ابنۃ لہ قال انس جائت امراۃ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعرض علیہ نفسھا قالت یارسول اللہ انك بی حاجة فقالت بنت انس ما اقل حبائها و اسوہ اتاہ و اسواتاہ قال ھی خبر منك رغبت فی النبی ﷺ فعرضت علیہ نفسھا

علی بن عبداللہ مرحوم سے ثابت بنانی کہتے ہیں میں نے انس رضی اللہ عنہ کے پاس تھا ان کے پاس ان کی ایک بیٹی بھی بیٹھی تھی۔ انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک عورت آنحضرت ﷺ کے پاس آئی اس نے اپنا نفس آپؐ کو پیش کیا۔ عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کو میری خواہش ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بیٹی کہنے لگی کیا بے شرم عورت تھی افسوس افسوس انس رضی اللہ عنہ نے کہا وہ عورت تجھ سے بہتر تھی اس نے تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اپنا نفس آپ کو پیش کیا۔

(بخاری مع تیسیر الباری ج5 ص 97 حدیث نمبر 107 نعمانی کتب خانہ لاہور)

یہ حدیث مبارکہ بخاری شریف کی کتاب النکاح میں وارد ہوئی ہے حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ مجھ کو معلوم نہیں ہوا کہ یہ کون سی عورت تھی بہر حال ان عورتوں میں سے تھی

جنہوں نے اپنے تئیں آنحضرت ﷺ کو بخش دیا۔

قسطلانی نے کہا کہ اس حدیث سے یہ نکلا کہ نیک بخت اور دیندار مرد کے سامنے اگر عورت اپنے تئیں پیش کرے تو اس میں کوئی عار کی بات نہیں البتہ دنیاوی غرض سے ایسا کرنا برا ہے۔

مندرجہ بالا جلیل القدر علماء کی آراء سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں اولا یہ کہ ایسے واقعات ایک سے زیادہ مرتبہ رونما ہوئے کہ کسی عورت نے اپنے آپ کو حضور ﷺ کی ذات اقدس میں بغرض نکاح پیش کیا ہو اور ثانیا یہ کہ اگر عورتوں کو اپنا نکاح خود کرنے یا نکاح کے لئے اپنی رائے کے اظہار کی اجازت نہ ہوتی جیسا کہ راشدی صاحب کی رائے ہے تو کسی عورت کی مجال ہو سکتی تھی کہ دربار رسالت حاضر ہو اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں اپنی اس رائے کا اظہار کرے اور اگر کوئی اس کی جسارت کر بھی لے تو حضور ﷺ اس کو اپنے قول یا فعل سے نہ روکیں لہذا یہ حدیث سنت تقریری کے ضمن میں اس مسئلہ کے حوالہ سے آتی ہے کہ ایک فعل حضور ﷺ کے سامنے ہو اور حضور ﷺ نے اس فعل کے کرنے والے کو نہ روکا نہ منع فرمایا اور نہ ہی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

نویں حدیث

عن ام سلمة. لما بعث النبی ﷺ یخطبها قالت لیس احد من اولیائی شاهد. فقال رسول الله ﷺ " لیس احد من اولیائك شاهد و لا غائب یکره ذلك. فقالت لابنها یا عمر قم فزوج رسول الله فزوجه.

حضرت ام سلمۃ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جب نبی کریم ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا تو انہوں نے کہا میرا کوئی ولی موجود نہیں ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارا کوئی موجود و غیر موجود ولی ایسا نہیں جو یہ نکاح ناپسند کرے گا۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے سے کہا عمر اٹھو اور میرا اللہ کے رسول سے نکاح کرا دو اور عمر نے اپنی ماں کا نکاح کرا دیا۔

(سنن نسائی کتاب النکاح ج 2 مترجم خلاصہ حدیث)

دسویں حدیث

عن ابی سملة بن عبد الرحمن انه سل عبد الله بن عباس و ابو هریرة

عن المراة الحامل يتوفى عنها زوجها فقال ابن عباس اخر الاجلين وقال ابو هريرة اذا ولدت فقد حلت فدخل ابو سلمة بن عبدالرحمن على ام سلمة زوج النبی ﷺ فساء لها عن ذلك فقالت ام سلمة ولدت سبيعة الاسلمية بعد وفات زوجها بنصف شهر فخطبها رجلان احدهما شاب والاخر كهل فحطت الی الشاب فقال الكهل تحلی بعد و كان اهلها غيبا ورجا اذا جاء اهلها ان يوثروه بها فجاءت رسول الله ﷺ فذكرت له ذلك فقال قد حللت فانكحي من شئت۔

ترجمہ: ابی سلمہ بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عباس ؓ اور ابو ہریرہ ؓ سے سوال ہوا کہ حاملہ عورت کا خاوند اگر مرجائے تو وہ کس حساب سے عدت کرے۔ ابن عباس ؓ نے کہا کہ دونوں عدتوں میں سے جو عدت دور ہو اس کو اختیار کرے اور ابو ہریرہ ؓ نے کہا وضع حمل تک انتظار کرے پھر ابو سلمہ حضرت ام سلمہ کے پاس گئے اور ان سے جا کر پوچھا انہوں نے کہا کہ سبیعہ اسلمیہ اپنے خاوند کے مرنے کے بعد پندرہ دن میں جنی پھر دو شخصوں نے اس کو پیام بھیجا ایک جوان تھا اور دوسرا ادھیڑ وہ جوان کی طرف مائل ہوئی ادھیڑ نے کہا تیری عدت ہی ابھی نہیں گزری اس خیال سے کہ اس کے عزیز وہاں نہ تھے جب وہ آئیں گے تو شاید اس عورت کو میری طرف مائل کر دیں پھر سبیعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور یہ حال بیان کیا کہ آپ نے فرمایا تیری عدت گزر گئی تو جس سے چاہے نکاح کرلے۔

حاصل

یہ وہ دلائل ہیں جن کی بنا پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عورت اپنا نکاح خود کر سکتی ہے۔ اور اس کو یہ اختیار حاصل ہے اور کسی کو اس پر جبر کا حق حاصل نہیں۔

لیکن امام ابو حنیفہ عورت کے اس حق کو دو شرطوں سے مشروط کرتے ہیں۔

اولا: یہ کہ عورت جو نکاح کرے وہ کفو میں کرے۔

ثانیا: یہ کہ وہ کم از کم نکاح میں مہر مثل مقرر کرے۔

عورت کا ایسا کیا ہوا نکاح جائز اور نافذ سمجھا جائے گا اور عورت کسی گناہ کی مرتکب نہ ہوگی اور نہ ہی یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے حد سے تجاوز کیا۔

ناظرین کرام ہم نے یہاں پر صرف تین آیات قرآنی اور دس احادیث نقل کی ہیں۔ ویسے اس مسئلہ میں دلائل کافی ہیں ایک انصاف پسند آدمی کو اتنی بات کافی ہے۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔ یہ روایت نہ بخاری میں ہے اور نہ مسلم میں اور ہم نے اوپر جو دس احادیث پیش کی ہیں ان میں بخاری مسلم کی روایات بھی موجود ہیں۔ ویسے یہ روایت ہمارے خلاف نہیں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اس حدیث کا تعلق نابالغہ اور غیر عاقلہ سے ہے یعنی کمسن لڑکی اور دیوانی لڑکی کا نکاح اس کے ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا۔

نواب نورالحسن خان بن نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں

وحدیث لا نکاح الا بولی مرسل است۔

اور لا نکاح الا ولی والی حدیث مرسل ہے۔ (عرف الجادی ص 106)

اور موجود غیر مقلدین کی اکثریت مرسل حدیث کو نہیں مانتی۔

اعتراض نمبر ㊶

مسئلہ ㊶: جس برتن میں کتا منہ ڈالے اسے سات بار دھونا ضروری ہے

حدیث نبوی ﷺ

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا شرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسلہ سبع مرات

ترجمہ: سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو اس کو چاہئے کہ برتن کو سات بار دھوئے۔

(بخاري ج1 كتاب الوضوء باب اذا شرب الكلب في الاناء ص 29. رقم الحديث 172)

(مسلم ج1 كتاب الطهارة باب حكم الولوغ الكلب ص 137 رقم الحديث 650)

فقہ حنفی

يغسل الاناء من لوغة ثلاثا

(ھدایة اولین ج 1 کتاب الطھارة باب الماء الذي يجوز به الوضوء ومالايجوز به ص 48)

کتے کے منہ ڈالنے کی وجہ سے برتن کو تین بار دھویا جائے گا۔

(فقہ و حدیث ص 80)

جواب:

کتے کے جھوٹے برتن کو دھونے کے متعلق مختلف احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں سے چند ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

1- کتے کے جھوٹے برتن کو سات دفعہ دھوڈالو آٹھویں دفعہ مٹی سے مانجھو۔

(مسلم عن عبداللہ بن المغفل)

2- کتے کے جھوٹے برتن کو سات مرتبہ دھوؤ۔ (بخاری مسلم عن ابی ہریرۃ)

3- کتے کے جھوٹے برتن کو تین مرتبہ دھوؤ۔

(کامل ابن عدی عن ابی ہریرۃ ہذا صحیح او حسن. معارف السنن ج 1 ص 325)

یہ آنحضرت ﷺ کے تین حکم ہیں آٹھ مرتبہ دھونا سات مرتبہ دھونا تین مرتبہ دھونا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

کتا برتن میں منہ ڈال دے تو تین مرتبہ دھونا چاہیے۔

(دارقطنی. طحاوی بسند صحیح. آثار السنن ج 1 ص 12)

محدث طحاوی فرماتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا تین بار دھونے کا فتویٰ دینا واضح دلیل ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سات دفعہ دھونے والی حدیث منسوخ ہے کیونکہ ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حسن ظن رکھتے ہیں یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے کچھ اور سنیں اور پھر فتویٰ آپ کے خلاف دیں۔ اس سے تو آپ کی عدالت ہی ساقط ہوجائے گی اور صحابہ سب کے سب عادل ہیں۔

(طحاوی ج 1 ص 23)

مکہ مکرمہ کے مفتی حضرت عطاء سے جب کتے کے جھوٹے برتن کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا میں نے یہ سب سنا ہے سات مرتبہ پانچ مرتبہ اور تین مرتبہ۔ (عبدالرزاق ج1 ص97)

مدینہ منورہ کے مفتی حضرت معمر جو سات اور آٹھ دفعہ دھونے کی حدیث کے راوی ہیں کہتے ہیں میں نے امام زہری سے کتے کے جھوٹے برتن کا مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا تین مرتبہ دھویا جائے۔ (مصنف عبدالرزاق ج1 ص:97)

کوفہ کے مفتی سید الامام الاعظم بھی یہی فتوی دیتے تھے کہ برتن تین مرتبہ دھویا جائے۔

آنحضرت ﷺ سے تین حکم مروی ہیں جو بظاہر متعارض ہیں اور خود آنحضرت ﷺ سے ان کے بارہ میں کوئی فیصلہ مروی نہیں کہ کون سا پہلے کا ہے اور کون سا بعد کا۔ اور جو فیصلہ صراحتاً کتاب وسنت میں موجود نہ ہو اس میں بنص حدیث معاذ رضی اللہ عنہ مجتہد اجتہاد سے جو فیصلہ دے وہ لازم العمل ہوگا۔

ایک اور واضح حدیث

احادیث پر نظر رکھنے والا جانتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں کتوں کے بارہ میں احکام بہت سخت تھے ان کو مار ڈالنے کا حکم تھا بعد میں ان سے شکار کھیلنے کی اجازت مل گئی اور احکام نرم کر دیئے گئے اس لئے خیر القرون میں تمام مراکز اسلام، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، کوفہ میں فتویٰ تین پر ہی رہا۔

راشدی صاحب نے احناف کثر اللہ سوادہم پر اعتراض کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ سے بھی دھوکا کیا کہ آپؐ کے تین حکموں میں سے ایک حکم بتایا اور دو کو چھپایا۔

دوسرا فریب یہ کہ صحابی رسول اللہ ﷺ اور تابعین کے صحیح فتوؤں کو چھپایا انہوں نے تین والی حدیث پر فتوی دیا تھا اس نے خیر القرون والوں کے خلاف محض ضد اور نفسانیت سے اس فتویٰ کی مخالف کی۔

ہدایہ کی مکمل عبارت

اور کتے کا جھوٹا ناپاک ہے اور جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اس کو تین مرتبہ دھویا جائے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کتے کے جھوٹے برتن کو تین مرتبہ دھوؤ۔ اور کتے کا منہ پانی کو لگا تھا نہ کہ برتن کو تو جب برتن ناپاک ہوگیا تو پانی بہ درجہ اولی ناپاک ہوگیا یہ دلیل ہے کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے۔

اور حدیث شریف میں تین مرتبہ کا عدد امام شافعی پر حجت ہے جو سات مرتبہ کو شرط قرار دیتے ہیں کتے کا

پیشاب جہاں لگ جائے تو (بالاتفاق) تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوجائے گا اور حدیث میں جو سات مرتبہ دھونے کا حکم ہے وہ اسلام کے ابتدائی دور سے متعلق ہے (اب منسوخ ہے)

(ہدایہ ج 1 ص 45)

دیکھو صاحب ہدایہ نے مسئلہ کا ثبوت حدیث پاک سے دیا تھا اور قیاس والی دلیل بھی نقل کی تھی اور سات والی روایت کا جواب بھی دیا تھا۔ مگر راشدی صاحب نے ہدایہ کی عبارت نقل کرنے میں انتہائی خیانت کی ہے۔ راشدی صاحب نے فقہ کے ایک مسئلہ کو حدیث کے خلاف ثابت کرنے کے لئے تین زبردست بے ایمانیاں کیں۔

1- احادیث رسول سے بے ایمانی۔

2- خیر القرون سے بے ایمانی۔

3- ہدایہ سے بے ایمانی۔

نوٹ:

لا مذہب اپنی بد دیانتیوں کو چھپانے کے لئے جلدی سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ سات والی حدیث صحیح ہے اور تین والی ضعیف ہے ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ سات والی حدیث کو صحیح اور تین والی کو ضعیف اللہ کے نبی نے کہا ہے یا کسی امتی نے اگر نبی پاک ؐ نے فرمایا ہے تو حدیث پیش کرو اگر کسی امتی نے کہا ہے تو امتی کی تقلید آپ کے مذہب میں شرک ہے۔

پھر دوسرا سوال یہ ہے کہ وہ امتی خیر القرون کا مجتہد ہے یا بعد القرون کا غیر مجتہد۔ ہم تو خیر القرون کے مجتہد کے مقابلہ میں مابعد خیر القرون کے کسی غیر مجتہد کی بات تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ خیر القرون والوں کی خیریت حدیث صحیح سے ثابت ہے اور بعد والوں کی خیریت حدیث سے ثابت نہیں اور مجتہد کی طرف رجوع حدیث سے ثابت ہے کسی غیر مجتہد کی طرف رجوع حدیث سے ثابت نہیں۔

راشدی صاحب نے احناف پر اعتراض کرنے کے لئے تو دیانت و امانت سب کو خیر باد کہہ دیا مگر صحیح بخاری ص 129 ج 1 پر کتے کے جھوٹے پانی سے وضو کرنے کی اجازت موجود ہے ذرا اس طرف بھی توجہ فرماتے اور آپ کے علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں کتے کا پیشاب پاک ہے (ہدایہ المہدی ج 3 ص 78) اور نواب صدیق حسن غیر مقلد لکھتے ہیں کتے کے گوشت، خون، بال اور پسینہ کے نجس

ہونے پر دلیل نہیں ہے۔ (بدور اھلہ ص 16)

راشدی صاحب نے ان کی تردید میں کیا لکھا ہے جو کسی امتی کے نام سے نہیں بلکہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے نام سے ایسے گندے مسائل پھیلا کر نبی معصوم ﷺ کو بدنام کر رہے ہیں۔ راشدی صاحب آپ کے ابن حزم نے یہ لکھا ہے کہ بیوی کے حق مہر میں کتا دینا جائز ہے۔

اعتراض نمبر (۴۲)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ (۴۲): **اعمال کا دارومدار نیت پر ہے**

حدیث نبوی ﷺ

انما الاعمال بالنیات

ترجمہ: اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

(بخاري ج 1 كتاب العلم باب كيف كان بدا الوحي الي رسول الله صلي الله عليه وسلم ص 2. حديث نمبر 1) (مسلم ج 2 ص 140 کتاب الامارۃ باب قولہ انما الا الاعمال بالنیۃ حدیث نمبر 1907)

فقہ حنفی

ولا يشترط نية التيمم للحدث او للجنابة هو الصحيح من المذهب

(ھدایۃ اولین ج 1 کتاب الطہارۃ باب التیمم ص 51)

حنفی مذہب کے مطابق صحیح فیصلہ یہ ہے کہ تیمم کے لئے نیت شرط نہیں ہے۔ وہ تیمم بے وضو ہونے کی وجہ سے ہو یا جنابت کی وجہ سے۔ (فقہ وحدیث ص 81)

جواب:

راشدی صاحب نے یہاں پر حنفی مذہب غلط نقل کیا ہے حنفی مذہب میں تیمم کے لئے نیت کرنا ضروری ہے ملاحظہ فرمائیں۔

1- قدوری مترجم اردو ص 19 مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی میں ہے۔ نیت تیمم میں فرض ہے۔

2- کنز الدقائق مترجم اردو ص 17 مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی میں ہے۔

تیمم کی نیت کر کے ایک دفعہ دونوں ہاتھ زمین پر مار کر سارے منہ پر پھیرے اور دوسری دفعہ ہاتھ مار کر دونوں کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں پر پھیرے۔

3- شرح وقایہ مترجم اردو ص 73 مطبوعہ میر محمد کراچی میں ہے۔

پس نیت تیمم میں فرض ہے۔

4- ہدایہ اولین ص 38-34 مطبوعہ کارخانہ علی محمد کراچی میں ہے۔

تیمم کرنے والا جب طہارت یا نماز کی نیت کرے تو جائز ہے۔

5- علامہ عینی عمدۃ القاری ج 4 ص 607 مطبوعہ مصر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے تحت لکھتے ہیں۔

اس حدیث میں تیمم میں نیت کے وجوب پر دلیل ہے۔ کیونکہ تیمم کا معنی ہے قصد کرو۔

6- فتاوی عالمگیری اردو جلد 1 ص 38 باب تیمم میں ہے اور پہلی فصل ان چیزوں کے بیان میں جو تیمم میں ضروری ہیں ان میں سے نیت ہے۔

7- مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری حنفی عماد الدین ص 86 مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز میں لکھتے ہیں۔

سوال: تیمم کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: آدمی کو چاہے پہلے نیت کرے الخ

7- مفتی کفایت دہلوی حنفی تعلیم الاسلام حصہ سوم ص 66 مطبوعہ تاج کمپنی کراچی میں لکھتے ہیں۔

سوال: تیمم کرنے کا پورا طریقہ بتاؤ؟

جواب: اول نیت کرے کہ میں ناپاکی دور کرنے اور نماز پڑھنے کے لئے تیمم کرتا ہوں۔ الخ

9- شیخ محمد الیاس فیصل حنفی نماز پیمبر ﷺ ص 89 مطبوعہ سنی پبلیکیشنز لاہور میں لکھتے ہیں۔

تیمم کا طریقہ

تیمم کی نیت کر کے دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر جھاڑ دے الخ

10- اکرام الحق حنفی اسلامیات مکمل جلد اول ص 173 مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ راولپنڈی میں لکھتے ہیں۔

تیمم میں بھی تین فرض ہیں۔ پاکی حاصل کرنے کے لئے تیمم کی نیت کرنا الخ

-11 نماز مسنون کلاں ص 138 مطبوعہ مکتبہ درس القرآن گوجرانوالہ میں ہے۔

مسئلہ

تیمم کے لئے نیت کرنا ضروری ہے۔ (ہدایہ ج 1 ص 26، کبیری ص 64 شرح نقایہ ج 1 ص 26)

ناظرین ہم نے گیارہ حوالے نقل کر دیئے ہیں جس میں ہدایہ کا حوالہ بھی موجود ہے جن میں نیت کرنے کا ذکر ہے یہاں پر ہدایہ میں مسئلہ اور لکھا ہوا ہے۔

راشدی صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے اس کا مطلب اور ہے ہدایہ کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ ضروری یعنی شرط نہیں کہ جنابت کے لئے تیمم کرے تو نیت الگ کرے وضو کے لئے تیمم کرے تو اس کے لئے الگ نیت کرے یہ شرط نہیں ہے۔ ایک کام کے لئے اگر تیمم کر لیا دوسرا کام بھی اس سے ادا ہو سکتا ہے۔

اعتراض نمبر ㊸

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ㊸: گانا سننا حرام ہے

حدیث نبوی ﷺ

عن جابر قال قال رسول الله ﷺ الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء الزرع رواہ البیهقی فی شعب الایمان

ترجمہ: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گانا اسی طرح دل میں نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو اگاتا ہے۔

(السنن الکبری للبیهقي ج 10 ص 223. رقم الحدیث، طبع مکتبہ دار الباز مکة المکرمة) (عن ابن مسعود، في شعب الایمان، طبع دار الکتب العلمیہ بیروت) (ابوداؤد باختصار)

اور دوسری حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جس موقعہ پر گانا بجانا ہو تو وہ دعوت قبول نہ کی جائے۔

جیسا کہ: واجب دعوة من دعاك من المسلمین مالم یظهروا والمعازف فاذا اظهروا المعازف فلا تجبهم

ترجمہ: جو بھی مسلمان تمہیں دعوت دے اگر وہاں گانا بجانا نہ ہو تو دعوت قبول کرو اور اگر گانا بجانا (موسیقی) ہو تو اس کی دعوت قبول نہ کرو۔

فقہ حنفی

من دعا الی ولیمة اوطعام فوجز ثمه لعبا اوغناء فلاباس یان یقعد و یاکل وقال ابو حنیفة ابتلیت بهذا مرة فصبرت۔

(ہدایۃ آخیرین ج4 کتاب الکراہیۃ فصل فی الاکل والشراب بصفحہ 455)

کسی شخص کو ولیمے یا کھانے کی دعوت دی جائے اور وہاں موسیقی اور گانا بجانا ہو تو اس شخص کے وہاں بیٹھنے اور کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ ابوحنیفہ نے کہا ایک بار مجھ پر بھی آزمائش آئی تھی تو میں نے صبر کیا۔ (فقہ وحدیث ص 82)

جواب:

راشدی صاحب نے ہدایہ کی پوری عبارت نقل نہیں کی ہم ہدایہ کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں جس سے اعتراض کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ ہدایہ کی مکمل عبارت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

جس شخص کو ولیمہ یا کسی کھانے کی دعوت دی گئی ہو پھر وہ وہاں پر کھیل کود یا گانا پائے تو (مجبوراً) وہاں بیٹھنے اور کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ ایسی مجلس میں پھنس گیا تو میں نے صبر کیا۔ ایسی مجلس میں صبر کر کے بیٹھنا اور کھانا کھانے کی علت یہ ہے کہ دعوت کو قبول کرنا سنت ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے دعوت کو قبول نہیں کیا تو اس نے ابو القاسم (علیہ السلام) کی نافرمانی کی۔ چنانچہ اس دعوت کے ساتھ بدعت ملنے کی وجہ سے اسے نہ چھوڑے جیسا کہ اگر نماز جنازہ پر نوحہ کرنے والیاں جمع ہو جائیں پھر بھی پڑھنی واجب ہے۔ پھر اگر مدعو لوگو کو اس فعل سے روکنے پر قادر ہو تو روک دے اور اگر قدرت نہ رکھتا ہو تو صبر کرے۔

صبر کرنے کی اجازت اس شخص کو ہے جو مقتدا اور رہنما نہ ہو۔ اگر کوئی مقتدا روکنے پر قادر نہ ہو تو ایسی مجلس سے نکل جائے اور وہاں نہ بیٹھے کیونکہ مقتدا کے وہاں بیٹھنے میں دین کی حقارت اور مسلمانوں پر مصیبت کا دروازہ کھولنا ہے۔

اور یہ قصہ جو امام صاحب کا منقول ہے آپ کے مقتدا بننے سے پہلے کا ہے۔ اور اگر یہ گانا

وغیرہ دسترخوان پر ہی شروع ہو جائے تو پھر وہاں بیٹھنا نہیں چاہیے چاہے مقتدا نہ ہی ہو بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین۔ یہ تمام مذکورہ صورتیں تب ہیں جب یہ گانا وغیرہ مجلس میں حاضر ہونے کے بعد شروع ہوا ہو اور اگر مدعو کو حاضر ہونے سے قبل ہی معلوم ہو جائے تو ایسی مجلس میں حاضر نہ ہو کیونکہ اس کو حق دعوت لازم نہیں ہوا بخلاف اس صورت کے کہ جب حاضر ہونے کے بعد اچانک یہ کام شروع ہو جائے بلکہ اب اس کو حق دعوت لازم ہو چکا ہے۔ اور یہ مسئلہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ گانے بجانے کے تمام آلات حرام ہیں یہاں تک کہ بانسری کے ساتھ بھی اور اسی پر امام صاحب کا قول ابتلیت دلالت کرتا ہے کیونکہ ابتلاء حرام ہی میں ہوتی ہے۔

(ہدایہ کتاب الکراھیۃ)

محترم ناظرین آپ نے ہدایہ کی پوری عبارت کا ترجمہ ملاحظہ فرمالیا اب آپ ہی انصاف فرمائیں کہ صاحب ہدایہ تو گانے بجانے کے تمام آلات حتیٰ کہ بانسری کو بھی حرام فرماتے ہیں اور امام صاحب بھی یہی فرماتے ہیں لیکن جناب راشدی صاحب کو نا معلوم فقہ دشمنی اور احناف کے حسد اور بغض سے کیا ہو گیا کہ اتنی واضح عبارت بھی حضرت کو دکھائی نہ دی۔ یہ تو بالکل ایسے ہی ہے کہ کوئی شخص لاتقربوا الصلوۃ پڑھتا چلا جائے اور اس سے آگے ایک حرف بھی نہ پڑھے ساتھ ساتھ یہ دعویٰ بھی کرے کہ میں نماز نہ پڑھ کر قرآن پر عمل کر رہا ہوں۔ ہمارے حنفی علماء نے تو گانے کے حرام ہونے پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ کچھ کے نام ملاحظہ فرمائیں۔

1- اسلام اور موسیقی۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب۔
2- گانا بجانا قرآن وسنت کی روشنی میں۔ حضرت مولانا زاہد الحسینی صاحب۔
3- حق السماع۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب۔
4- اسلام اور قوالی مفتی فیض الرحمن صاحب

ان کے علاوہ اور کتب بھی اس مسئلہ پر موجود ہیں ان میں تمام تفصیلات موجود ہیں۔ فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث کے مطابق ہے نہ کہ مخالف۔

اعتراض نمبر (۴۴)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ (۴۴): کافر، مشرک اور برہنہ آدمی کا بیت اللہ میں داخلہ ممنوع ہے

حدیث نبوی ﷺ

عن ابی هریرۃ عن النبی ﷺ الا لا یحج بعد العام مشرك ولا یطوف بالبیت عریان

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا۔ اور نہ ہی برہنہ حالت میں بیت اللہ کا طواف کر سکے گا۔

(بخاری ج 1 کتاب الحج باب لا یطوف بالبیت عریان ولا یحج مشرك ص 220 رقم الحدیث 1622 واللفظ له) (مسلم ج 1 کتاب الحج باب لا یحج البیت مشرك ولا یطوف بالبیت عریان الخ رقم الحدیث 1347 ص 435)

اور قران پاک میں بھی ھے: انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا

یعنی: مشرک نجس ہیں اس لئے وہ مسجد حرام کے قریب بھی نہ جائیں۔

فقہ حنفی

لا باس بان یدخل اهل الذمة المسجد الحرام

(هدایة آخیرین 4 کتاب الکراهیة مسائل منفرہ ص 484)

یعنی ذمی کافر کے بیت اللہ میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

(فقہ و حدیث ص 83)

جواب:

یہاں پر مسئلہ خاصی ذمی کافر کا ہے عام کفار یا مشرکوں کا نہیں ہے۔ اس مسئلہ سے متعلق قرآن مجید میں دو آیات ہیں راشدی صاحب نے ایک آیت نقل کر دی اور دوسری کا ذکر نہیں کیا۔ ہم یہاں پر دونوں نقل کر کے ان کی تفسیر سلف صالحین سے نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

أُولَٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ۬ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ

لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ (پارہ نمبر 1 سورۃ البقرہ آیت نمبر 114)

ان کو نہیں چاہئے تھا کہ ان مساجد میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے۔ ان کے لئے دنیا میں رسوائی (جزیہ دینے کی) اور آخرت میں عذاب ہے بڑا۔

علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے اسی آیت سے ثابت کیا ہے کہ اہل زمہ کا مساجد میں داخل ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں جب کہ وہ مغلوب ومقہور ہوں۔

(تفسیر روح المعانی جلد اول ص)

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف غیر مقلد اپنی تفسیر احسن البیان میں لکھتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ خوشخبری اور پیش گوئی ہے کہ عنقریب مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو جائے گا اور یہ مشرکین خانہ کعبہ میں ڈرتے ہوئے داخل ہوں گے ہم نے جو مسلمانوں پر پہلے زیادتیاں کی ہیں، ان کے بدلے میں ہمیں سزا سے دوچار یا قتل نہ کر دیا جائے۔ (تفسیر احسن البیان ص 47 مطبوعہ سعودیہ عربیہ)

دوسری آیت

آنحضرت ﷺ نے 9 ہجری میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اعلان کروایا جو خدا کی طرف سے تھا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ۭ

(پارہ نمبر 10 سورۃ التوبہ آیت نمبر 28)

اے ایمان والو! مشرک (اعتقاداً) نرے مشرک ہیں (اور چونکہ اعتقادی ناپاکوں کی کوئی عبادت قبول نہیں اس لئے وہ حج کے لئے) مسجد حرام کے قریب بھی نہ پھٹکیں اس سال کے بعد (سال کا لفظ اس لئے فرمایا کہ حج کے لئے آنا سال کے بعد ہی ہوتا ہے) اور اگر تمہیں اے مسلمانو! مفلسی کا اندیشہ ہو (کیونکہ حج کے موقع پر کافر تاجر بھی سامان لاتے اور اسی تجارت سے روزی کا سامان بنتا) تو اس کی پرواہ نہ کرو کہ اگر وہ حج کے لئے نہ آئیں گے تو تجارت ختم ہو جائے گی جو اقتصادیات کی جان ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں غنی فرما دیں گے) چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت سنائی تو حج کے اتنے بڑے مجمع میں یہی اعلان فرمایا "الا لا یحج بعد عامنا ھذا مشرك (روح المعانی ج 10 ص 77)

کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لئے نہ آئے۔

معلوم ہوا کہ اس آیت کا مقصد حج وعمرہ سے مشرکین کو روکنا ہے۔ آیت کا یہی مطلب صراحۃ ہدایہ میں مذکور ہے امام مرغینانی فرماتے ہیں: والاية محمولة على الحضور استيلاء واستعلاء او طائفين عراة كما كانت عادتهم في الجاهلية" (ہدایہ ج4 ص472) یعنی اس آیت سورۃ التوبہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ غلبہ وبلندی کے ساتھ اتراتے ہوئے حرم میں داخل نہ ہوں یا حج کے لئے ننگے طواف کرتے ہوئے داخل نہ ہوں۔ جیسا کہ جاہلیت میں ان کی عادت تھی۔ دیکھئے احناف نے اس آیت کا انکار نہیں کیا بلکہ اس کا وہی مطلب بیان کیا جو آیت کے سیاق وسباق سے ظاہر ہے اور جس کا اعلان حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نزول آیت کے وقت مجمع میں فرمایا تھا۔

رسول اقدس ﷺ کا طرزِ عمل

حدیث نمبر ①:

اس آیت سورۃ توبہ کے نازل ہونے کے بعد وفد ثقیف حاضر ہوا اور آنحضرت ﷺ نے انہیں مسجد میں ٹھہرایا۔

(ابوداؤد، کتاب الخراج، باب خبر الطائف ج2 ص72)

حدیث نمبر ②:

طبرانی میں ہے کہ "فضرب لهم قبة في المسجد" ان کے لئے مسجد میں قبہ لگایا گیا۔

(نصب الرایہ ج4 ص270)

حدیث نمبر ③:

اور مراسیل ابی داؤد میں حضرت امام حسن بصری سے روایت ہے کہ جب اس وفد کو حضور ﷺ نے مسجد میں ٹھہرایا تو آپؐ سے کہا گیا آپ ان کو مسجد میں اتار رہے ہیں حالانکہ وہ مشرک ہیں تو آپ نے فرمایا زمین نجس نہیں ہوتی ہے بے شک ابن آدم نجس ہوتا ہے۔

(نصب الرایہ ج4 ص270)

اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ مشرک کی نجاست دخول مسجد میں مانع نہیں ہے۔

آیت کی تفسیر نبی اقدس ﷺ سے

حدیث نمبر ①:

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس سال کے بعد کوئی مشرک مسجد حرام کے قریب نہ جائے ہاں مگر کوئی غلام یا لونڈی جو کسی حاجت کے لئے جائیں۔

(احکام القرآن ج 3 ص 89)

صحابی سے تفسیر

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ صحابی فرماتے ہیں بے شک مشرک نجس ہیں وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ جائیں مگر کوئی غلام یا اہل ذمہ میں سے۔

(تفسیر ابن جریر ج 10 ص 76)

تابعی کی تفسیر

حضرت قتادہ تابعی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں اس سال کے بعد کوئی مشرک مسجد حرام کے پاس نہ جائے مگر کوئی مشرک جو کسی مسلمان کا غلام ہو یا جزیہ دینے والا ذمی ہو۔

(تفسیر ابن جریر ج 10 ص 76)

دور فاروقی میں نصرانی کا حرام میں داخلہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خلافت میں ایک عیسائی بغرض تجارت آیا تو اس سے عشر لیا گیا وہ دوبارہ آیا تو پھر اس سے عشرہ کا مطالبہ کیا گیا اس نے عشر دینے سے انکار کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا جو اس وقت مکہ مکرمہ حرم پاک میں تھے اور خطبہ میں فرمارہے تھے ''ان اللہ جعل البیت مثابۃ للناس'' اس عیسائی نے کہا: امیر المؤمنین! زیاد بن حدیر مجھ سے بار بار عشر مانگتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عشر سال میں تیرے مال پر صرف ایک دفعہ ہے۔ (کتاب الخراج امام ابو یوسف ص 162)

اب اگر امام صاحب نے فرمایا کہ ''لا باس بان یدخل اھل الذمۃ المسجد الحرام'' (ھدایہ ج 4 ص 472) تو یہ قرآن کہ آیت ''یدخلوھا الا خائفین'' کے موافق ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ کے فعل کے موافق ہے، اللہ کے نبی ﷺ کے صحابی رضی اللہ عنہ تابعی کے نزدیک یہ داخلہ آیت توبہ کے خلاف نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مجمع عام میں نصرانی حرم پاک میں داخل ہوا کسی ایک شخص نے بھی اٹھ کر آیت ''انما المشرکون نجس فلا

یقربوا المسجد الحرام ’’ پڑھ کر نہ سنائی۔ معلوم ہو گیا ان سب صحابہ و تابعین کے نزدیک بھی کسی ذمی کا وقتی طور پر مسجد حرام میں داخلہ کسی آیت یا حدیث کے خلاف نہ تھا۔

غیر مقلدین سے تائید

مولانا صلاح الدین یوسف غیر مقلد سورہ توبہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں حاشیہ نمبر ② یہ وہی حکم ہے جو سن ⑨ ہجری میں اعلان برات کے ساتھ کیا گیا تھا جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ یہ ممانعت بعض کے نزدیک صرف مسجد حرام کے لیے ہے ورنہ حسب ضرورت مشرکین دیگر مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں جس طرح نبی کریم نے ثمامہ بن اثال کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھے رکھا تھا۔ حتی کہ اللہ نے ان کے دل میں اسلام کی اور نبی ﷺ کی محبت ڈال دی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ علاوہ ازیں اکثر علماء کے نزدیک یہاں مسجد حرام سے مراد پورا حرم ہے۔ یعنی حدود حرم کے اندر مشرک کا داخلہ ممنوع ہے۔ بعض آثار کی بنیاد پر اس حکم سے ذمی اور خدام کو مستثنی کیا گیا ہے۔ (تفسیر احسن البیان ص 515 مطبوعہ سعودی عرب)

اعتراض نمبر ㊺

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ ㊺: بیت اللہ کی چھت پر نماز ممنوع ہے

حدیث نبوی ﷺ

عن ابن عمر قال نھی رسول اللہ ﷺ ان یصلی فوق ظھر بیت اللہ

ترجمہ: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

(ترمذي ج 1 ابواب الصلاة باب ما جاء في كراهية ما يصلي اليه وفيه ص 46 رقم الحديث 346 واللفظ له)(ابن ماجه باب مراضع التي تكره فيها الصلاة ص 54 رقم الحديث 746-747)

فقہ حنفی

من صلی علی ظھر الکعبۃ جازت صلوتہ

(ھدایۃ اولین 1 کتاب الصلاۃ باب الصلاۃ فی الکعبۃ ص 185)

جس آدمی نے بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھی اس کی نماز جائز ہے۔

(فقہ وحدیث ص 84)

جواب:

راشدی صاحب نے ہدایہ کی عبارت مکمل نقل نہیں کی اگر وہ ہدایہ کی مکمل عبارت نقل کر دیتے تو پھر اعتراض خود بہ خود ختم ہو جاتا تاہم پہلے ہدایہ کی مکمل عبارت کا ترجمہ نقل کرتے ہیں تا کہ آپ کو علم ہو کہ ہدایہ میں کیا لکھا ہے اور راشدی صاحب کیا کہتے ہیں۔

> اور جس شخص نے کعبہ کی پشت پر نماز پڑھی اس کی نماز جائز ہے۔ امام شافعی کا اختلاف ہے۔ اس لئے کہ ہمارے یہاں میدان اور آسمان کی فضاء تک کا نام کعبہ ہے نہ کہ عمارت کا کیوں کہ وہ منتقل ہو سکتی ہے کیا دیکھتے نہیں کہ اگر کوئی شخص جبل ابو قبیس پر نماز پڑھے تو نماز جائز ہے حالانکہ کہ اس کے سامنے عمارت نہیں ہے۔ البتہ یہ مکروہ ہے کیوں کہ اس میں ترک تعظیم ہے اور آپؐ سے ترک تعظیم کے متعلق ممانعت وارد ہوئی ہے۔ (احسن الہدایہ ترجمہ اردو ہدایہ ج 2 ص 447)

ناظرین آپ نے دیکھا صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ البتہ یہ مکروہ ہے۔ اور جو حدیث راشدی صاحب کی نقل کی ہے اس کا حوالہ بھی صاحبہ ہدایہ نے دے دیا اور مکروہ ہونے کی وجہ بھی بتا دی۔ اور فقہ حنفی میں اکثر جگہ مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے جب فقہاء مطلق مکروہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے مکروہ تحریمی ہی مراد ہوتا ہے۔

رہی وہ حدیث جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کو مطلق حرام قرار دینے کے لیے دلیل قطعی یا کم از کم حدیث صحیح ہونی چاہئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی خانہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے ممانعت والی حدیث جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے نہ قطعی ہے نہ صحیح ہے۔ امام ترمذی اس حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں۔ حدیث ابن عمر اسنادہ لیس بذلک القوی۔ یعنی حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت کی سند قوی نہیں ہے۔ جب یہ حدیث قوی نہیں ضعیف ہے تو ضعیف حدیث سے کسی چیز کی قطعی حرام قرار دینا یہ حد سے تجاوز کرنا ہے۔ اس لئے کہ ضعیف حدیث اس مقام و مرتبہ کی نہیں ہوتی ہے کہ اس سے کسی چیز کی قطعی حرمت ثابت کی جائے اس کے لئے قطعی دلیل یا کم از کم

صحیح حدیث کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے اس حدیث کی وجہ سے جو لوگ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے کو حرام کہتے ہیں ان کی رائے میرے نزدیک وزنی معلوم ہوتی ہے ہاں اس سے کراہت ثابت ہو سکتی ہے جو فقہ حنفی کا مسلک ہے اور ہدایہ میں لکھا ہوا موجود ہے احناف کے ہاں اگرچہ یہ حدیث ضعیف سی مگر پھر بھی امام ابوحنیفہ نے اس حدیث کے پیش نظر یہ فرمایا کہ عام حالات میں کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر کسی نے پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔

غیر مقلدین حدیث کے بارے میں امام ابوحنیفہ کے اس تورِ احتیاط دقت نظر اور پھر عمل بالحدیث کے جذبہ کو دیکھیں اور انصاف سے کام لے کر بتلائیں کہ کی ان امور میں امام ابوحنیفہ کے مقام ومرتبہ تک کسی اور کور سائی ہو سکتی ہے اعتراض کرنا بڑا آسان ہے اور فقہ حنفی کو سمجھنا بہت مشکل ہے اس کے لئے علم ومعرفت وسیع المطالعہ کے ساتھ ساتھ نور باطن اور فراست ایمانی کی بھی ضرورت ہے۔

امام ترمذی نے بھی کراہت ہی کے قول کو اختیار کیا ہے آپ نے اس حدیث پر اس طرح باب باندھا ہے۔

باب ما جاء فی کرھیۃ ما یصلی الیہ وفیہ۔

باب بیان میں اس چیز کے کہ جس کی طرف یا جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

(ترمذی مترجم علامہ بدیع الزماں غیر مقلد ج اول ص 164 ابواب الصلوۃ)

امام ابو ماجہ نے سنن ابی ماجہ ص 54 میں اس طرح باب باندھا ہے۔

باب المواضع التی تکرہ فیھا الصلوۃ

ان محدثین نے بھی اس حدیث سے کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھا ہے اور امام ابو حنیفہ نے بھی اس حدیث کا انکار نہیں کیا صرف اس حدیث سے مکروہ سمجھا ہے۔ فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث کے مطابق ہے نہ کہ مخالف۔

اعتراض نمبر (۴۶)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ (۴۶): مدعی کے پاس صرف ایک گواہ کا ہونا

حدیث نبوی ﷺ

عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قضی بیمین وشاھد

ترجمہ: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدعی کے ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کیا۔ (یعنی دوسرے گواہ کے عوض اس سے قسم لی)

(مسلم ج2 کتاب الاقضیۃ باب وجوب الحکم بشاھد ویمین ص 74، رقم الحدیث 4472)

فقہ حنفی

ولا ترد الیمین علی المدعی

(ھدایۃ آخیرین ج3 کتاب الدعوی باب الیمین ص 203)

یعنی مدعی پر قسم ہے ہی نہیں۔ (فقہ و حدیث ص 85)

جواب:

امام ابوحنیفہ کا موقف یہ ہے کہ کسی مقدمے میں فیصلہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مدعی اپنے گواہ پیش کرے جو دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں یا گواہی کا نصاب پورا نہ ہو تو پھر مدعی علیہ سے قسم لی جائے کہ مدعی کا دعویٰ غلط ہے۔ اگر مدعی علیہ حلف اٹھالے تو وہ بری ہو جائے گا اور اگر حلف اٹھانے سے انکار کر دے تو مدعی کا دعوی درست مان کر اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا۔

فیصلہ کرنے کا یہ طریقہ شریعت کے قطعی دلائل سے ثابت ہے جن کا ذکر ابھی آئے گا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مدعی علیہ کے قسم نہ اٹھانے کی صورت میں یا مدعی کے ایک گواہ کے ساتھ اس کی قسم پر مدعی علیہ کے خلاف فیصلہ کرنا درست نہیں کیونکہ اس طریقہ میں ایک تو گواہی کا شرعی نصاب یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں پورا نہیں۔ دوسرا اس میں مدعی سے قسم لی جاتی ہے حالانکہ قسم صرف مدعی علیہ کے ذمہ ہوتی ہے۔ امام صاحب کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

حنفی مذہب کا قرآن سے ثبوت

پہلی آیت

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ

(پارہ نمبر 3 سورۃ بقرہ آیت نمبر 282)

اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں۔

دوسری آیت

وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ ۔ اور آپس میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ کر لو۔ (پارہ نمبر 28 سورۃ طلاق آیت نمبر 2

حنفی مذہب کا احادیث سے ثبوت

حدیث نمبر ①:

حضرت ابن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اگر لوگوں کے دعووں کے مطابق ان کا فیصلہ کر دیا جائے تو لوگ دوسرے لوگوں کی جانوں اور اموال پر دعویٰ کر بیٹھیں گے لیکن مدعی علیہ پر یمین (قسم) لازم ہے۔

(مسلم شریف کتاب الاقضیۃ باب الیمین علی المدعی علیہ)

حدیث نمبر ②:

ابن عباس ؓ روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر

لیکن گواہ مدعی پر ہیں اور قسم مدعا علیہ (یعنی انکاری) پر

(مشکوۃ باب الاقضیۃ والشھادات)

حدیث نمبر ③:

حضرت ابی موسی اشعری ؓ کی ایک روایت میں ہے۔

البینة علی من ادعی والیمین علی من انکر والصلح جائز بین المسلمین الا صلحا احل حراما او حرم حلالا الخ

یعنی گواہ لانے مدعی کے ذمے ہیں اور قسم مدعا علیہ پر اور صلح درمیان مسلمانوں کے جائز ہے مگر وہ صلح جس سے حلال کا حرام کرنا یا حرام کا حلال کرنا لازم ہے۔

(بیہقی ج ص)

حدیث نمبر ④:

ابن عباس ؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

الیمین علی المدعی علیہ۔ قسم مدعی علیہ پر ہے۔

(بخاری کتاب التفسیر تفسیر آل عمران آیت نمبر 77) (حدیث نمبر 4203 باب ان الذین یشترون)

(ابوداؤد داور باب الیمین علی المدعی علیہ)

حدیث نمبر ⑤:

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی ایک لمبی حدیث میں اشعث بن قیس کا واقعہ آتا ہے۔ ابی وائل (راوی حدیث) کہتے ہیں پھر اشعث بن قیس داخل ہوئے اور کہنے لگے ابو عبدالرحمن (یہ کنیت ہے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی) نے آپ کو کیا بیان کیا ہے؟ ہم نے کہا: ایسے ایسے، وہ کہنے لگے یہ آیات میرے بارے میں نازل ہوئیں میرے چچازاد بھائی (خفیش بن معدی بن معدی کرب) کی زمین میں میرا ایک کنواں تھا (میں اس کے ساتھ جھگڑے کا فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گیا) تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تیرے پاس گواہ ہے یا اس کی قسم سے فیصلہ کروں، میں نے کہا میرے پاس گواہ نہیں ہے آپؐ نے فرمایا پھر اس کی قسم کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ وہ تو قسم اٹھا دے گا اس وقت نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے کسی مسلمان کا مال غصب کرنے کے لئے جھوٹی قسم اٹھائی وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ناراض ہوگا۔

(مسلم کتاب الایمان باب وعید من اقتطع حق مسلم) (بخاری کتاب التفسیر باب قولہ ان الذین یشترون)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ گواہ مدعی کی ذمہ ہے اور قسم مدعا علیہ پر۔

حدیث نمبر ⑥:

عبداللہ بن مسعود ؓ کہتے ہیں جو شخص کسی کا مال ہضم کرنے کے لئے جھوٹی قسم کھائے گا تو (مرنے کے بعد) جب وہ اللہ سے ملے گا اللہ اس پر سخت غصے ہوگا بعد ازاں اس کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

ان الذین یشترون بعهد الله و ایمانهم الی عذاب الیم

(راوی ابی وائل کہتے ہیں) جب عبداللہ یہ حدیث بیان کر چکے تو اشعث بن قیس ہمارے سامنے آئے انہوں نے پوچھا ابو (عبداللہ بن مسعود) نے تم سے کیا حدیث بیان کی ہم نے ان سے کہہ دی انہوں نے کہا عبداللہ سچ کہتے ہیں یہ آیت میرے ہی متعلق نازل ہوئی (اس کا پس منظر یہ ہے) میرے اور ایک شخص میں جھگڑا ہوا ہم نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے مقدمہ پیش کیا آپؐ نے فرمایا:

شاهداك او یمینه یا تو دو گواہ لا یا اس سے قسم لے۔ میں نے عرض کیا میرے پاس گواہ نہیں، اور قسم تو وہ جھوٹی کھائے گا کچھ پرواہ نہ کرے گا تب آپؐ نے فرمایا جو شخص جھوٹی قسم کھا کر

کسی کا مال ہضم کرلے گا تو جب (آخرت میں) اللہ سے ملے گا اللہ اس پر غصے ہوگا بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق نازل فرمائی۔ آپؐ نے یہی آیت پڑھی۔ (بخاری کتاب الشہادت باب الیمین علی المدعیٰ علیہ)

اس روایت میں حضور اکرم ﷺ نے فیصلہ کرنے کی بس یہی صورت بتائی ہے یہ نہیں فرمایا کہ تم ایک گواہ اور ساتھ قسم اٹھالو۔

حدیث نمبر ⑦:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اپنے خطبہ میں کہ گواہ لانا مدعی کے لئے ہے اور قسم کھانا مدعا علیہ کے ذمہ ہے۔

(جامع ترمذی ابواب الاحکام باب ماجاء ان البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ)

حدیث نمبر ⑧:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

گواہ مدعی کے ذمے ہے اور قسم مدعی علیہ کے ذمہ ہے۔

(فتح الباری جلد 5 ص 282، ابن حجر نے معجم طبرانی سے اس کو نقل کر کے اس پر سکوت کیا ہے)

حدیث نمبر ⑨:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور اس میں احکامات کے علاوہ یہ بھی لکھا کہ:

گواہ مدعی کے ذمہ ہے اور قسم مدعی علیہ کے ذمے الخ۔ (سنن دارقطنی ج4 ص206۔406) بیہقی

حدیث نمبر ⑩:

مصنف عبدالرزاق میں مرسلاً مروی ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دعویٰ کیا کہ حضور ﷺ نے انہیں بحرین میں ایک زمین دی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اس کے گواہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا مغیرہ بن شعبہ گواہ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ دوسرا گواہ کون ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ دوسرا گواہ کوئی نہیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا پھر زمین آپ کو نہیں مل سکتی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک گواہ کے ساتھ قسم پر فیصلہ کرنے سے انکار کیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کچھ اصرار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس سے کہا کہ اپنے باپ کا ہاتھ پکڑو اور انہیں لے جاؤ۔

(کنز العمال ج2 ص308)

حدیث نمبر ⑪:

امام زہری سے جو امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے موسوم ہیں۔ ایک گواہ کے ساتھ قسم پر فیصلہ کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: ھذا شئی احدثہ الناس لا ید من شاھدین ''یہ وہ چیز ہے جو لوگوں نے ایجاد کر لی ہے۔ فیصلے کے لئے دو گواہوں کو ہونا ضروری ہے۔ (مصنف عبدالرزاق) (الجوہر النقی بھامش البیہقی ص175 ج10)

مندرجہ بالا دلائل بالکل واضح اور صریح ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ فیصلہ کرنے کا یہ طریقہ (دو گواہ والا) دور صحابہ وتابعین میں سنت ثابتہ کی حیثیت سے رائج تھا۔ امام ابوحنیفہ کا طریقہ اجتہاد یہ ہے کہ وہ اپنی رائے کی بنیاد قرآن کی نصوص مشہور و معمول بہ احادیث اور شریعت کے اصول کلیہ پر رکھتے ہیں اور اگر ایک یا زیادہ اخبار آحاد ان کے خلاف وارد ہوں تو ان کی تشریح قرآن مجید، معمول بہ احادیث اور اصول کلیہ کی روشنی میں کرتے ہیں اور اگر کسی طرح سے اخبار آحاد کی تاویل ممکن نہ ہو تو نصوص قرآن، معول بہ احادیث اور اصول کلیہ کو اختیار کر کے اخبار آحاد کو چھوڑ دیتے ہیں۔

اسی اصول کے مطابق انہوں نے زیر بحث مسئلے میں اس روایت کو قبول نہیں کیا۔ جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے۔ کیونکہ وہ قرآن مجید اور مشہور معمول بہ احادیث کے خلاف ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ حنفی مذہب قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے نہ کہ مخالف۔

اعتراض نمبر ㊼

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ㊼: عورت، عورتوں کی امامت کرا سکتی ہے

حدیث نبوی ﷺ

عن ام ورقۃ ان رسول اللہ ﷺ امرھا ان تؤم اھل دارھا

ترجمہ: ام ورقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے گھر کی عورتوں کی امامت کرائیں۔

دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

(ابوداؤد ج1 کتاب الصلوۃ باب امامۃ النساء ص94-95 رقم الحدیث 592)

عن عائشة انها كانت تؤم النساء و تقوم وسطهن

ترجمہ: سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا امام بن کر عورتوں کو نماز پڑھاتیں اور صف کے بیچ میں کھڑی ہوتیں تھیں۔

(مستدرك حاكم ج1 ص320 رقم الحديث 731 طبع دار الكتب العلمية بيروت)

(السنن الكبري للبيهقي ج1 ص408 ج3 ص131 رقم الحديث 1781)

(مصنف عبد الرزاق ج3 ص141 رقم الحديث 5087)

فقہ حنفی

يكره للنساء ان يصلين وحدهن جماعة

(هداية اولين ج1 كتاب الصلاة باب الامامة ص123)

عورتوں کا آپس میں جماعت کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (فقہ وحدیث ص86)

جواب:

راشدی صاحب نے جو دو احادیث نقل کی ہیں پہلے ہم ان کا جواب یہاں نقل کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی حدیث

اس کے کئی جواب ہیں۔ پہلا جواب حدیث نقل کرنے میں خیانت۔

راشدی صاحب نے ابوداؤد امامۃ النساء سے حضرت ام ورقہ کی جو حدیث نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ بھی آتے تھے۔ جو راشدی صاحب نے نقل نہیں کیے۔

و جعل لها موذنا يوذن لها وامرها ان تؤم اهل دارها قال عبد الرحمن فانا رايت موذنها شيخا كبيرا.

اور ان کے لئے ایک موذن مقرر کر دیا تھا جو اذان کہا کرتا اور وہ امامت کرتی تھیں، اپنے گھر والوں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے۔ عبد الرحمن نے کہا کہ میں نے ان کے موذن کو دیکھا بہت بوڑھے تے۔ (ترجمہ علامہ وحید الزمان غیر مقلد)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ام ورقہ رضی اللہ عنہا کے لئے ایک مرد موذن مقرر کیا گیا تھا غیر

مقلدین کو چاہئے کہ اگر وہ اس مسئلہ پر عمل کروانا چاہتے ہیں تو پھر پہلے ایک بوڑھا موذن بھی مقرر کریں پھر عورتوں کو امامت کی اجازت دیں۔

دوسرا جواب

اس حدیث میں صرف عورتوں ہی کی امامت کا ذکر نہیں جیسا کہ راشدی صاحب نے ترجمہ کیا ہے بلکہ اس کا صحیح ترجمہ وہ ہے جو علامہ وحید الزمان نے کیا ہے۔ گھر والوں میں مرد اور عورتیں اور بچے سب ہی شامل ہیں۔ اور خاص کر مؤذن کا ذکر موجود ہے اور خاص کر موذن کا ذکر موجود ہے اور وہ مرد ہے لازمی بات ہے کہ وہ بھی ام ورقہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے نماز پڑھتا ہوگا۔

علامہ وحید الزمان نے اس کی تشریح میں لکھا ہے:

ف: یہ حدیث دلیل ہے اس بات کی کہ عورت کو امامت کرنا اپنے گھر والوں کی درست ہے، اگرچہ اس میں مرد بھی ہوں کیونکہ ام ورقہ رضی اللہ عنہا کا موذن تھا اور غلام انہی کے پیچھے نماز پڑھتا ہوگا۔

(ابوداؤد مترجم ج 1 ص 250)

غیر مقلد بھی عورتوں کو اجازت دیں کہ وہ مردوں کی امامت کرایا کریں۔

تیسرا جواب راشدی صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں اس کی سند میں ایک راوی محمد فضیل ہے جو سچا تو ہے مگر مذہباً شیعہ ہے۔ دوسرا راوی ولید بن عبداللہ بن جمیع جو سچا تو ہے مگر وہم کا مریض اور مذہباً شیعہ ہے۔ تیسرا راوی عبدالرحمن بن خلاد ہے جو مجہول ہے۔

چوتھا جواب

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کا امر موجود ہے۔ تو غیر مقلدین کا فرض ہے کہ اپنے ہر گھر میں عورت کی امامت کو واجب قرار دیں۔

پانچواں جواب

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے امام عورت کو مقتدیوں سے آگے کھڑے ہونے سے منع نہیں فرمایا۔

الغرض یہ حدیث نہ تو صحیح ہے اور نہ ہی اس حدیث کے تمام ظاہری الفاظ پر امت میں سے کسی کا عمل ہے کہ ہر گھر میں مستقل موذن ہو اور مستقل طور پر عورت اپنے گھر والوں کو جماعت کرایا کرے۔

راشدی صاحب کو مندرجہ ذیل احادیث کا جو کلیہ قاعدہ کی حیثیت رکھی ہیں نظر کیوں نہیں آئیں۔

حدیث نمبر ①:

عن عائشة رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ ﷺ قال لا خیر فی جماعة النساء الا فی المسجد: و فی جنازة قتیل رواہ احمد والطبرانی۔

(مجمع الزوائد ج1 ص155)

حدیث نمبر ②:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لا تؤم المراۃ۔ (المدونۃ الکبری ج1 ص86)

حدیث نمبر ③:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا خیر صفوف الرجال اولھا و شرھا اٰخرھا و خیر صفوف النساء اٰخرھا و شرھا اولھا۔ (مسلم ج1 ص182)

عورت کے لئے تو مقتدی بن کر بھی اگلی صف میں کھڑے ہونا منع ہے پھر اس کی امامت کیسے جائز ہوگی۔

راشدی صاحب جب گھر کے مرد عورت کے مقتدی بنیں گے تو ان پر امام صاحبہ کی اطاعت واجب ہوگی یا نہیں اگر وہ اطاعت کریں گے تو حضرت ﷺ کا فرمان ہے:

هلكت الرجال حين اطاعت النساء رواه احمد والحكم وقال صحيح الاسناد۔

راشدی صاحب کے حواری یہ کہیں کہ ہم تو صرف اس کے قائل ہیں کہ صرف عورت عورتوں کی جماعت کرائے تو ان کی پیش کردہ حدیث میں یہ ذکر نہیں بلکہ سب گھر والوں کی امامت کا حکم ہے اور گھر میں مرد بھی ہوتے ہیں اور ہماری پیش کردہ حدیث سے پتہ چلا کہ عورت کی جماعت میں کوئی خیر نہیں اور خیر سے خالی ہونا ہی دلیل کراہت ہے۔

دوسری حدیث کا جواب

1- راشدی صاحب نے حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت نقل کی ہے اولاً تو وہ صحیح نہیں کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی لیث بن ابی سلیم ہے جو ضعیف ہے۔

(میزان الاعتدال)

2- جماعت کی نماز میں امام مقتدیوں کے آگے کھڑا ہوتا ہے دو یا دو سے زیادہ مقتدیوں کے ہوتے ہوئے امام کا آگے کھڑا ہونا اسلام میں سنت متواترہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ آنحضرت ﷺ خلفائے راشدین اور تمام امت کا عمل یہی ہے۔ اس لئے دو یا دو سے زیادہ مقتدیوں کے ہوتے ہوئے امام کا مقتدیوں کے درمیان کھڑے ہو کر جماعت کرانا اس سنت متواترہ کی مخالفت کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے۔

3- اس حدیث میں ہے کہ امام صف کے درمیان کھڑا ہو۔ اس طریقہ کی تائید آنحضرت ﷺ سے ہر گز ثابت نہیں اور جماعت کے وقت مقتدیوں کے درمیان کھڑا ہونا بالاتفاق مکروہ ہے ہاں ایسے مکروہ کا ارتکاب کسی ضرورت کے تحت کیا جاسکتا ہے مثلاً کسی کو نماز کا طریقہ سکھانے کے لئے

جیسے ظہر وعصر میں امام کا بلند آواز سے قرآن پڑھنا خلاف سنت ہے اور مکروہ ہے مگر صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ بغرض تعلیم کبھی کبھار کوئی آیت اونچی آواز سے پڑھ دیتے تھے۔ ایسی ضرورت کے وقت کراہت نہیں رہتی۔ لیکن اس کو جواز کا قاعدہ بنالینا یقیناً مکروہ ہے۔

راشدی صاحب نے دو ضعیف حدیثیں لکھیں اور باقی صحیح حدیثوں کو چھپایا۔ اور بالکل یہی دھوکا ہدایہ کے ساتھ کیا اس کی عبارت بھی مکمل نہیں لکھی۔

ہدایہ کی مکمل عبارت:

> و یکرہ للنساء ان یصلین وحدھن الجماعۃ لانھا لا تخلو عن ارتکاب محرم و ھو قیام الامام وسط الصف فیکرۃ کالعراۃ وان فعلن قامت الامام لان وسطھن عائشۃ فعلت کذلك و حمل فعلھا الجماعۃ علی ابتداء الاسلام ولان فی التقدم زیادۃ الکشف۔

(ہدایہ ص 123)

راشدی صاحب نے ہدایہ کی عبارت نامکمل پیش کی صاحب ہدایہ نے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہی ثابت کر دیا کہ اس سے ہی کراہت نکلتی ہے کیونکہ امام کا مقتدیوں کے درمیان کھڑا ہونا خلاف سنت اور مکروہ ہے۔

اعتراض نمبر (۴۹)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ (۴۹): بائع اور مشتری کی بیع کب فسخ ہوگی؟

حدیث نبوی ﷺ

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان رسول الله ﷺ قال البیعان بالخیار مالم یتفرقا

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو خرید و فروخت کرنے والوں کو (بیع فسخ کرنے کا) اختیار ہوتا ہے جب تک دونوں (ایک دوسرے سے) جدا نہ ہوں۔

(ترمذي ج 1 ابواب البیوع باب ما جاء البیعان بالخیار مالم یتفرقا ص 150، رقم الحدیث 1247) (نسائي ج 2 کتاب البیوع باب وجوب الخیار للمتابعین الخ عن حکیم بن حزام ص 212، رقم الحدیث 4469) (ابن ماجه باب التجارات باب البیعان بالخیار مالم یتفرقا عن ابي برزه اسلمي ص 158 رقم الحدیث 2181)

فقہ حنفی

و اذا حصل الایجاب والقبول لزم البیع ولا خیار لواحد منھما الا من عیب او عدم رویة

(ھدایة آخیرین ج 3 کتاب البیوع ص 20)

جب کسی بیع کے بارے میں ایجاب و قبول ہو جائے تو بیع لازم ہو گئی اب ان دونوں میں سے کسی کو اختیار نہیں الا یہ کہ کوئی عیب وغیرہ ظاہر ہو جائے۔ (فقہ و حدیث ص 87)

جواب:

ہم یہاں پر پہلے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہیں پھر فقہ حنفی کے دلائل ذکر کریں گے۔

اصل مسئلہ کی وضاحت:

اس مسئلہ کو فقہاء کی اصطلاح میں خیار مجلس کہتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ نے فرمایا جب دو شخص بیع کریں اور اس میں اختیار کا ذکر نہ کریں تو جس وقت وہ عقد کریں بیع واجب ہو جاتی ہے اگرچہ وہ الگ الگ نہ ہوں، اور اہل مدینہ نے کہا کہ ان کو اس وقت تک اختیار رہتا ہے، جب تک وہ اپنے مقام سے یا مجلس سے الگ الگ نہ ہو جائیں اور ان کی یہ بیع بالخیار ہوتی ہے، امام محمد فرماتے ہیں تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ جب وہ اختیار کی شرط نہ لگائیں تو الگ الگ ہونے سے پہلے ان کو اختیار رہتا ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو دوسرے پر متفرق ہونے سے پہلے اختیار رہتا ہے۔ ماسواء بیع الخیار کے ہم نے کہا، کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو دوسرے پر مجلس یا مقام سے متفرق ہونے سے پہلے اختیار رہتا ہے؟ انہوں نے کہا ہر چند کہ مجلس یا جگہ کے الفاظ حدیث میں نہیں ہیں لیکن حدیث کا معنی یہی ہے۔

امام محمد فرماتے ہیں ان سے یہ کہا گیا تم سے اس حدیث کا معنی بیان کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔ ہمارے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو اختیار رہتا ہے جب تک کہ وہ بیع کے اقوال سے متفرق نہ ہو جائیں، جب بائع نے کہا میں نے یہ چیز فروخت کی تو اب مشتری کو اختیار ہے وہ اس قول کو قبول کرے یا نہ کرے (اور قبول کرنے کے بعد بیع لازم ہے اور اختیار نہیں ہے) حدیث کی تفسیر اسی طریقہ سے ہے، امام محمد نے فرمایا ابراہیم نخعی نے بھی اس حدیث کی تفسیر اسی طریقہ سے کی ہے، حضرت عمر نے بھی اس حدیث کی تفسیر اسی طرح کی ہے۔ کیونکہ جب انہوں نے رکاب میں پیر رکھا تو فرمایا: لوگ کل کہیں گے کہ عمر نے کیا کہا ہے؟ سنو بیع صفقہ (سودا طے ہونے) سے ہوتی ہے یا خیار سے۔ (امام محمد فرماتے ہیں) تو کیا سودا طے ہونے کے بعد اختیار ہو سکتا ہے؟ نیز ہمیں شریح سے یہ روایت پہنچی ہے کہ جب دو شخص بیع کر لیں تو بیع واجب ہو جاتی ہے اور ان میں سے کسی ایک کے لیے بھی اختیار نہیں ہوتا نیز امام محمد نے اہل مدینہ پر معارضہ کرتے ہوئے فرمایا: اگر تفرق عن المجلس سے پہلے دونوں کو اختیار رہتا ہے تو بتاؤ کہ جب تفرق سے پہلے ایک شخص اختیار کی شرط لگائے اور دوسرا شرط نہ لگائے تو جس شخص نے اختیار کی شرط نہیں لگائی اس کے لئے اختیار ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کے شرط نہ لگانے کے خلاف ہے اور اگر اختیار نہیں ہے تو تمہارے قول کے خلاف ہے۔

(کتاب الحجۃ ج 2 ص 694)

فقہ حنفی کے دلائل:

پہلی دلیل قرآن سے۔

ایجاب وقبول کے بعد عقد لازم ہو جاتا ہے اور پھر فریقین میں سے کسی کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا، فقہاء احناف نے یہ نظریہ قرآن مجید کی حسب ذیل آیات سے قائم کیا ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

1- یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ (مائدہ 1)

اے ایمان والو! عقد کو پورا کرو۔

عقد ایجاب وقبول کو کہتے ہیں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بائع اور مشتری کو عقد پورا کرنے کا حکم دیا ہے اور خیار مجلس ایفاء عقد کے منافی ہے۔

دوسری دلیل قرآن سے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۟ (نساء 29)

اے ایمان والو! آپس میں ناحق مال مت کھاؤ، البتہ تم باہمی رضا مندی سے تجارت کر سکتے ہو۔

تراضی کے ساتھ تجارت ایجاب وقبول کے ساتھ مکمل ہو جاتی ہے، اس لئے اب کسی فریق کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ وہ مجلس میں دوسرے کی مرضی کے بغیر بیع فسخ کر دے۔

تیسری دلیل قرآن سے۔

وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَایَعْتُمْ ۠ (بقرہ 282)

جب تم بیع کرو (تو اس بیع پر) گواہ کر لو۔

بیع ایجاب وقبول کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس پر گواہ بنانے کا حکم دیا ہے، اگر بیع ایجاب وقبول سے مکمل نہ ہوتی تو اس پر گواہ بنانے کا کوئی مقصد نہ تھا۔

چوتھی دلیل حدیث سے۔

عن جابر بن عبداللہ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا ابتعت طعاما فلا تبعه حتی تستوفیه۔ (مسلم ج2 ص6)

حضرت جابر بن عبداللہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم اناج خرید لو تو اس پر پورا قبضہ کرنے سے پہلے اس کو مت فروخت کرو۔

امام طحاوی فرماتے ہیں یہ حدیث خیار مجلس کی نفی پر دلیل ہے کیونکہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اناج پر قبضہ کے بعد اس کی بیع جائز ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خریدار مجلس سے اٹھنے سے پہلے اناج پر قابض ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر تفرق عن البدن سے پہلے فریقین کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوتا تو تفرق عن البدن سے پہلے خریدار کا مبیع کو بیچنا جائز نہ ہوتا، حالانکہ مبیع پر قبضہ کے بعد تفرق سے پہلے یہ بیع جائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ تفرق عن البدن تک خیار نہیں رہتا اور باب مذکور کی احادیث میں تفرق سے تفرق عن القول مراد ہے تفرق عن البدن مراد نہیں ہے۔ (شرح معانی الآثار للطحاوی ج2 ص205)

پانچویں دلیل حدیث سے۔

عن ابن عمر قال کنا مع النبی ﷺ فی سفر فکنت علی بکر صعب لعمر فکان یغلبنی فیتقدم امام القوم فیزجرہ عمر و یرد ثم یتقدم فیز جرہ عن و یردہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعمر بعنیہ فقال ھو لک یا رسول اللہ. قال رسول اللہ ﷺ بعنیہ فباعہ من رسول اللہ ﷺ فقال النبی ﷺ ھو لک یا عبداللہ ابن عمر تصنع بہ ما شئت. (بخاری ج1 ص284)

حضرت ابن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، میں حضرت عمر ؓ کے ایک اکھڑ اونٹ پر سوار تھا، جو میرے قابو میں نہیں آتا تھا اور قوم سے آگے نکل جاتا تھا، حضرت عمر ؓ اس کو جھڑک کر لوٹاتے تو وہ پھر آگے نکل جاتا۔ حضرت عمر ؓ پھر اس کو جھڑک کر لوٹاتے۔ نبی ﷺ نے حضرت عمر ؓ سے فرمایا: یہ اونٹ مجھے بیچ دو، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ آپ کی ملکیت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے یہ اونٹ فروخت کر دو، پھر حضرت عمر ؓ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ اونٹ فروخت کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عبداللہ بن عمر یہ اونٹ تمہارا ہے، تم اس سے جو چاہو کرو۔

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ نبی ﷺ نے خریدتے ہی تفرق عن المجلس سے پہلے وہ اونٹ حضرت عبداللہ بن عمر کو ہبہ کر دیا اگر اس وقت یہ بیع لازم نہ ہوئی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ خریدتے ہی وہ اونٹ ہبہ نہ کرتے۔

چھٹی دلیل حدیث سے۔

عن رجال من كنانة قال، قال عمر حين وضع دجله في الغرز وهم بمعنى: اسمعوا ما اقول لكم ولا تقولوا، قال عمر، قال عمر البيع عن صفقة او خيار ولكل مسلم شرط۔

(مصنف عبدالرزاق ج8 ص53)

کنانہ کے ایک شخص نے بیان کیا کہ منیٰ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رکاب میں پیر رکھتے ہوئے فرمایا سنو میں کیا کہہ رہا ہوں اور یہ کہنا کہ یہ عمر کا قول ہے، یہ عمر کا قول ہے، بیع یا سودے سے ہوتی ہے یا خیار سے اور ہر مسلمان کو شرط لگانے کا حق ہے۔

شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں صفقہ (سودا طے ہو جانا) اس بیع کو کہتے ہیں جو نافذ اور لازم ہو اس سے معلوم ہوا کہ بیع کی دو قسمیں ہیں ایک بیع لازم جس میں اختیار نہ ہو اور دوسری بیع لازم میں اختیار ہو، اور جو یہ کہتے ہیں کہ ہر بیع میں اختیار ہوتا ہے وہ اس حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔

(المبسوط سرخسی ج13 ص56)

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کا جواب امام محمد کی عبارت جو اوپر ذکر کی گئی اس میں آچکا ہے۔ مزید جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

اعتراض نمبر (۴۹)

مسئلہ (۴۹): سات سالہ بچہ امامت کرا سکتا ہے

حدیث نبوی ﷺ

عن عمرو بن سلمة .... فقال قدموني بين ايديهم وانا ابن سبع سنين

ترجمہ: عمرو بن سلمہ رضی اللہ عالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے مجھے نماز

پڑھانے کے لئے آگے کیا (امام بنایا) جب کہ میری عمر سات سال تھی۔

(بخاري كتاب المغازي باب 54 . حديث 4302 ج2 ص 610)

(ابودائود كتاب الصلاة باب من احق بالامامة رقم الحديث 585 ج1 ص 93-49)

فقہ حنفی

ولا يجوز للرجال ان يقتدوا بامراة اوصبي

(هداية اولين ج1 كتاب الصلاة باب الامامة ص 123)

مرد امامت کے لئے کسی عورت یا بچے کو آگے کھڑا کریں، یہ جائز نہیں۔

(فقہ و حدیث ص 88)

جواب:

راشدی صاحب بچے کی امامت کے جواز میں نہ تو آنحضرت ﷺ کا حکم پیش کر سکے کہ بالغ مرد نابالغ بچے کو اپنا امام بنالیا کریں۔ نہ حضرت ﷺ کا فعل ثابت کر سکے کہ خود آنحضرت ﷺ نے کسی نابالغ بچے کو اپنا امام بنایا ہو اور نہ یہ ثابت کر سکے ہیں کہ عمر بن سلمہ سات سالہ بچے کی امامت کا حضور ﷺ کو علم ہوا اور آپ خاموش رہے۔

عمرو بن سلمہ کے خاندان کے لوگ جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے حضرت کا حکم سنا کہ جو زیادہ قرآن پڑھا ہو اس کو امام بناؤ انہوں نے اپنی رائے سے عمرو بن سلمہ کو امام بنالیا اس حال میں کہ عمرو بن سلمہ کی چادر پھٹی ہوئی تھی، جس کی وجہ سے چوتڑ ننگے ہوتے تھے پیچھے نماز پڑھنے والی عورتوں نے کہا امام صاحب کے چوتڑ تو چھپا دو (ابوداؤد) راشدی صاحب نے پورا واقعہ اس لئے نقل نہیں کیا کہ اس حدیث سے استدلال کی صحت سے ستر عورت کا وجوب بھی ختم ہو جاتا اور احناف کی ضد میں ان کے ائمہ مساجد کو اس حدیث کے مطابق نمازیں پڑھانی مشکل ہو جاتیں۔

1- احناف کے دلائل:

آنحضرت ﷺ بچے کو امام بننے کی تو کیا اجازت دیتے وہ بچے کو پہلی صف تک بڑھنے کی بھی اجازت نہیں دیتے۔

عن ابن عباس ؓ قال قال رسول الله ﷺ لا يقتدم الصف

الاول اعرابی ولا اعجمی ولا غلام لم یحتلم۔

(دار قطنی ج1 ص398)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس ؓ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ پہلی صف میں کوئی دیہاتی کوئی عجمی اور کوئی نابالغ لڑکا کھڑا نہ ہو۔

2- اہل طائف نے نماز تراویح میں ایک بچے کو امام بنالیا اور حضرت عمر ؓ کو بطور خوشخبری یہ بات لکھی حضرت عمر ؓ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تمہیں ہرگز نہیں چاہئے کہ لوگوں کا امام ایسے بچے کو بناؤ جس پر حدود واجب نہیں۔

(عبدالرزق ج2 ص398)

3- حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب ؓ نے ہمیں منع فرمادیا تھا کہ ہم امامت اس حال میں کرائیں کہ قرآن پاک مصحف سے دیکھ کر پڑھ رہے ہوں اور ہمیں منع فرمایا کہ ہم کسی نابالغ کو امام بنائیں۔

(کنز العمال ج4 ص246)

4- حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں لڑکا اس وقت تک امام نہ بنے جب تک اس پر حد وداجب نہ ہوں۔ (یعنی جب تک بالغ نہ ہوجائے)

(رواہ الاثرم فی سنتہ کذا فی المنتقی اعلاء السنن ج4 ص282)

5- حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں لڑکا جب تک بالغ نہ ہو امام نہ بنے۔

(عبدالرزاق ج2 ص398)

6- مکہ مکرمہ کے مفتی صاحب حضرت عطاء فرماتے ہیں لڑکا امامت نہ کرائے۔ جب تک بالغ نہ ہو۔

(ج2 ص398)

7-8-9- حضرت عمر بن عبدالعزیز، امام شعبی، امام مجاہد فرماتے ہیں لڑکا جب تک بالغ نہ ہو امامت نہ کرے۔

(ابن ابی شیبہ ص233)

10- ابراہیم نخعی اس سے کراہت کرتے تھے کہ لڑکا بالغ ہونے سے پہلے امام بنے۔

(المدونۃ الکبری ج1 ص85)

11- آنحضرت ﷺ نے امام کو ضامن فرمایا ہے۔ (احمد طبرانی مجمع الزوائد ج1 ص143)

اب اگر امام کی نماز نفل ہوگی اور مقتدی کی فرض ہوگئی تو وہ ضامن کیسے بنے گا اور ظاہر ہے کہ نابالغ بچے کی نماز نفل ہوتی ہے اور مردوں کی فرض تو وہ کیسے امام بن سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس مسئلے کو خلاف حدیث کہنا راشدی صاحب کی جہالت کا کرشمہ ہے راشدی صاحب اب ذرا ہمت کرکے حضرت عمر بن عبدالعزیز حضرت ابراہیم نخعی اور اس دور کے صحابہ وتابعین کو منکرین حدیث کی لسٹ میں درج فرمالیں یا پھر بیچارے احناف سے بھی درگزر فرمالیا کریں۔

راشدی صاحب نے جس طرح نقل احادیث میں حق کو چھپایا ایسے ہی فقہ کی کتاب ہدایہ کی عبارت بھی نامکمل نقل کی۔ **ولا یجوز للرجال ان یقتدوا ابامراۃ اوصبی لانہ متنفل فلا یجوز اقتداء المفترض بہ** (ہدایہ ج1 ص 123,124)

راشدی صاحب آنحضرت ﷺ نے بڑی تاکید سے موت کی تمنا سے منع فرمایا ہے اور بے چارگی کی حالت میں صرف ایک خاص دعا کی اجازت دی تھی ذرا الفاظ ملاحظہ ہوں، **قال النبی ﷺ لا یتمینین احد کم الموت من ضر اصابہ فان کان لابدنا علاۃ فلیقل اللھم احینی ما کانت الحیاۃ خیرالی و توفنی اذا کانت الوفاۃ خیرالی** (بخاری ج2 ص847 عن عائشہ)

لیکن اتنی تاکیدی نہی کے بعد بھی امام بخاری آخر عمر میں یہ دعا مانگتے رہے۔ ''اے اللہ زمین باوجود کشادگی کے مجھ پر تنگ ہوگئی ہے تو مجھے اپنی طرف اٹھالے'' ایک ماہ پورا نہیں ہوا تھا کہ آپ کا وصال ہوگیا۔ (تاریخ بغداد ص34 ج2 طبقات الشافعیہ الکبری ج2 ص14) کیا آپ اس سے یہ نتیجہ نکالیں گے کہ امام بخاری کا وصال مخالفت حدیث پر ہوا ہے۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ قرآن ختم کرو: **ولا تزد علی ذلک** اور اس پر زیادہ مت کرو۔ (صحیح بخاری ج2 ص756) آنحضرت ﷺ نے ایک ہفتہ سے پہلے قرآن پاک ختم کرنے سے صراحہ منع فرمادیا۔ لیکن پھر بھی امام بخاری روزانہ ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

(تاریخ بغداد ج2 ص12 طبقات الشافعیہ ج2 ص9 الحطہ ص22)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک رات میں پورا قرآن ختم کرتے تھے۔

(طبقات ابن سعد ج3 ص53

حضرت تمیم داری اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بھی ہر رات کو ایک قرآن ختم کرتے تھے۔

(طحاوی ج1 ص205

امام وکیع بن الجراح ایک رات میں سارا قرآن ختم کر دیتے تھے۔

(تاریخ بغداد ج13 ص470)

امام شافعی نے تین دنوں میں 9 مرتبہ قرآن ختم کیا۔

(مفتاح الجنہ للسیوطی ص29) کیا آپ ان سب پر مخالفت حدیث کا الزام لگائیں گے؟

اندکے باتو گفتم و غم و دل ترسیدم
کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیارست

اعتراض نمبر ۵۰

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں۔

مسئلہ ۵۰: تورك سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

عن ابی حمید الساعدی انه قال فی نفر من اصحاب رسول الله ﷺ انا احفظکم بصوة رسول الله ﷺ فاذاجلس فی الرکعة الاخیرة قدم رجله الیسری و نصب الاخری و قعد علی معقدته

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے آخری تشہد (جس میں سلام پھیرنا ہوتا ہے) میں زمین پر بیٹھتے تو دائیں پاؤں کو کھڑا کر کے بایاں پاؤں اس کے نیچے سے نکال دیتے تھے اور تورک کرتے تھے۔

(بخاري ج1 كتاب الاذان. باب سنة الجلوس في الشهد ص114. رقم الحديث 828)

(ابوداود ج1 كتاب الصلوة باب افتتاح الصلوة 113 رقم الحديث 730 میں ہے کہ حتي اذا كانت السجدة التي فيها التسليم اخر رجله اليسري وقعد متوكا علي شقه الايسر)

فقہ حنفی

وجلس فی الاخیرة کما جلس فی الاولی

(هداية اولين ج1 كتاب الصلاة باب صفة الصلوة ص111)

نماز کے آخری تشہد میں بھی اس طرح بیٹھا جائے گا جس طرح پہلے تشہد میں بیٹھا جاتا ہے۔

(فقہ وحدیث ص89)

جواب:

اس مسئلہ میں احادیث دونوں قسم کی ہیں راشدی صاحب نے اپنے نظریہ کی حدیث نقل کر کے حنفی مذہب کو حدیث کے خلاف کہہ دیا ہے جو بالکل غلط ہے۔ حنفی مذہب والے دونوں قسم کی روایات میں تطبیق دیتے ہیں اور تحقیق کر کے ایک کو راجح کرار دیتے ہیں۔ احناف جن روایات پر عمل کرتے ہیں وہ ملاحظہ فرمائیں۔

دلائل احناف:

1- عن وائل بن حجر قال قدمت المدينة قلت لا نظرن الى صلوة رسول الله ﷺ فلما جلس يعني للتشهد افترش رجله اليسرى ووضع يده اليسرى يعني على فخذه اليسرى و نصب رجله اليمنى. قال ابو عيسى هذا حديث حسن صحيح والعمل عليه عند اكثر اهل العلم.

(ترمذی ج1 ص65)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ طیبہ آیا تو میں نے (جی میں) کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے ضرور دیکھوں گا (میں نے دیکھا کہ) جب تشہد میں بیٹھے تو آپؐ نے بایاں پاؤں بچھا کر اپنا بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھ لیا اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھا، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اہل علم کی اکثریت کا اسی پر عمل ہے۔

2- عن وائل بن حجر قال صليت خلف رسول الله ﷺ فلما قعد و تشهد فرش قدمه اليسرى على الارض و جلس عليها.

(سنن سعید بن منصور ج ص طحاوی ج1 ص178)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی جب آپ تشہد پڑھنے کے لئے بیٹھے تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں زمین پر بچھا لیا اور اس پر بیٹھ گئے۔

3- عن رفاعة بن رافع ان النبی ﷺ قال للاعرابی اذا سجدت فمكن بسجودك فاذا جلست فاجلس على رجلك اليسرى.

(مسند احمد بن حنبل ج ص، مصنف ابن ابی شیبہ ج ص ابن حبان ص بحوالہ نیل الاوطاج 2 ص 282)

حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اعرابی سے کہا کہ جب تو سجدہ کرے تو اچھی طرح سجدہ کر اور جب (تشہد میں) بیٹھے تو اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھ۔

4- عن عبداللہ و ھو بن عبداللہ بن عمر عن ابیہ قال من سنة الصلوة ان تنصب القدم اليمنى و استقبالہ باصابعها القبلة والجلوس على اليسرى. (نسائی ج1 ص130)

حضرت عبداللہ اپنے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا نماز کی سنت میں سے ہے کہ (تشہد میں) دایاں پاؤں کھڑا کر کے اس کی انگلیاں قبلہ رخ رکھی جائیں اور بائیں پاؤں پر بیٹھا جائے۔

5- عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت كان رسول الله ﷺ يستفتح الصلوة بالتكبير و القراءة بالحمد لله رب العلمين و كان اذا ركع لم يشخص راسه و لم يصوبه و كان بين ذالك و كان اذا رفع راسه من الركوع لم يسجد حتى يستوى قائما و كان اذا رفع راسه من السجدة لو يسجد حتى يستوى جالسا و كان يقول فى كل ركعتين التحية و كان يفرش رجله اليسرى و ينصب رجله اليمنى و كان ينهى عن عقبة الشيطان و ينهى ان يفترش الرجل ذراعيه افتراش السبع و كان يختم الصلوة بالتسليم.

(مسلم ج1 ص194)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز اللہ اکبر کے ساتھ اور قراءت الحمد للہ رب العلمین کے ساتھ شروع فرماتے تھے اور جب آپ رکوع

کرتے تو اپنا سر مبارک نہ اوپر اٹھاتے تھے اور نہ بالکل نیچے جھکا دیتے تھے۔ دونوں کے درمیان رکھتے تھے، اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سجدہ میں نہ جاتے جب تک کہ سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے اور جب آپ سجدہ سے سر اٹھاتے تو (دوسرے) سجدے میں نہ جاتے جب تک کہ سیدھے نہ بیٹھ جاتے اور آپ ہر دو رکعتوں میں التحیات پڑھتے تھے اور آپ بایاں پاؤں بچھا دیتے اور دایاں کھڑا رکھتے تھے۔ اور شیطان کی طرح بیٹھنے سے منع فرماتے تھے اور آپ اس سے بھی منع فرماتے تھے کہ آدمی اپنے دونوں بازوؤں کو درندہ کی طرح بچھا دے اور آپ نماز سلام سے ختم فرماتے تھے۔

6- عن انس ان النبی ﷺ نہی عن الاقعاء والتورك فی الصلوة۔
(سنن کبری بیہقی ج2 ص120)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے نماز میں اقعاء اور تورک سے منع فرمایا ہے۔

7- عن انس ان النبی ﷺ نہی عن الاقعاء والتورك فی الصلوة۔
(مجمع الزوائد ج2 ص86)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے نماز میں اقعاء اور تورک سے منع فرمایا ہے۔

8- عن سمرة ان النبی ﷺ نہی عن التورك والاقعاء الحدیث۔ (مجمع الزوائد ج2 ص86)

حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے تورک اور اقعاء سے منع فرمایا ہے۔

9- عن عبداللہ بن عبداللہ انه اخبره انه كان يرى عبداللہ بن عمر يتربع فی الصلوة اذا جلس ففعلته و انا يومئذ حديث السن فنهانی عبداللہ بن عمر و قال انما سنة الصلوة ان تنصب رجلك اليمنى و تثنى اليسرى فقلت انك تفعل ذالك فقال ان رجلای لا تحملانی۔ (بخاری ج1 ص114)

حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کو دیکھتے تھے کہ جب آپ (قعدہ) میں بیٹھتے تو چوکڑی مار کر بیٹھتے (فرماتے ہیں کہ) میں ابھی بالکل نوعمر تھا میں بھی ایسا کرنے لگا حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے مجھے اس سے روکا اور فرمایا کہ نماز میں سنت یہ ہے کہ (بیٹھنے میں) دایاں پاؤں کھڑا رکھو اور بایاں پاؤں پھیلا دو میں نے کہا کہ آپ تو اس طرح کرتے ہیں (چوکڑی مارتے ہیں) آپ نے فرمایا میرے پاؤں میرا بار نہیں اٹھا پاتے۔

ان احادیث سے حنفی مذہب ثابت ہو گیا کہ دونوں قعدے برابر ہیں۔

رہی وہ روایت جو پیر بدیع الدین شاہ راشدی صاحب نے نقل کی ہے۔ اس کے کئی جواب ہیں۔

1- یہ رویات مضطرب ہے خود ابو حمید ساعدی کی بعض روایات میں بھی تورک کا ذکر نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

حدثنی ابو الحسن الا صبھانی قال ثنا ھشام بن عمار قال ثنا اسمعیل بن عیاش قال ثنا عتبہ بن ابی حکیم عن عیسے بن عبدالرحمن العداوی عن العباس بن سھل عن ابی حمیدن الساعدی انہ کان یقول لاصحاب رسول اللہ ﷺ انا اعلمکم بصلوۃ رسول اللہ ﷺ قالوا من این قال رقبت ذلک منہ حتی حفظت صلوتہ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا قام الی الصلوۃ کبر و رفع یدیہ حذاء وجھہ فاذا کبر للرکوع فعل مثل ذلک واذا رفع راسہ من الرکوع قال سمع اللہ لمن حمدہ فعل مثل ذلک ربنا و لک الحمد و اذا سجد فرج بین فخذیہ غیر حامل بطنہ علے شئی من فخذیہ و لا مفترش دراعیہ فاذا قعد للتشھد اصجع رجلہ الیسری و نصب الیمنی علے صدرھا.

ترجمہ: حدیث بیان کی مجھ سے ابو الحسن الاصبہانی نے کہا حدیث بیان کی ہم سے ہشام بن عمار نے کہا حدیث بیان کی ہم سے اسمعیل بن عباس نے کہا حدیث بیان کی ہم سے عتبہ بن ابی حکیم نے وہ روایت کرتے ہیں عیسیٰ بن

عبدالرحمن العدوی سے وہ عباس بن سہل سے وہ ابو حمید الساعدی ؓ سے کہ آپ اصحاب رسول مقبول ﷺ سے فرمایا کرتے تھے کہ میں آپ لوگوں کے درمیان رسول مقبول ﷺ کی نماز سے زیادہ واقف ہوں انہوں نے کہا یہ کیونکر فرمایا آپ کی نماز دیکھتا رہتا تھا یہاں تک کہ آپ کی نماز یاد کر لی تھی فرمایا رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو تکبیر تحریمہ کہتے تھے اور روئے مبارک تک دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع میں جاتے تب بھی ایسا ہی کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے۔ اور اس طرح ہاتھ اٹھاتے ربنا ولك الحمد بھی کہتے اور سجدہ کرتے تو پیروں کے درمیان کشادگی رکھتے اور شکم رانوں کے اوپر نہ ڈال دیتے اور نہ کہیں زمین پر بچھاتے پھر جب تشہد کے لئے بیٹھتے تو بایاں قدم بچھا لیتے اور داہنا قدم کی انگلیوں کے بل کھڑا کر لیتے اور تشہد پڑھتے۔

جب ابو حمید ساعدی ؓ کی ہی روایات مختلف ہیں تو ان پر مسئلہ کی بنیاد رکھ کر یہ کہنا کہ حنفی مسلک حدیث کے خلاف ہے۔ کیسے درست ہو سکتا ہے۔

2- اس حدیث کی سند میں محمد بن عمر بن عطاء ہیں ان کا حضرت ابو حمید سعدی ؓ سے سماع ثابت نہیں۔

3- یہ روایت عذر پر محمول ہے ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ اگر عذر ہو تو آدمی تورک کر سکتا ہے سنت نہیں ہے سنت وہی طریقہ ہے جو اوپر والی روایات سے ثابت ہوتا ہے۔

اعتراض نمبر (51)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی

حدیث نبوی ﷺ

عن عبادۃ بن الصامت قال ان رسول اللہ ﷺ قال لا صلوۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب

(ترجمہ) سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس آدمی نے (نماز میں) سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی۔

(بخاري ج۱ کتاب الاذان. باب وجوب القرائۃ للامام والمئموم في الصلوت کلها في الحضر والسفر وما يجهر فيها وما يخافت ص۱۰۴، رقم الحديث ۷۵٦) (مسلم ج۱ کتاب الصلاۃ باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ في کل رکعۃ الخ صفحه: ۱٦۹ رقم الحديث ۸۷۴)

فقہ حنفی

وھو مخیر فی الاخیرین معناہ ان شاء سکت وان شاء قرء وان شاء سبح کذا روی عن ابی حنیفۃ۔

(ھدایہ اولین ج۱ کتاب الصلوٰۃ باب النوافل فصل القرائۃ ص۱۴۸)

(ترجمہ) آخری دو رکعتوں میں نمازی کو اختیار ہے یعنی اگر چاہے خاموش رہے، اگر چاہے قرأت کرے اگر چاہے سبحان اللہ کہے ابوحنیفہ سے اسی طرح مروی ہے۔ (فقہ وحدیث ص ۹۰)

جواب:

یہاں پر اصل مسئلہ یہ ہے کہ چار رکعت والی فرض نماز میں آخری دو رکعتوں میں قرأۃ کرنے کا حکم کیا ہے۔ غیر مقلدین کے نزدیک ان رکعتوں میں بھی پہلی دو رکعتوں کی طرح قرأۃ کرنی فرض ہے۔ اور فقہ حنفی میں مستحب ہے اور بعض حنفی فقہاء سنت کے بھی قائل ہیں۔ کیونکہ جتنی قرأت نماز میں لازمی تھی وہ تو پہلی دو رکعتوں میں ادا ہو گئی۔ اور پچھلی دو رکعتوں میں قرأۃ کے فرض یا واجب ہونے کی

کوئی واضح دلیل موجود نہیں۔ جن دلائل سے پچھلی دو رکعتوں میں قرأۃ کا ذکر ملتا ہے حنفی حضرات کے نزدیک ان سے صرف استحباب یا زیادہ سے زیادہ سنت ہی ثابت ہوتی ہے۔ فرض یا واجب ثابت نہیں ہوتی۔ فقہ حنفی صرف فرض یا واجب ہونے کی نفی کرتی ہے۔ مستحب کے تو حنفی بھی قائل ہیں۔

فقہ حنفی کے دلائل ملاحظہ فرمائیں

حدیث نمبر ۱:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔ نہ جہری میں نہ سری میں نہ پہلی دو رکعات میں نہ آخری دو رکعات میں۔ لیکن جب تنہا نماز پڑھتے اور آخری رکعات میں کچھ نہیں پڑھتے تھے۔ (موطا امام محمد باب القرآۃ فی الصلوۃ خلف الامام)

حدیث نمبر ۲:

عبداللہ بن ابی رافع نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورت فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورت پڑھتے تھے اور دوسری دو رکعتوں میں بالکل قرآن نہیں پڑھتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق باب کیف القراءۃ فی الصلوۃ ج ۲ ص ۶۵ شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۵۲ مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۱ ص ۳۲۷)

حدیث نمبر ۳:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آخری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھتی تھی اور فرماتی تھی ان دو رکعتوں میں دعا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق حدیث نمبر ۲۶۶۵ مشکل الاثار طحاوی ج ۱ ص ۵۳)

حدیث نمبر ۴:

جابر بن سمرہ فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہا کوفیوں نے تیری ہر طرح کی شکایت کی ہے۔ حتی کہ نماز تک کی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں تو پہلی دو رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھتا ہوں اور پچھلی دو میں حذف کرتا ہوں۔ میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں کوئی کمی نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا تو سچا ہے یہی تجھ سے گمان ہے۔ یا میرا گمان تجھ سے یہی ہے۔

(بخاری کتاب الاذان باب یطول فی الاولیین و یحذف فی الاخریین)

حدیث نمبر ۵:

عن ابراھیم قال اما قرا علقمۃ فی الرکعتین الاخریین حرفا قط

(مصنف عبدالرزاق باب کیف القراءۃ فی الصلوۃ جلد نمبر ۲ ص ۶۵ حدیث نمبر ۲۶۶۰)

(مصنف ابن ابی شیبۃ باب من کان یقول یسبح فی الاخریین ولا یقرا ج اول ص ۳۲۷ حدیث ۳۷۴۲)

حدیث نمبر ۶:

حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے انہوں ے کہا کہ (فرض کی) پہلی دو رکعتوں میں قرآن پڑھو اور پچھلی دو رکعتوں میں تم تسبیح پڑھتے رہو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۲)

ابن قدامہ فرماتے ہیں:

امام احمد سے روایت ہے کہ نماز کی پچھلی دو رکعتوں میں قراءت واجب نہیں ہے اور اسی جیسا نظریہ نخعی، ثوری ابوحنیفہ کا ہے اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں پہلی دو رکعتوں میں قراءت کرتا ہوں اور پچھلی دو میں تسبیح پڑھتا ہوں۔

ان دلائل سے امام ابوحنیفہ کا نظریہ واضح طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ آخری دو رکعتوں میں قرآۃ فرض نہیں باقی رہا قراۃ کا سنت یا مستحب ہونا تو امام صاحب اس کے قائل ہیں۔ اور احناف کا مسلک یہ ہے کہ پڑھنا زیادہ بہتر ہے اور ہدایہ میں بھی یہ لکھا تھا مگر راشدی صاحب نے نقل نہیں کیا۔

الا ان الافضل ان یقرا، مگر افضل یہ ہے کہ قراءۃ کرے (یعنی سورۃ پڑھے)

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی حنفی لکھتے ہیں۔

مسئلہ: تمام فرائض کی پہلی دو رکعات میں قرأۃ فرض ہے اور مغرب کی تیسری رکعت میں اور ظہر، عصر، عشاء کی آخری دو رکعات میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہئے۔ اور اگر اس کی بجائے تسبیح وتحمید کرتا رہے، تب بھی درست ہے، اگر بالکل سکوت کرے تب بھی نماز درست ہوگی۔ لیکن افضل یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھے۔ (نماز مسنون کلاں ۴۲۸ بحوالہ ہدایہ ج ۱ ص ۹۶ ،شرح نقایہ ج ۱ ص ۸۱ کبیری ص ۲۷۷)

اعتراض نمبر ۵۲

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: رات کی نماز، ایک سلام کے ساتھ نو رکعت پڑھنا درست ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

عن سعید بن هشام (فی وتره ﷺ) یصلی تسع رکعات لایجلس الافی الثامنة فیذکر الله ویحمده ویدعوینهض ولا یسلم فیصلی التاسعة ثم یقعد فیذکر الله ویحمده ویدعوه ثم یسلم تسلیما۔

(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ کی وتر کے بارے میں سیدنا سعید بن ہشام روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نو(۹) رکعات پڑھتے مسلسل آٹھ رکعت بغیر قعدہ کے پڑھتے پھر (آٹھویں رکعت پڑھ کر) قعدہ کرتے التحیات پڑھتے پھر (کھڑے ہو کر) نویں رکعت پڑھتے اور سلام پھیرتے۔

(مسلم ج۱ کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرھا باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل وان الوتر رکعۃ وان الرکعۃ صلوٰۃ صحیحۃ صفحہ: ۲۵٦ رقم الحدیث ۱۷۳۹)

فقہ حنفی

فاما نافلة اللیل قال ابوحنیفة ان صلی ثمان رکعات بتسلیمه جاز و تکره الزیادة علی ذلك وقالا لایزید باللیل علی رکعتین بتسلیمة۔

(ھدایہ اولین ج۱ کتاب الصلوٰۃ باب النوافل ص۱۴۸)

(ترجمہ) رات کی نماز کے بارے میں ابوحنیفہ نے کہا اگر آٹھ رکعات ایک سلام کے ساتھ پڑھے تو جائز ہے اس سے زیادہ رکعات (ایک سلام کے ساتھ) پڑھنا مکروہ ہے اور صاحبین نے کہا رات کی نماز میں دو رکعتیں ایک سلام کے ساتھ جائز ہیں اس سے زیادہ (رکعات ایک سلام کے ساتھ) جائز نہیں۔

(فقہ و حدیث ۹۱)

جواب:

مکروہ والی بات فقہ حنفی کا مفتی بہ مسئلہ نہیں ہے پیر بدیع الدین شاہ صاحب اگر فقہ حنفی کی مشہور کتاب المبسوط سرخسی دیکھ لیتے تو شاید ایسا نہ کہتے۔

امام سرخسی نے مبسوط میں کہا ہے:

والاصح ان الزیادة لاتکره لما فیها من وصل العبادة وهو افضل

(ترجمہ) یعنی صحیح تر یہ ہے کہ آٹھ رکعت سے زیادہ مکروہ نہیں اس لئے کہ اس میں اتصال عبادت ہے اور وہ بہتر ہے۔ (بحوالہ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق باب الوتر والنوافل)

امام سرخی حنفی کی اس عبارت سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ فقہ حنفی میں مکروہ نہیں ہے باقی وتروں کے متعلق حنفی طریقہ قرآن وسنت کے مطابق ہے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

فقہ حنفی کے دلائل

وتر پڑھنے کا طریقہ

ابتدائے اسلام میں نماز میں سلام کلام کی بھی گنجائش تھی اور وتر نفل تھے اس لیے بعض اوقات آنحضرت ﷺ تین وتروں میں دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیتے اور ایک وتر علیحدہ پڑھ لیتے۔ دیکھنے والے اس کو دو طرح روایت کر دیتے بعض صرف آخری رکعت کا خیال کر کے اسے ایک رکعت ہی روایت کر دیتے اور بعض یوں بیان کر دیتے کہ تین دو سلاموں سے ادا فرمائے لیکن جیسے باقی نمازوں میں سلام کلام جائز نہیں رہا ایسے ہی وتر کے درمیان بھی سلام کلام جائز نہیں رہا۔

وتر تین رکعات ہیں

(۱)عن ابی بن کعب قال کان رسول الله ﷺ یقرا فی الوتر بسبح اسم ربك الاعلی وفی الرکعة الثانیة بقل یا ایها الکفرون وفی الثالثة بقل هو الله احد ولا یسلم الا فی اخرهن ویقول یعنی بعد التسلیم سبحان الملك القدوس ثلثا۔ (نسائی ج۱ ص۱۹۱)

(ترجمہ) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر (کی پہلی رکعت) میں سبح اسم ربک الاعلی دوسری رکعت میں قل یا ایها الکفرون تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے اور سلام فقط آخری رکعت ہی میں پھیرتے تھے اور سلام پھیرنے کے بعد تین دفعہ سبحان الملک القدوس کہتے تھے۔

(۲)عن عائشة ان رسول الله ﷺ کان اذا صلی العشاء دخل المنزل ثم صلی رکعتین ثم صلی بعدهما رکعتین اطول منهما ثم اوتر بثلث لا یفصل بینهن، الحدیث۔ (مسند احمد ج۶ ص۱۵۶)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب عشاء

کی نماز پڑھ لیتے تو گھر تشریف لاتے پھر دو رکعت پڑھتے پھر ان سے لمبی دو رکعتیں اور پڑھتے پھر تین رکعات وتر پڑھتے اور ان تینوں رکعتوں میں فصل نہیں فرماتے تھے۔ (یعنی دو رکعت کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے)

(۳) عن سعد بن هشام ان عائشة حدثته ان رسول الله ﷺ كان لا يسلم في ركعتي الوتر۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۹۱، مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص ۲۵۹)

(ترجمہ) حضرت سعد بن ہشام رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی دو رکعت کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۴) عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ لا يسلم في الركعتين الاوليين من الوتر (مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۰۴، دارقطنی ج ۲ ص ۳۲)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۵) عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ يوتر بثلث لا يسلم الا في اخرهن وهذا وتر امير المؤمنين عمر بن الخطاب رضي الله عنه وعنه اخذه اهل المدينة. (مستدرک حاکم، ج ۱ ص ۳۰۴)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعات وتر پڑھتے تھے اور سلام فقط آخری رکعت میں پھیرتے تھے اور یہی امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بھی وتر ہیں، انہیں سے یہ اہل مدینہ نے لیے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تین وتر ایک سلام سے پڑھتے تھے

(۶) عن المسور بن مخرمة قال دفنا ابابكر ليلا فقال عمر اني لم اوتر فقام وصففنا وراءه فصلى بنا ثلاث ركعات لم يسلم الا في اخرهن

(طحاوی ج ۱ ص ۲۰۲، مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص ۲۹۳، مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۲۰)

(ترجمہ) حضرت مسور بن مخرمة رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت دفن کیا، (فراغت پر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں نے

وتر نہیں پڑھے، آپ کھڑے ہوئے تو ہم نے بھی آپ کے پیچھے صف باندھ لی، آپ نے ہمیں تین رکعات نماز وتر پڑھائی اور سلام فقط ان کے آخر ہی میں پھیرا۔

(۷)عن عمر بن الخطاب انه اوتر بثلث رکعات لم یفصل بینهن بسلام۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص ۲۹۴)

(ترجمہ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے تین رکعات وتر پڑھے اور تینوں رکعتوں میں سلام کے ذریعہ فصل نہیں کیا۔

(یعنی دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرا)

سرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی وتر تین رکعات ایک سلام سے پڑھتے تھے

(۸)عن الحسن قال کان ابی بن کعب یوتر بثلاث لا یسلم الا فی الثالثة مثل المغرب (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۶)

(ترجمہ) حضرت حسن فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وتر تین رکعات پڑھتا کرتے تھے اور سلام فقط تیسری رکعت میں پھیرتے تھے مغرب کی نماز کی طرح۔

ضرت انس رضی اللہ عنہ تین رکعات وتر ایک سلام سے پڑھتے تھے

(۹)عن ثابت قال قال انس یا ابا محمد خذ عنی فانی اخذت عن رسول اللہ ﷺ واخذ رسول اللہ ﷺ عن اللہ ولن تاخذ عن احد اوثق منی قال ثم صلی بی العشاء ثم صلی ست رکعات یسلم بین الرکعتین ثم اوتر بثلث یسلم فی اخرهن
(کنز العمال ج ۸ ص ۶۶)

(ترجمہ) حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ مجھ سے اخذ کر لو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے اخذ کیا ہے اور تم ہرگز مجھ سے زیادہ ثقہ آدمی سے اخذ نہیں کر سکتے۔

حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پھر آپ نے مجھے عشاء کی نماز پڑھائی پھر چھ رکعات نفل ادا کئے ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے رہے پھر آپ نے تین

رکعات وتر پڑھے اور ان کے آخر میں سلام پھیرا۔

(۱۰) عن ثابت قال صلی بی انس الوتر وانا عن یمینه وام ولده خلفنا ثلث رکعات لم یسلم الافی اخرهن ظننت انه یرید ان یعلمنی (طحاوی ج ۱ ص ۲۰۲)

(ترجمہ) حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مجھے وتر کی تین رکعتیں پڑھائیں اس حال میں کہ میں ان کی دائیں جانب تھا اور ان کی ام ولد ہمارے پیچھے، آپ نے سلام فقط آخر میں پھیرا میرا غالب گمان یہ ہے کہ آپ مجھے وتر کا طریقہ سکھلا رہے تھے۔

حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ بھی وتر تین رکعات ایک سلام سے پڑھتے تھے

(۱۱) عن مکحول انه کان یوتر بثلث لایسلم فی رکعتین۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص ۲۹۴)

(ترجمہ) حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ وتر تین رکعات پڑھا کرتے تھے اور دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا وتر کے متعلق فیصلہ

(۱۲) ثنا ابن وهب قال اخبرنی ابن ابی الزناد عن ابیه قال اثبت عمر بن عبدالعزیز الوتر بالمدینة یقول الفقهاء ثلثا لایسلم الافی اخرهن۔ (طحاوی ج ۱ ص ۲۰۳)

(ترجمہ) ہمیں حدیث بیان کی ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے خبر دی ابن ابوالزناد نے اپنے والد کے واسطے سے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ طیبہ میں فقہاء کے قول کے مطابق وتر تین رکعت مقرر کردیئے تھے جن میں سلام صرف آخر میں پھیرا جاتا تھا۔

مدینہ طیبہ کے سات فقہا بھی ایک سلام کیساتھ تین رکعات وتر کے قائل تھے

(۱۳) ثنا عبدالرحمن بن ابی الزناد عن ابیه عن (الفقهاء) السبعة

سعید بن المسیب وعروۃ بن الزبیر والقاسم بن محمد وابی بکر بن عبدالرحمن و خارجۃ بن زید وعبید اللہ و سلیمان بن یسار فی مشیخۃ سواھم اھل فقہ وصلاح وفضل وربما اختلفوا فی الشیء فاخذ یقول اکثرھم وافضلھم رایا فکان مما وعیت عنھم علی ھذہ الصفۃ ان الوتر ثلث لایسلم الافی اخرھن۔ (طحاوی ج ا ص ۲۰۴)

(ترجمہ) ہم سے حدیث بیان کی عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ بن ابی الزناد نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے اور انہوں نے روایت کی سات (فقہاء تابعین) یعنی سعید بن مسیب، عروۃ بن زبیر، قاسم بن محمد، ابوبکر بن عبدالرحمن، خارجۃ بن زید، عبید اللہ بن عبداللہ اور سلیمان بن یسار رحمہم اللہ سے ان کے علاوہ دوسرے فقیہہ اہل صلاح اور صاحب فضل بزرگوں کی موجودگی میں روویت کی یہ بزرگ اگر کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے تو اس شخص کے قول پر عمل کرتے جو زیادہ ذی رائے اور افضل ہوتا، میں نے جو باتیں ان سے یاد کی ہیں اس طریقہ پر ان میں سے ایک یہ ہے کہ وتر تین رکعات ہیں جن میں سلام فقط آخر ہی میں پھیرا جائے گا۔

اہل اسلام کا اجماع کہ وتر ایک سلام سے تین رکعات ہیں

(۱۴) عن الحسن قال اجمع المسلمون ان الوتر ثلث لایسلم الافی اخرھن۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص ۲۹۴)

(ترجمہ) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ وتر تین رکعات ہیں جن میں صرف آخری رکعت ہی میں سلام پھیرا جائے گا۔

(۱۵) حضرت ابواسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے (ہزاروں) اصحاب (تین وتر پڑھتے تھے) اور دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔

ان تمام روایات سے یہ ثابت ہوا کہ اکثر مسلمانوں کا ان ہی احادیث پر عمل جاری رہا اور دو رکعت کے بعد سلام پھیرنے پر عمل تو کیا جاری رہتا۔ صرف حدیث ہی روایت کی تو شاگرد سن کر کہنے لگا

کہ انی لاخاف ان یقول الناس ھی البتیراء میں ڈرتا ہوں کہ لوگ اس طریقے کو دم کٹی نماز کہیں۔

(طحاوی ج ۱ ص ۱۹۲)

ظاہر ہے کہ اس وقت لوگ یا صحابہ تھے یا تابعین۔ ان کا اس طریقے کو دُم کٹی کہنا اس حدیث کے متروک العمل ہونے کی دلیل ہے جیسا کوئی شخص کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا ذکر کرے تو لوگ اعتراض کرتے۔

افسوس کہ غیر مقلدین نے احناف کی ضد میں ان احادیث پر عمل چھوڑ رکھا ہے جن پر بلانکیر عمل جاری رہا اور شاذ روایات کو اپنانا اپنا مشن بنالیا ہے۔

درمیانی قعدہ

احناف کی ضد میں یا تو غیر مقلدین دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے ہیں یہ غلط طریقہ ہے کیونکہ اس پر عمل باقی نہیں رہا یا احناف کی ضد میں دو رکعت پر سرے سے قعدہ ہی نہیں کرتے یہ بھی ترک واجب ہے۔

(۱) ابوداؤد شریف میں حدیث ہے کہ ایک نماز میں آنحضرت ﷺ درمیانی قعدہ بھول گئے تو آپ ﷺ نے سجدہ سہو فرمایا:

اس لئے اگر کوئی بھول کر بھی یہ قعدہ نہ کرے تو سجدہ سہو واجب ہے ورنہ اعادہ نماز واجب ہے۔

(۲) عن عائشة قالت (فی حدیث طویل) وکان یقول فی کل رکعتین التحیة۔

(مسلم ج ۱ ص ۱۹۴)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (ایک لمبی حدیث کے ذیل میں) فرماتی ہیں کہ اور آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ہر دو رکعت میں التحیات ہے۔

(۳) عن الفضل بن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ الصلوة مثنی مثنی تشهد فی کل رکعتین. الحدیث۔ (ترمذی ج ۱ ص ۸۷)

(ترجمہ) حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز دو دو رکعت ہوتی ہے، ہر دو رکعتوں میں تشہد ہے۔

(۴)عن عبد اللہ (بن مسعود مرفوعا الی النبی ﷺ) قال اذا قعدتم فی کل رکعتین فقولوا التحیات اللہ۔ الحدیث

(نسائی ج ا ص ۱۳۰)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب تم ہر دو رکعت میں قعدہ کرو تو التحیات اللہ (آخر تک) پڑھو۔

(۵)عن ام سلمۃ ان النبی ﷺ قال فی کل رکعتین تشھد وتسلیم علی المرسلین وعلی من تبعھم من عباد اللہ الصالحین۔

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۳۹)

(ترجمہ) حضرت ام سلمۃ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ دو رکعت میں تشہد ہے اور رسولوں پر اور ان کی پیروی کرنے والے اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہے۔

(۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی اور دو رکعتوں پر کھڑے ہو گئے لوگوں نے سبحان اللہ کہا مگر آپ ﷺ نے پرواہ نہیں کی پس جب آپ نماز پوری کر چکے تو دو سجدے سہو کے کئے اور پھر سلام پھیرا۔ (رواہ البزار مجمع الزوائد ج ا ص ۲۰۲ اور کہا اس کے سب راوی ثقہ ہیں)

(۷) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا صلوۃ اللیل مثنی مثنی۔ رات کی نماز دو دو رکعت ہے جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ دو دو رکعت کا کیا مطلب ہے تو فرمایا تسلم فی کل رکعتین (صحیح مسلم ج ا ص ۲۵۷) کہ تم ہر دو رکعت پر سلام پھیرو۔

(۸) چنانچہ تہجد کی نماز میں ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جاتا تھا ہاں وتر کی دو رکعت کے بعد آخر میں یہ سلام باقی نہ رہا تو التحیات پڑھ کر بغیر سلام پھیرے تیسری رکعت میں کھڑے ہوتے تھے اس لئے وہ تمام حدیثیں بھی جن میں سلام کی نفی ہے قعدہ کی دلیل ہیں۔

اور تمام احادیث جن میں نماز وتر کو نماز مغرب جیسا قرار دیا ہے (جو پہلی گذری ہیں)

درمیانی قعدہ کے لئے دلیل ہیں کیونکہ مغرب کے تین فرضوں کی دو رکعتوں کے بعد اگر التحیات نہ پڑھے یعنی قعدہ نہ کرے تو بالاتفاق سجدہ سہو واجب ہے۔

(۹)عن عبد اللہ قال ارسلت امی لیلۃ لتبیت عند النبی ﷺ فتنظر کیف یوتر فصلی ماشاء اللہ ان یصلی حتی اذا کان اخر اللیل وارادالوتر قرأ بسبح اسم ربك الاعلی فی الرکعۃ الاولی وقرأ فی الثانیۃ قل یا ایہا الکفرون ثم قعد ثم قام ولم یفصل بینہما بالسلام ثم قرأ بقل ھو اللہ احد حتی اذا فرغ کبر ثم قنت فدعا بما شاء اللہ ان یدعو ثم کبر ورکع (الخ)

(الاستیعاب فی معرفت الاصحاب لابن عبد البر ج ۴ ص ۷۱)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ کو ایک دفعہ رات گزارنے کے لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہاں بھیجا تا کہ وہ یہ دیکھیں کہ آپ وتر کیسے پڑھتے ہیں (آپ کی والدہ فرماتی ہیں کہ) آپ نے نماز پڑھی جتنی کہ اللہ تعالیٰ نے چاہی حتی کہ جب رات کا اخیر ہو گیا اور آپ نے وتر پڑھنے کا ارادہ کیا تو پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلی اور دوسری میں قل یا ایہا الکفرون پڑھیں پھر قعدہ کیا پھر قعدہ کے بعد کھڑے ہوئے اور ان کے درمیان سلام کے ساتھ فصل نہیں کیا پھر آپ نے قل ھو اللہ احد پڑھی جب آپ قرأت سے فارغ ہوئے تو تکبیر کہی اور دعاء قنوت پڑھی اور قنوت میں جو اللہ نے چاہا دعا مانگی پھر اللہ اکبر کہہ کر رکوع کیا۔

(۱۰)عن عبداللہ بن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ صلوۃ اللیل مثنی مثنی فاذا اردت ان تنصرف فارکع رکعۃ توتر لك ماصلیت قال القاسم ورأینا اناسا منذ ادرکنا یوترون بثلث. الحدیث.

(بخاری ج ۱ ص ۱۳۵)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعت ہوتی ہے پھر جب تمہارا فارغ ہو کر جانے کا

ارادہ ہو تو ایک رکعت اور پڑھ لو یہ تمہاری پڑھی ہوئی نماز کو وتر بنا دے گی،

حضرت قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کو دیکھا جب سے ہم نے ہوش سنبھالا کہ وہ وتر تین رکعات ہی پڑھتے ہیں۔

دیکھئے بخاری شریف کی اس حدیث سے تین رکعت وتر ایک سلام اور دو التحیات سے ثابت ہوگئی ان سب مشہور روایات کے خلاف غیر مقلدین جس روایت سے استدلال کرتے ہیں وہ یہ ہے۔

امام حاکم نے پہلے دو سندوں سے سعید بن ابی عروبہ عن قتادہ عن زرارہ بن ابی اوفی عن سعد بن ہشام عن عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کی پہلی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے اور لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کی پہلی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری مسلم کی شرط پر صحیح ہے (مستدرک حاکم، ج ۱ ص ۳۰۴) سعید کی یہ حدیث مستدرک حاکم کے علاوہ نسائی ج ۱ ص ۲۴۸ موطا امام محمد ص ۱۵۱ طحاوی ج ۱ ص ۱۹۳ محلی ابن حزم ج ۲ ص ۱۴۸ ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۵ دارقطنی ص ۱۷۵ بیہقی ج ۳ ص ۳۱ مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۶ طبرانی صغیر ان دس کتابوں میں حدیث کے الفاظ یہی ہیں کہ دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

اخبرنا ابو نصر احمد بن سہل الفقیہ بنجارا ثنا صالح بن محمد بن حبیب الحافظ ثنا شیبان بن فروخ ابن ابی شیبہ ثنا ابان عن قتادہ عن زراہ بن ابی اوفی عن سعد بن ہشام عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوتر بثلاث لایسلم (فی نسخة لایقعد) الا فی آخرھن وھذا وتر امیر المؤمنین عمر بن الخطاب وعنہ اخذہ اھل المدینہ (المستدرک ج ۱ ص ۳۰۴) گویا دس سندوں میں تو اتفاق ہے کہ حدیث کے الفاظ لایسلم ہیں یعنی آپ ﷺ دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے اور گیارھویں سند میں دو نسخے ہیں ایک تو یہی لایسلم دوسرا لایقعد کہ آپ ﷺ دو رکعتوں کے بعد نہیں بیٹھتے تھے۔ اس لیے ضروری ہوا کہ یہ نسخہ جو گیارہ سندوں کے خلاف ہے اس کی سند اور متن کی تحقیق کی جائے کیونکہ اس نسخہ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے متواتر آیت قرآنی کے خلاف کوئی شاذ قرأت ہو یا محکم کے مقابلہ میں متشابہ آ جائے۔

(۱) اس کی سند کے پہلے دو راویوں کے حالات نہ تقریب میں ملے ہیں نہ تذکرۃ الحفاظ اور میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب میں۔

(۲) تیسرے راوی شیبان بن فروخ کے بارہ میں تقریب التہذیب ص ۱۴۸ پر لکھا ہے صدوق یھم ورمی بالقدر۔ یعنی سچا ہے مگر وہم کا شکار تھا اور تقدیر کے انکار کی بھی تہمت اس پر تھی۔

(۳) چوتھا راوی ابان ہے ابان کی ولدیت سند میں مذکور نہیں تقریب التہذیب میں دس ابان نامی راوی ہیں جن میں سے آٹھ ضعیف ہیں اور دو ثقہ ہیں علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ابان بن یزید قرار دیا ہے لیکن ان کی بات غیر مقلدین کے لیے حجت نہیں بن سکتی اور علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابان بن یزید گو ثقہ ہے لیکن اس کی یہ روایت ثقہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ ہے۔ (آثار السنن ج ۱ ص ۱۵)

(۴) فتاویٰ علمائے حدیث میں ہے: ''ابان کی روایت میں بجائے لایقعد کے لا ''یسلم'' ہے (یعنی سلام نہیں پھیرا کرتے تھے) اس لیے امام بیہقی کی تصریح کے مطابق لایقعد والے الفاظ کو خطاء اور غلطی تصور کرنا چاہیے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۳ ص ۱۹۹)

(۵) اس روایت کا مدار قتادہ پر ہے اور قتادہ جب عن سے روایت کرے تو غیر مقلدین کا اتفاق ہے کہ اس کی روایت حجت نہیں کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث و اذا قر فانصتوا کو ماننے سے اسی لیے انکار کیا ہے کہ قتادہ عن سے روایت کر رہا ہے اور نسائی ج ۱ ص ۱۲۳ کی حدیث مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ جس میں سجدوں کے وقت بھی رفع یدین کرنے کا ذکر ہے۔ قتادہ عن سے روایت کرتے ہیں اور یہ لوگ اس کو نہیں مانتے اس لیے قتادہ کی روایت ان کے نزدیک کیسے حجت بن سکتی ہے اس لیے سند کے اعتبار سے یہ روایت ہرگز قابل استدلال نہیں۔

(۶) اس کے متن پر غور کریں تو بھی جملہ لایقعد صحیح نہیں کیونکہ اس کے بعد اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ وتر پڑھنے کا یہ طریقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تھا اور یہی طریقہ اہل مدینہ نے ان سے اخذ کیا۔ اب دیکھنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ لایقعد والا تھا یا لایسلم والا تو پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دفن کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب کو نماز وتر پڑھائی تو آخر میں سلام پھیرا اس میں لایسلم ہے لایقعد نہیں۔

(۷) حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے جب کہا گیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے۔ تو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے فقیہ تھے وہ

دوسری رکعت پر سلام پھیرے بغیر تکبیر سے اٹھتے تھے (مستدرک ج ا ص ۳۰۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی صحیح سند سے لا یقعد کا لفظ ثابت نہیں۔

(۸) دوسری بات اہل مدینہ کے وتر کی بابت ہے ان کے بارہ میں بھی گزر چکا کہ بالاتفاق لا یسلم والا طریقہ تھا کسی ایک روایت میں بھی لا یقعد نہیں آتا۔

الغرض لا یقعد والی روایت نہ سنداً صحیح ہے نہ متناً اور اکثر احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے نہایت منکر روایت ہے۔

اعتراض نمبر (۵۳)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: اقامت کے بعد نفل کا حکم۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عن ابی هریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال اذا اقمیت الصلوة فلا صلاة الا المکتوبة۔

(ترجمہ) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کی اقامت کہہ دی جائے تو فرض نماز کے علاوہ دوسری کوئی نماز نہیں (پڑھنی چاہیے)

(مسلم ج ا کتاب صلاۃ المسافرین و قصرها باب کراهية الشروع في نافلة بعد شروع المؤذن في اقامة الصلاة الخ ص ۲۴۷، رقم الحدیث ۱۶۴۴)

فقہ حنفی

ان تفوته الركعة ويدرك الاخرى يصلی ركعتي الفجر عند باب المسجد۔ (هدایہ اولین ج ا کتاب الصلاة باب ادراك الفريضة صفحه: ۱۵۲)

(ترجمہ) (فجر نماز) کی ایک رکعت فوت ہو چکی ہو اور دوسری رکعت مل سکتی ہو تو مسجد کے دروازے کے پاس فجر کی سنتیں پڑھ سکتا ہے۔ (فقہ و حدیث ص ۹۲)

جواب:

تمام آئمہ کا اتفاق ہے کہ ظہر، عصر، عشاء کی فرض سے پہلے والی سنتیں بوقت اقامت جماعت

نہ پڑھیں کیونکہ یہ سنتیں بعد فرائض کے اس نماز کے وقت میں بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ ہاں فجر کی سنتیں جمہور صحابہ وتابعین۔ امام ابوحنیفہ امام ثوری۔ امام مالک فی روایۃ امام اوزاعی، امام حسن بصری، امام مسروق۔ امام ابویوسف، امام محمد، امام زفر کے نزدیک دو شرطوں سے پڑھی جاسکتی ہیں۔

پہلی شرط:

خارج مسجد ہو یا جماعت اور مصلی کے درمیان کوئی چیز حائل ہو۔

دوسری شرط:

ایک رکعت امام کے ساتھ مل جانے کا غالباً گمان ہو۔

اگر یہ دونوں شرطیں نہیں پائی جاتیں تو ایسا شخص جماعت میں شامل ہو جائے پھر سورج نکلنے کے بعد یہ سنتیں پڑھے، نماز فجر کی سنتیوں میں یہ خاص رایت کیوں رکھی گئی ہے اس کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) احادیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ فجر کی نماز کی سنتیوں کی تاکید باقی تمام سنتوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ (دیکھے آثار السنن ج ۲ص ۲۲وص ۲۹)

(۲) نماز فجر کے بعد نوافل پڑھنا منع ہے۔ (آثار السنن ج ۲ص ۲۸.۲۷)

اگر یہ سنتیں فرضوں سے پہلے نہ پڑھی جائیں گی تو پھر نماز فجر کے وقت میں تو پڑھنے کا موقع ہی نہ رہا۔

(۳) عدم قضاء تستہ من غیر بنیۃ الفرضی۔ (معارف السنن شرح ترمذی، ج ۴، ص ۴۷) اس لئے احناف نے دلائل میں تطبیق کی ایسی کوشش کی کہ تطبیق بھی ہو جائے اور تمام فضیلتیں بھی حاصل ہو جائیں۔

فجر کی سنتوں کی فضلیت اور تاکید والی روایات

(۱) عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ ركعتا الفجر خير من الدنيا ومافيها۔ (مسلم ج ا ص ۲۵۱)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا فجر کی دو رکعتیں دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے سب سے بہتر ہیں۔

(۲) عن عائشة قالت لم يكن النبي ﷺ على شيء من النوافل اشد تعاهدا منه على ركعتي الفجر

(بخاری ج۱ص۱۵۶، مسلم ج۱ص۲۵۱)

(ترجمہ) حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی نفل کی اتنی زیادہ پابندی اور حفاظت نہیں کرتے تھے جتنی فجر کی دو رکعتوں کی۔

(۳) عن ابی ہریرة قال قال رسول الله ﷺ لا تدعوهما وان طردتكم الخيل. (ابوداؤد ج۱ص۱۷۸)

حضرت ابوہریرۃ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ فجر کی دو رکعتوں کو نہ چھوڑو اگرچہ گھوڑے تمہیں روند ڈالیں۔

جماعت کی فضیلت والی روایت

دلائل احناف

عن ابی ہریرہ رضی الله تعالى عنه ان رسول الله ﷺ قال اذا اقيمت فلا صلوة الا المكتوبة الا ركعتي الصبح

(سنن الکبریٰ بیہقی ج۲ص۴۸۳)

(ترجمہ) حضرت ابو یرہ ؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب نماز کھڑی کر دی جائے تو کوئی نماز نہیں سوائے فرضی نماز کے مگر فجر کے دو رکعتیں۔ (یعنی سنت فجر)

(۲) عن ابی اسحق قال حدثني عبدالله بن ابي موسى عن ابيه حين دعاهم سعيد بن العاص دعا ابا موسى وحذيفة وعبد الله بن مسعود قبل ان يصلي الغداة ثم خوجوا من عنده قد اقيمت الصلوة فجلس عبدالله الى اسطوانة من المسجد فصلى الركعتين ثم دخل في الصلوة

(طحاوی ج۱ص۲۵۷)

(ترجمہ) حضرت ابواسحق فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابوموسیٰ (اشعری ؓ) کے صاحبزادے عبداللہ ؒ نے اپنے والد کے واسطے سے یہ حدیث بیان کی جب کہ ان کو حضرت سعید بن العاص ؓ نے بلایا کہ حضرت سعید بن

العاص نے حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت حذیفہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کو فجر کی نماز سے پہلے بلایا، پھر جب یہ حضرات ان کے پاس سے نکلے تو جماعت کھڑی ہو چکی تھی، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مسجد کے ایک ستون کے پاس بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھیں پھر نماز میں شریک ہو گئے۔

(۳)عن عبد اللہ بن ابی موسی قال جاء ابن مسعود والامام یصلی الصبح فصلی رکعتین الی ساریة ولم یکن صلی رکعتی الفجر۔
(معجم طبرانی کبیر ج۹ ص۲۷۷)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ ابی موسیٰ (اشعری رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا آپ نے ایک ستون کی اوٹ میں فجر کی دو رکعت سنتیں ادا کیں جو آپ پہلے ادا نہیں کر سکے تھے۔

(۶)عن عبد اللہ بن ابی موسی عن عبد اللہ انہ دخل المسجد والامام فی الصلوۃ فصلی رکعتی الفجر۔ (طحاوی ج۱ ص۲۵۷)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ ابی موسیٰ (اشعری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے اور وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ (فجر کے وقت) مسجد میں تشریف لائے تو امام نماز میں تھا تو (پہلے) آپ نے فجر کی دو سنتیں پڑھیں۔

(۵)عن حارثة بن مضرب ان ابن مسعود وابا موسی خرجا من عند سعید بن العاص فاقیمت الصلوۃ فرکع بن مسعود رکعتین ثم دخل مع القوم فی الصلوۃ واما ابو موسی فدخل فی الصف
(مصنف ابن ابی شیبۃ ج۲ ص۲۵۱)

(ترجمہ) حضرت حارثہ بن مضرب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما، حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس سے نکلے تو فجر کی جماعت کھڑی ہوگئی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو فجر کی دو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہوئے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سیدھے صف میں داخل ہو گئے۔

(٦)عن مالك بن مغول قال سمعت نافعا يقول ايقظت ابن عمر لصلوة الفجر وقد اقيمت الصلوة فقام فصلى ركعتين۔

(طحاوی ج ۱ ص ۲۵۸)

(ترجمہ) حضرت مالک بن مغول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو فجر کی نماز کے لیے جگایا جب کہ جماعت کھڑی ہوچکی تھی، آپ اُٹھے اور (پہلے) دو رکعتیں پڑھیں۔

(٧)عن محمد بن كعب قال خرج عبدالله بن عمر من بيته فاقيمت صلوة الصبح فركع ركعتين قبل ان يدخل المسجد وهو فى الطريق ثم دخل المسجد فصلى الصبح مع الناس

(طحاوی ج ۱ ص ۲۵۸)

(ترجمہ) حضرت محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گھر سے تشریف لے گئے تو فجر کی جماعت کھڑی ہوچکی تھی آپ نے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے راستہ ہی میں دو رکعت (فجر کی سنتیں) ادا کیں پھر مسجد میں داخل ہوئے اور فجر کی نماز لوگوں کے ساتھ ادا کی۔

(٨) عن زيد بن اسلم عن ابن عمر انه جاء والامام يصلى الصبح ولم يكن صلى الركعتين قبل الصبح فصلاهما فى حجرة حفصة ثم انه صلى مع الامام۔ (طحاوی ج ۱ ص ۲۵۸)

(ترجمہ) حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ (فجر نماز کے لیے) تشریف لائے تو امام نماز پڑھا رہا تھا اور آپ نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں چنانچہ آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں سنتیں ادا کیں پھر امام کے ساتھ نماز پڑھی۔

(٩) عن ابی مجلز قال دخلت المسجد فی صلوة الغداة مع ابن عمر وابن عباس والامام يصلی فاما ابن عمر فدخل فی الصف واما

ابن عباس فصلی رکعتین ثم دخل مع الامام فلما سلم الامام قعد ابن عمر مکانه حتی طلعت الشمس فقام فرکع رکعتین

(طحاوی ج ۱ ص ۲۵۷)

(ترجمہ) حضرت ابو مجلز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے ساتھ فجر کی نماز کے لیے مسجد میں آیا تو امام نماز پڑھا رہا تھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تو صف میں داخل ہو گئے لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما دو رکعت (سنت) پڑھ کر امام کے ساتھ شریک ہوئے پھر جب امام نے سلام پھیرا تو حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما اپنی جگہ بیٹھے رہے حتی کہ جب سورج نکل آیا تو اٹھ کر دو رکعتیں پڑھیں۔

(۱۰) عن ابی عثمان الانصاری قال جاء عبداللہ بن عباس والامام فی صلوۃ الغداۃ ولم یکن صی الرکعتین فصلی عبداللہ بن عباس الرکعتین خلف الامام ثم دخل معھم۔ (طحاوی ج ۱ ص ۲۵۸)

(ترجمہ) حضرت ابو عثمان انصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (فجر کی نماز کے لیے مسجد) تشریف لائے تو امام نماز میں تھا اور آپ نے دو رکعتیں (سنت کی) نہیں پڑھی تھیں چنانچہ آپ نے دو رکعت سنت امام کے پیچھے پڑھیں پھر لوگوں کے ساتھ شریک (جماعت) ہو گئے۔

(۱۱) عن ابی الدرداء انه کان یدخل المسجد والناس صفوف فی صلوۃ الفجر فیصلی الرکعتین فی ناحیة المسجد ثم یدخل مع القوم فی الصلوۃ۔ (طحاوی ج ۱ ص ۲۵۸)

(ترجمہ) حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ مسجد میں تشریف لاتے تو لوگ فجر کی نماز کی صف باندھے کھڑے ہوتے، آپ مسجد کے ایک گوشہ میں دو رکعت (سنت) ادا کرتے پھر لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاتے۔

(۱۲) عن ابی عثمان النھدی قال کنا ناتی عمر بن الخطاب قبل ان نصلی الرکعتین قبل الصبح وھو فی الصلوۃ فنصلی فی اخر

المسجد ثم ندخل مع القوم فی صلوتھم۔ (طحاوی ج۱ ص۲۵۸)

(ترجمہ) حضرت ابوعثمان نہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں صبح کی دو سنتیں پڑھنے سے پہلے حاضر ہوتے تو آپ نماز پڑھا رہے ہوتے، ہم مسجد کے آخر میں دو سنتیں پڑھ کر لوگوں کے ساتھ ان کی نماز میں شریک ہوجاتے۔

(۱۳) عن حصین قال سمعت الشعبی یقول کان مسروق یجیئ الی القوم وھم فی الصلوۃ ولم یکن رکع رکعتی الفجر فیصلی الرکعتین فی المسجد ثم یدخل مع القوم فی صلوتھم۔ (طحاوی ج۱ ص۲۵۸)

(ترجمہ) حضرت حصینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام شعبی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کے پاس تشریف لاتے اس حال میں کہ لوگ نماز میں ہوتے اور آپ نے فجر کی دو رکعت سنت نہ پڑھی ہوتیں تو آپ مسجد میں دو رکعت سنت پڑھ کر لوگوں کے ساتھ ان کی نماز میں شریک ہوجاتے۔

(۱۴) عن الحسن انه کان یقول اذا دخلت المسجد ولم تصل رکعتی الفجر فصلھما وان کان الامام یصلی ثم ادخل مع الامام

(طحاوی ج۱ ص۲۵۸)

(ترجمہ) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ جب تم مسجد میں داخل ہو اور تم نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں تو (پہلے) وہ سنتیں پڑھ لو اگرچہ امام نماز ہی پڑھا رہا ہو پھر امام کے ساتھ شریک ہوجاؤ۔

(۱۵) انا یونس قال کان الحسن یقول یصلیھما فی ناحیۃ المسجد ثم یدخل مع القوم فی صلوتھم۔ (طحاوی ج۱ ص۲۵۸)

(ترجمہ) حضرت ھشیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت یونس رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی وہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ فجر کی دو سنتیں مسجد کے ایک گوشہ میں پڑھ کر پھر لوگوں کے ساتھ ان کی نماز میں شریک ہوجاتے۔

(۱۶) عن سعید بن جبیر انه جاء الی المسجد والامام فی صلوۃ الفجر

فصلی الرکعتین قبل ان یلج المسجد عند باب المسجد۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص ۲۵۱)

(ترجمہ) حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ وہ مسجد میں تشریف لائے تو امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا آپ نے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے مسجد کے دروازے کے پاس دو رکعت سنت ادا کیں۔

(۱۷) عن مجاھد قال اذا دخلت المسجد والناس فی صلوۃ الصبح ولم ترکع رکعتی الفجر فارکعھما وان ظننت ان الرکعۃ الاولی تفوتك

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص ۲۵۱)

(ترجمہ) حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تم مسجد میں داخل ہو اور لوگ صبح کی نماز پڑھ رہے ہوں اور تم نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں تو (پہلے) وہ پڑھ لو اگرچہ تمہارا خیال ہو کہ تم سے پہلی رکعت فوت ہو جائے گی۔

(۱۸) عن مسروق انہ دخل المسجد والقوم فی صلوۃ الغداۃ ولم یکن صلی الرکعتین فصلاھما فی ناحیۃ ثم دخل مع القوم فی صلاتھم۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۰)

(ترجمہ) مسروق سے روایت ہے کہ بے شک وہ داخل ہوا مسجد میں لوگ صبح کی نماز میں تھے اور اس نے دو رکعتیں نہیں پڑھی تھیں پس انہیں ایک کونے میں پڑھا پھر وہ لوگوں کے ساتھ نماز میں داخل ہوئے۔

حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی توجیہ

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے امام ترمذی فرماتے ہیں زکریا بن اسحاق، ایوب، ورقاء بن عمر زیاد بن سعد اسماعیل بن مسلم اور محمد بن حجادہ اس کو عمرو بن دینار عن عطا بن یسار عن ابی ہریرہ مرفوع نقل کرتے ہیں اور حماد بن زید اور سفیان بن عینیہ عمرو بن دینار سے موقوف نقل کرتے ہیں والمرفوع اصح حماد بن سلمہ (کتاب الام ج ۱ ص ۱۲۶ و حاشیہ الام ج ۱ ص ۱۲۹، ابن علیہ عند ابن ابی شیبہ ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع عند ابن ابی حاتم (معارف السنن ص ۷۶ ـ ۷۸، ج ۴) بھی اس کو موقوف نقل کرتے ہیں محمد بن طاہر المقدسی نے بھی

موقوف ہی قرار دیا ہے (تذکرۃ الموضوعات ص۶) اسی اختلاف کی وجہ سے امام بخاری ؒ نے صحیح میں اس کو سنداً روایت نہیں کیا۔ غالباً اسی اختلاف کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو ترمذی نے صحیح کے بجائے حسن قرار دیا ہے۔ پھر خود ابوہریرہ ؓ سے بسند صحیح لا تدعوا رکعتی الفجر و لوطردتکم الخیل (آثار السنن ج۱ ص۲۹) مروی ہے اور حضرت ابوہریرہ ؓ سے ہی مرفوعاً من ادرك رکعة فقد ادرك الصلوۃ (مسلم ج۲ ص۲۲۱) اور ان سے ہی مرفوعاً مروی ہے اذا کنتم فی المسجد فنودی بالصلوۃ فلا یخرج احدکم حتی یصلی (رواہ احمد ورجالہ رجالہ الصحیح، مجمع الزوائد ج۲ ص۵) تو ان سب احادیث کو جمع کرلیا گیا کہ مسجد کے باہر یا درمیان میں کوئی چیز حائل ہو تو ایک رکعت مل سکنے کی صورت میں فجر کی سنتیں ادا کر کے جماعت میں شامل ہو جائے تاکہ لوطردتکم الخیل کی مخالفت نہ ہو بعض نے بواسطہ مسلمؒ بن خالد زنجی عن عمرو بن دینار ولا رکعتی الفجر روایت کیا ہے لیکن اس کی میں ایک تو یحیٰی بن دینار کے سات شاگردوں پر زیادتی کررہا ہے۔ (آثار السنن ج۲ ص۳۰) اس کے برعکس بیہقی نے بطریق لیث بن سعد عن عطاء عن ابی ھریرہ ؓ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا اقمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا الکتوبۃ الا رکعتی الفجر نقل کیا ہے اس کی سند میں حجاج بن نصیر مختلف فیہ ہے (میزان ج۱ ص۴۶۵ اور عباد بن کثیر الرملی مختلف فیہ ہے (میزان ج۲ ص۳۷۰) پہلی روایت ولا رکعتی الفجر کو ابن عدی نے یحیٰی کی حدیث میں ذکر کیا ہے مگر اس کو اس حدیث میں ذکر نہیں کیا۔ اگر بالفرض دونوں حسن ہوں تو بھی لا رکعتی الفجر صفوں میں مل کر پڑھنے پر اور الا رکعتی الفجر علیحدہ پڑھنے پر محمول ہوں گی۔ عبداللہ بن مالک بن بحینہ بخاری ج۱ ص۹۱ مسلم ج۱ ص۲۴۷ پر ہے آنحضرت ﷺ حجرہ سے جماعت کے لیے مسجد میں آتے تھے آپ نے مسجد میں ہی کسی کو نماز پڑھتے دیکھا اور فرمایا لاتجعلوا ھذا مثل صلوۃ الظھر قبلھا وبعدھا اجعلوا بینھما فصلاً (ج۱ ص۲۱۹ مسند احمد ج۵ ص۳۴۵) اور مسلم میں دوسری ہے فان رسول اللہ ﷺ امرنا ان لانوصل صلوۃ بصلوۃ ج۱ ص۲۸۸ والعبرۃ لعموم اللفظ لالخصوص المورد۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ بالکل جمات کے ساتھ وصل نہ ہو بلکہ فاصلہ پر پڑھی جائیں۔

اعتراض نمبر ۵۴

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: ہر قسم کا سود قبیح ترین گناہ ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ الربا سبعون جزء ایسرھا ان ینکح الرجل امہ۔

(ترجمہ) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سود کے (گناہ) کے ستر درجے ہیں ان میں سے ہلکا یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے صحبت کرے۔

(ابن ماجہ ج۲ ابواب التجارات باب التغلیظ فی الربوا صفحہ: ۱۶۴، رقم الحدیث ۲۲۷۴)

فقہ حنفی

ولا بین المسلم والحربی فی دار الحرب۔

(ھدایہ خیرین ج۳ کتاب البیوع باب الربا، ص ۸۶)

یعنی دار الحرب میں مسلمان اور کافر کے مابین جو بھی (لین دین) ہو وہ سود نہیں ہے۔

(فقہ و حدیث ص ۲۳)

جواب:

فقہ حنفی میں سود قطعی طور پر حرام ہے۔ جو حدیث پیر بدیع الدین شاہ راشدی نے نقل کی ہے حنفی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ راشدی صاحب کا یہ کہنا کہ حنفی سود کو جائز کہتے ہیں۔ درست نہیں۔ آپ نے ہدایہ سے جو عبارت نقل کی ہے وہ بھی پوری نقل نہیں کی ہدایہ کا یہ مسئلہ عام سود کے متعلق نہیں ہے بلکہ دار الحرب میں بھی خاصی نوعیت کا مسئلہ ہے۔

فقہ حنفی میں سود حرام ہے

(۱) قدوری میں ہے

سود حرام ہے ہر چیز میں خواہ کیلی ہو یا وزنی

(قدوری باب الربوا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

(۲) کنز الدقائق میں ہے۔

ربو (سود) مال کی اس زیادتی کو کہتے ہیں جو مال کو مال سے بدلنے میں بلا عوض ہو (مثلاً دوسیر گیہوں وغیرہ کے بدلے تین سیر لے لئے یا دیدیے یا دس روپے لے کر گیارہ دے دیے یا لے لیے) اور (دو چیزوں میں) ربوا (پیمانے) کی علت قدر اور جنس (میں دونوں کا ایک ہونا) ہے (قدر سے مراد یہ ہے کہ جو چیز پیمانہ سے نپ کر بکتی ہے اس میں پیمانہ اور جو تل کر بکتی ہو اس میں تول ایک ہو یعنی دونوں تل کر بکتی ہوں اور جنس کے ایک ہونے کا یہ مطلب ہے کہ دونوں چیزیں ایک ہی قسم کی ہوں مثلاً دونوں گیہوں ہوں یا دونوں جو، چنے وغیرہ ہوں) پس جن چیزوں میں یہ قدر و جنس ایک ہوں ان میں (ایک طرف سے) زیادتی اور ادھار (دونوں حرام ہیں)

(احسن المسائل ترجمہ کنز الدقائق المسائل ترجمہ کنز الدقائق ص ۲۳۱، سود کے احکام)

(۳) شرح وقایہ میں ہے

تو جو چیز تپ یا تل کر بکتی ہے جب بدلے میں اپنی جنس کے بیچی جاوے گی تو اس میں زیادتی لینا حرام ہے اگرچہ وہ کھانے کی نہ ہووے جیسے چونا اور لوہا چونا کیلی ہے اور وزنی

(نور الہدایہ ترجمہ شرح وقایہ جلد سوم باب ربوا)

(۴) ہدایہ میں ہے

فرماتے ہیں کہ ہر اس چیز میں ربوا (سود) حرام ہے جو مکیلی یا موزونی ہے بشرطیکہ اسے اس کی ہم جنس کے عوض زیادتی کے ساتھ بیچی جائے۔

(احسن الہدایہ ترجمہ ہدایہ جلد ۸ ص ۳۰۴، ۳۰۳ باب الربا)

(۵) درمختار میں ہے۔ باب الربو یہ باب ہے ربو یعنی سود اور بیاج کی احکام میں۔

م۔ مرابحہ کے بعد ربوا کو اس واسطے ذکر کیا کہ دونوں میں زیادت ہے مگر یہ کہ مرابحہ کی زیادت حلال ہے اور ربوا کی زیادت حرام قطعی قال اللہ تعالیٰ یاایہا الذین امنو لاتاکلوا الربوا یعنی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ایمان والوں بیاج (سود) نہ کھاؤ اس آیت میں ربوا سے مراد قدر زائد ہے خواہ زائد قرض میں ہو یا اموال ربوا کی بیع ہو اور گاہے ربوا نفس زیادت کو بھی کہتے ہیں یعنی بمعنی مصدری قال اللہ تعالیٰ واحل اللہ البیع وحرم الربوا یعنی حق تعالیٰ نے فرمایا حلال کیا ہے اللہ نے بیع کو اور حرام کیا ربوا کو یعنی اموال ربویہ کے قرض اور بیع میں زیادہ دینے لینے کو کذافی فتح القدیر ملخصاً۔ معلوم ہوا کہ

جیسے بیع میں سود حرام ہے ویسے ہی قرض میں بھی حرام ہے تو یہ جو بعضے ناقص الفہم کہتے ہیں کہ سود تو فقط میں حرام ہے نہ قرض میں سو غلط ہے صحیح مسلم وغیرہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی سود کھانے اور کھلانے والے پر ابوداؤد اور ترمذی میں اتنی روایت زیادہ ہے کہ سود کے دونوں گواہوں اور کاتب پر لعنت فرمائی اور نسائی میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آوے گا کہ کوئی باقی نہ رہے گا مگر سود کھائے گا اور اگر سود نہ کھائے گا تو اس کو اس کی بھاپ لگے گی اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اس کی غبار لگے گا کذا فی التسیر۔

ہو لغۃ مطلق الزیادۃ ربوا لغت میں مطلق زیادت کو کہتے ہیں خواہ کیل یا وزن میں زیادت ہو یا سوائے اس کے۔ (غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار ج ۳ ص ۱۳۰،۱۴۰)

(٦) فتاوی عالمگیری میں ہے: چھٹی فصل ربوا (سود) اور اس کے احکام کے بیان میں واضح ہو کہ ربوا (سود) شرح میں اس مال کو کہتے ہیں کہ جو مال کے عوض مال لینے میں زیادتی ہو کہ اس کے مقابلے میں مال نہ ہو اور یہ ربوا (سود) ہر ناپ یا تول کی چیزوں میں جو اپنے جنس کے ساتھ بیچی جاویں حرام ہے۔

(فتاوی ہندیہ ترجمہ فتاوی عالمگیری ج ۴ ص ۳۹۸)

(٧) بہشتی زیور میں ہے

سودی لین دین کا بڑا بھاری گناہ ہے۔ قرآن مجید اور حدیث شریف میں اس کی بڑی برائی اور اس سے بچنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے سود دینے والے اور لینے والے اور بیچ میں پڑ کے سود دلانے والے، سودی دستاویز لکھنے والے گواہ شاہد وغیرہ سب پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ سود دینے والا اور لینے والا گناہ میں دونوں برابر ہیں اس لیے اس سے بہت بچنا چاہیے اس کے مسائل بہت نازک ہیں زرا ذرا سی بات میں سود کا گناہ ہو جاتا ہے اور انجان لوگوں کو پتہ بھی نہیں لگتا کہ کیا گناہ ہوا۔ ہم ضروری ضروری مسئلے یہاں بیان کرتے ہیں لین دین کے وقت ہمیشہ ان کا خیال رکھا کرو۔ (مکمل مدلل بہشتی زیور حصہ پنجم باب سودی لین دین کا بیان ص ۳۷۰ وص ۳۷۱)

(٨) الفلاح الضروری اردو ترجمہ التسہیل الضروری لمسائل القدوری میں ہے

سوال: لغت اور شریعت کی رو سے سود کیا ہے۔

جواب: سود لغت کی رو سے مطلق زیادت (کا نام) ہے اور بہر حال سفید شریعت (کی اصطلاح) میں

وہ دو قسموں کی طرف منقسم ہے (۱) بیع کا سود (۲) قرض کا سود اور یہ دونوں حرام ہیں اور تحقیق (سود) لینے والے اور دینے والے کے حق میں سخت وعید وارد ہوئی ہے۔

سوال: قرض کا سود کیا ہے؟

جواب: ۔ وہ یہ ہے کہ کوئی شخص مثلاً دراہم یا دنانیر قرض میں دے اور قرض دار پر شرط لگائے کہ وہ اسے اس سے زیادہ ادا کرے جو اس نے قرض میں دیا ہے۔ (الفلاح الضروری ص ۱۷۷)

سوال: بیع کا سود کیا ہے۔

جواب: ۔ وہ یہ ہے کہ کیلی یا وزنی (چیز) اس کی جنس کے عوض زیادت کے طور پر بیچے یا کیلی یا وزنی (چیز) اس کی جنس کے عوض یا غیر جنس کے عوض ادھار کے طور پر بیچے۔ (الفلاح الضروری ص ۱۷۷،۱۷۸)

سوال: کیا اس (سلسلہ) میں نبی پاک ﷺ کی طرف سے نص وادر ہوئی ہے؟

جواب: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں (مسلم فی الربا) کہ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سونے کو سونے کے عوض، چاندی کو چاندی کے عوض، گندم کو گندم کے عوض، جو کو جو کے عوض، کھجور کو کھجور کے عوض اور نمک کو نمک کے عوض برابر برابر دست بدست (بیچو) پس جس نے زائد دیا یا زائد لیا تو تحقیق اس نے سود کا ارتکاب کیا (سود) لینے والا اور دینے والا اس (جرم) میں برابر ہیں۔

اور حدیث عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں (مسلم فر الربا آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سونے کو سونے کے عوض، چاندی کو چاندی کے عوض، نمک کو نمک کے عوض برابر برابر دست بدست (بیچو) پس جب یہ قسمیں مختلف ہو جائیں (مثلاً سونے کے عوض چاندی یا گندم کے عوض جو وغیرہ) تو جیسے چاہو بیچو بشرطیکہ دست بدست ہو۔

پس نبی کریم ﷺ نے ان چھ چیزوں کو ذکر فرمایا اور حکم دیا کہ ان چیزوں کو ان کی جنس میں سے بعض کو بعض کے عوض نہ بیچا جائے الا یہ کہ برابر برابر دست بدست ہو اور بیان فرمایا کہ جو زائد ہو جائے پس وہ سود ہے جس جانب سے بھی ہو۔ اور فرمایا کہ (سود) لینے والا اور دینے والا اس (جرم) میں برابر ہیں اور خلاف جنس کا عوض ان قسموں کی فروخت کو برابری اور زیادت کے طور پر جائز قرار دیا بشرطیکہ دست بدس ہو۔ (الفلاح الضروری ص ۱۷۸)

(۹) مولانا حبیب اللہ حنفی لکھتے ہیں

سودی کاروبار

اسلامی شریعت میں سود قطعی حرام ہے اور ہر طرح کا سودی کاروبار بھی حرام ہے۔

(اسلامی فقہ جلد ۲ ص ۳۴۵)

(۱۰) مفتی محمد شفیع حنفی لکھتے ہیں۔

اسلام میں سود و ربوا کی حدمت کوئی مخفی چیز نہیں کہ اس کے لیے رسالے یا کتابیں لکھیں جائیں۔ جو شخص کسی مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا ہے وہ اتنا ضرور جانتا ہے کہ اسلام میں سود حرام ہے۔ (مسئلہ سود ص ۷

ان حوالہ جات سے واضح ہے کہ فقہ حنفی میں سود قطعی طور پر حرام ہے۔ اس پر بے شمار حوالہ جات نقل کئے جاسکتے ہیں۔ بلکہ سود کی حرمت پر حنفی علماء نے عربی، انگریزی، اور اردو زبان میں کئی کتابیں شائع کی ہیں۔ اور اب بھی سب سے زیادہ سود کے خلاف دنیا میں حنفی علماء ہی کی تحقیقات شائع ہو رہی ہیں۔ آپ صرف مفتی شفیعؒ صاحب اور ان کے لائق فرزند گرامی۔ مولانا مفتی رفیع عثمانی۔ اور خاص کر مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کی تصانیف ہی دیکھ لیں۔ آنکھیں کھل جائیں گی۔ اگر زیادہ نہیں تو صرف مسئلہ سود مفتی شفیعؒ صاحب کی اور تجارتی سود مفتی تقی عثمانی کی پڑھ لیں۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ حنفی کیا کہتے ہیں مفتی شفیعؒ صاحب نے اپنے رسالہ میں قرآن مجید کی آٹھ (۸) آیات اور ۷۴، احادیث مبارکہ نقل کر کے سود کی حرمت ثابت کی ہے۔ جس سے راشدی کا الزام غلط ثابت ہوتا ہے کہ احناف سود کی حرمت کے قائل نہیں۔

ہدایہ کی عبارت کی وضاحت

راشدی صاحب نے پوری عبارت نقل نہیں کی ہم پہلے ہدایہ کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

> قال ولا بین المسلم والحربی فی دار الحرب خلافا لابی یوسف رحمة اللہ علیہ والشافعی لھما الاعتبار بالمستامن منھم فی دارنا
>
> فرماتے ہیں کہ دار الحرب میں مسلمان اور حربی کے مابین ربوا نہیں ہے، امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کا اختلاف ہے ان حضرات کی دلیل امن لے کر دالاسلام میں آئے ہوئے حربی پر قیاس ہے۔ (ہدایہ باب الربا)

یہ ہے ہدایہ کی پوری عبارت۔ راشد صاحب نے فی دار الحرب تک عبارت نقل کی ہے آگے خلافا لابی یوسف سے آگے تک عبارت چھوڑ دی۔ یہ کیوں کیا۔ یہ اس لیے کیا کہ عوام کو پتہ لگ

جائے گا کہ اس مسئلہ میں امام ایوسف خلاف ہیں امام ابو یوسف کے نزدیک دار الحرب میں بھی سود جائز نہیں ہے اور بہت سارے محدثین اور فقہاء احناف کا بھی یہی مذہب ہے اور ہمارا بھی اس وقت نظریہ امام ابو یوسف والا ہی ہے۔

باقی جن فقہاء نے امام ابو یوسف کے خلاف نظریہ قائم کیا ہے۔ وہ کمزور ہے۔ اس لیے فقہ حنفی کا فتوی امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔

جو لوگ جائز قرار دیتے ہیں ان کے پاس بھی دلائل موجود ہیں۔ ان میں سے کچھ ہم نقل کرتے ہیں تا کہ دونوں طرف کے دلائل سامنے آجائیں۔

دلیل نمبر ۱:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ میں فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہو کر کافروں سے سود کا معاملہ کرتے رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کا دن حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا۔

> وربا الجاهلية موضوعة واول ربا امنع ربانا ربا عباس ابن عند المطلب
>
> اسی طرح زمانہ جاہلیت کے تمام سود پامال ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے سود کو چھوڑنے کا اعلان کرتا ہوں اور وہ حضرت عباس بن عبد المطلب کا سود ہے ان کا تمام سود چھوڑ دیا گیا ہے۔

(مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم) الرحیق المختوم ص ۶۱۶ سیرت مصطفی. ج ۳ ص ۳۰۲)

اس حدیث کی شرح علامہ ترکمانی حنفی سے

علامہ ترکمانی جوہر النقی جلد ۲ ص ۲۰۳ میں فرماتے ہیں۔

کہ ربا حرام ہو چکا تھا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ مکہ میں فتح مکہ تک ربا کا معاملہ کیا کرتے تھے۔

اس حدیث کی شرح امام طحاوی سے

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عباس کے ربا کو موقوف کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مسلمان اور مشرک میں دار الحرب میں ربا جائز ہے ابو حنیفہ سفیان ثوری اور ابراہیم نخعی بھی جائز کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ جاہلیت کا ربا موقوف ہے اس امر پر دلیل ہے کہ اس وقت تک ربا قائم تھی یہاں تک کہ مکہ فتح ہو کر جاہلیت جاتی رہی حضرت عباس کا ربا موقوف کرنا

اس بات پر دلیل ہے کہ اس وقت بھی وہ جائز تھا کیونکہ موقوف وہی ہوتا ہے جو قائم ہو۔

فقیہ ابوالولید فرماتے ہیں:

کہ یہ استدلال صحیح ہے۔ کیونکہ کہ مشرکین و مسلمین میں دارالحرب میں ربا حلال نہ ہوتا تو حضرت عباس کا ربا اسی وقت موقوف ہوجاتا جس وقت وہ مسلمان ہوئے تھے۔ اور اسلام کے بعد جو کچھ لیا ہوتا واپس کیا جاتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ اگر تم توبہ کرو تو اصل مال تمہارے لیے حلال ہے۔ حجۃ الوداع میں حضور علیہ السلام نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ربا موقوف کیا تو اسلام لانے کے بعد جو کچھ وہ لے چکے تھے اگر ناجائز ہوتا تو واپس کرایا جاتا۔ چوں کہ ایسا نہیں ہوا اس لیے معلوم ہوا کہ دارالحرب میں ربا مسلمان اور حربیوں میں متحقق نہیں ہوتا۔

دلیل نمبر ۲: ہدایہ میں ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا ربا بین المسلم والحربی فی دار الحرب

دارالحرب میں مسلمان اور حربی کے مابین ربوا نہیں ہے۔

(بیہقی فی معرفت السنن والاثار باب بیع الدرھم بالدرھمین فی ارض حدیث نمبر ۵۶۶۳) نصب الرایہ

یہ حدیث گو ضعیف ہے لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی موید ہوسکتی ہے نواب صدیق حسن خاں بھوپالی غیر مقلد لکھتے ہیں۔

ثم نقول اموال اھل الحرب علی اصل الاباحۃ یجوز لکل احد اخذ ماشاء منھا کیف شاء قبل التامین بھم

(ترجمہ) اہل حرب کے اموال مباح ہیں۔ ان کو امان دینے سے پہلے ہر شخص کو جائز ہے کہ ان اموال سے جو چاہے جس طرح چاہیے لے لے۔ (روضۃ الندیہ ص ۱۴۰)

ناظرین ہم نے یہ بحث لمبی کر دی ہے صرف اس لیے کہ یہ سود کا مسئلہ ہے۔ جس میں دونوں گروہوں کے دلائل کا کچھ ذکر کر دیا ہے۔ مگر ہمارا نظریہ پہلے والا ہے دارالحرب میں بھی سود لینا جائز نہیں اس کی حرمت وہاں بھی ہے۔

اعتراض نمبر ۵۵

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: فرض کے بعد فجر کی سنتوں کا حکم

حدیث نبوی ﷺ

عن قیس ابن عمرو قال رای النبی ﷺ رجلا یصلی بعد صلوۃ الصبح رکعتین فقال رسول اللہ ﷺ صلوۃ الصبح رکعتین رکعتین فقال الرجل انی لم اکن صلیت الرکعتین اللتین قبلها فصلیتهما الان فسکت رسول اللہ ﷺ۔

(ترجمہ) سیدنا قیس بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا وہ فجر نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھ رہا تھا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فجر کی نماز تو دو رکعتیں ہیں؟ تو اس آدمی نے جواب دیا میں نے پہلے والی دو رکعتیں (سنتیں) نہیں پڑھی تھیں اب پڑھی ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے۔

(ابوداؤد ج۱ کتاب الصلوۃ باب من فاتتہ متی یقضیھا ص۱۷۸ رقم الحدیث۱۲۶۷)

فقہ حنفی

اذا فاتته رکعتا الفجر لا یقضیهما قبل طلوع الشمس

(ھدایہ اولین ج۱ کتاب الصلوۃ باب ادراک الصلوۃ ص۱۵۶)

جب فجر کی دو رکعتیں (سنتیں) فوت ہو جائیں تو ان کو طلوع آفتاب سے قبل ادا نہیں کر سکتے۔ (فقہ و حدیث ص۹۴)

جواب:

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث سے ثابت ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۱:

روایت ہے ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس نے نہ پڑھی ہوں سنتیں

فجر کی تو پڑھ لے بعد طلوع آفتاب کے۔

(مسلم باب الاوقات التی نہی الصلوۃ فیہا (ترمذی مترجم جلد اول ص ۱۹۱) باب ما جاء فی اعادتہما بعد طلوع الشمس ترجمہ مولانا بدیع الزماں غیر مقلد صحیح ابن حبان۔ مستدرک حاکم۔ موطا امام مالک باب النہی عن الصلوۃ بعد الصبح و بعد العصر۔)

حدیث نمبر ۲:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی صبح کی سنتیں فوت ہو جاتیں تو آپ ان کو طلوع شمس کے بعد پڑھتے۔ (المعتصر من المختصر من مشکل الآثار طحاوی ص ۴۲ بحوالہ احیاء السنن جلد دوم ص ۲۳۶)

حدیث نمبر ۳:

مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ راستہ چھوڑ کر ایک طرف کو چلے، غزوہ تبوک میں قبل فجر کے میں بھی آپ کے ساتھ چلا آپ نے اونٹ بٹھایا اور پاخانہ پھرا پھر آئے تو میں نے چھاگل سے پانی ڈالا آپ کے ہاتھ پر آپ نے دونوں پہنچوں کو دھویا۔ پھر منہ کو دھویا، پھر آپ نے دونوں ہاتھ آستین سے نکالنا چاہے، مگر آستینیں تنگ تھیں، اس واسطے آپ نے جبے کے نیچے سے ہاتھ نکال لیے اور دونوں ہاتھوں کو دھویا، کہنیوں تک اور مسح کیا موزوں پر پھر سوار ہوئے اور ہم چلے جب ہم آئے تو ہم نے لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے پایا اور انہوں نے امام بنایا تا عبدالرحمن بن عوف کو اور عبدالرحمن نے نماز شروع کر دی تھی حسب معمول وقت پر (یعنی جس وقت آپ نماز فجر کی پڑھا کرتے تھے، وہ وقت آیا تو صحابہ نے نماز شروع کر دی) اور ایک رکعت پڑھ چکے تھے، فجر کی دو رکعتوں میں سے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ صف میں شریک ہوئے اور ایک رکعت عبدالرحمن بن عوف کے پیچھے پڑھی پھر عبدالرحمن نے سلام پھیرا، اور رسول اللہ ﷺ ایک رکعت باقی جو رہ گئی تھی پڑھنے کو کھڑے ہوئے، مسلمان گھبرا گئے تھے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے آگے نماز پڑھ لی تو انہوں نے تسبیح کہنی شروع کی جب رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرا، تو فرمایا تم نے ٹھیک کیا یا تم نے اچھا کیا۔ (ابو داود باب المسح علی الخفین ص ۲۱ ج ۱)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہے کہ آپ نے فجر کی سنتیں پہلے ادا نہیں فرمائی تھیں کیونکہ آپ کو تاخیر نماز کی تیاری کی وجہ سے ہوئی تھی۔ اور اس طرح سے سنتیں رہ جانے کا واقعہ آپ کی زندگی میں شاذ و نادر ہی پیش آیا ہے اگر طلوع شمس سے پہلے سنتیں پڑھنی جائز ہوتیں تو آپ اس وقعہ پر بیان

جواز کے لیے ضرور پڑھتے۔ (اشرف التوضیح ج ۲ ص ۱۱۱)

حدیث نمبر ۴:

امام مالک کو یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کی فجر کی دو سنتیں قضا ہوگئی انہوں نے طلوع آفتاب سے بعد ان کی قضا پڑھی۔ (موطا امام مالک باب ماجاء فی رکعتی الفجر)

حدیث نمبر ۵:

عبدالرحمن بن قاسم کا بیان ہے کہ قاسم بن محمد نے اسی طرح کیا جیسے حضرت ابن عمر نے کیا تھا۔ (یعنی طلوع آفتاب کے بعد سنتیں پڑھیں) (موطا امام مالک ماب ماجاء فی رکعتی الفجر)

حدیث نمبر ۶:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ آئے اور لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے صبح کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں یہ آ کر لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوگئے، پھر نماز کے بعد اسی جگہ بیٹھے رہے جب چاشت کا وقت ہوا تو انہوں نے سنتوں کو پڑھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۵)

حدیث نمبر ۷:۔ حضرت یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قاسم سے سنا ہے وہ کہتے تھے اگر میں نے صبح کو سنتیں نہ پڑھی ہوں یہاں تک کہ صبح کی نماز پڑھ لوں۔ تو میں ان کو طلوع شمس کے بعد پڑھ لیتا ہوں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۵)

حدیث نمبر ۸:

ابومجلز کہتے ہیں کہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ صبح کی نماز کے لیے ایسے وقت مسجد میں داخل ہوا کہ امام نماز پڑھا رہا تھا سو ابن عمر رضی اللہ عنہ تو نماز میں شریک ہوگئے، رہے ابن عباس سو انہوں نے پہلے صبح کی سنتیں پڑھیں اس کے بعد وہ جماعت میں شریک ہوگئے۔ پس جبکہ امام نماز سے فارغ ہوا تو ابن عمر رضی اللہ عنہ طلوع آفتاب تک اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ پس جب آفتاب طلوع ہوا تو وہ اٹھے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ (طحاوی بحوالہ آثار السنن ج ۲ ص ۳۹)

حدیث نمبر ۹:۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کئی معتبر لوگوں نے بیان کیا اور ان سب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ زیادہ معتبر تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد سورج روشن ہونے تک

اور عصر کی نماز کے بعد سورج ڈوبنے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلوۃ باب الصلوۃ بعد الفجر حتی ترتفع الشمس) (مسلم باب الاوقات التی نھی عن الصلوۃ فیھا)

حدیث نمبر ۱۰:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک کوئی نماز نہیں اور نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی نماز نہیں۔

حدیث نمبر ۱۱:

مسلم شریف میں حضرت عمرو بن عنبسہ سلمی رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث میں آتا ہے۔ قال صل صلوۃ الصبح ثم اقعر عن الصلوۃ حتی تطلع الشمس آپ ﷺ نے فرمایا صبح کی نماز پڑھو اور اس کے بعد اس وقت تک نماز نہ پڑھو جب تک کہ سورج طلوع نہ ہو جائے۔ الخ

(مسلم باب الاوقات التی نھی عن الصلوۃ فیھا)

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ اگر فجر کی سنتیں رہ جائیں تو سورج نکلنے کے بعد پڑھی جائیں۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔

پہلا جواب:

یہ روایت منقطع ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں اور اسناد اس کی متصل نہیں کہ محمد بن ابراہیم تیمی کو سماع نہیں قیس سے۔ (ترمذی باب ماجاء فیمن تفوتہ الرکعتان) لہٰذا یہ روایت مرسل ہے۔ اور مرسل روایت غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں۔

دوسرا جواب: ۔ابوداؤد میں ہے کہ آپ خاموش ہو گئے۔ مگر ترمذی میں خاموش رہنے کا ذکر نہیں ہے۔ ترمذی کی روایت میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا قال فلا اذن کہ ایسامت کر یہاں پر یہ ترجمہ زیادہ فٹ ہوتا ہے تاکہ تمام روایات کی آپس میں مطابقت بن جائے جن روایات میں نماز پڑھی منع ہے۔ اس میں بھی منع والا ترجمہ کرنے سے ان کی مخالفت لازم نہیں آتی جیسا کہ علامہ وحید الزمان نے کیا ہے۔ علامہ صاحب مسلم شریف کتاب الھبات باب کراھیۃ تفصیل بعض الاولاد فی الھبۃ میں حضرت نعمان بن بشیر کی روایت میں لکھتے ہیں۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میرے باپ مجھ کو اٹھا کر لے گئے۔ جناب

رسول خدا ﷺ کے پاس اور کہا کہ یا رسول اللہ آپ گواہ رہیے کہ میں نے نعمان کو فلاں فلاں چیز اپنے مال میں سے ہبہ کی ہے۔ آپ نے فرمایا کیا سب بیٹوں کو تو نے ایسا ہی دیا ہے جیسے نعمان کو دیا ہے؟ میرے باپ نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تو پھر مجھ کو گواہ نہ کر۔ اور کسی کو کرلے۔ بعد اس کے فرمایا۔ کیا تو خوش ہے اس سے کہ سب برابر ہوں تیرے ساتھ نیکی کرنے میں میرا باپ بولا۔ ہاں آپ نے فرمایا قال فلا اذا تو پھر ایسا مت کر (یعنی ایک کو دے ایک کو نہ دے)

اس حدیث میں بھی فلا اذا ہے یہاں پر علامہ وحید الزماں نے ترجمہ کیا ہے ایسا مت کر ہمارے نزدیک وہاں پر بھی یہ ترجمہ کرنے سے روایت کا آپس میں تعارض ختم ہو جاتا ہے۔

تیسرا جواب:۔ یہ صرف ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل ہے۔ (جب آپ ﷺ نے دیکھا تو منع فرما دیا) دوسری طرف جو روایات ہم نے نقل کی ہیں وہ مرفوع روایات ہیں اور آپ ﷺ کے ارشادات ہیں اس لیے ترجیح ان کو ہوگی۔

بہر حال احناف کے پاس دلائل موجود ہیں۔ ان کو مخالفت حدیث کا الزام نہیں دیا جا سکتا۔

اعتراض نمبر (۵۲)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: حلالہ حرام ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

عن ابن عباس قال لعن رسول اللہ ﷺ المحلل والمحلل لہ۔

(ترجمہ) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے (حلالہ) کرایا جائے دونوں پر لعنت کی ہے۔

(ابن ماجہ ابواب النکاح باب المحلل والمحلل لہ ص۱۳۹ا رقم الحدیث ۱۹۳۴)

فقہ حنفی

فان طلقها بعد وطيها حلت للاول۔

(ہدایہ اولین ج۱ کتاب الطلاق باب الرجعۃ صفحہ ۴۰۰)

اگر دوسرا شوہر وطی کرنے کے بعد طلاق دے دے تو وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی۔ (فقہ وحدیث ص ۹۵)

جواب:

پیر بدیع الدین شاہ راشدی صاحب نے صرف لفظ حلالہ پر اعتراض کیا ہے حالانکہ حلالہ کا مطلب ہے حلال ہونا۔ یعنی وہ عورت جس کو تین طلاقیں دی گئی اب وہ اپنے خاوند کے لیے حرام ہو گئی ہے۔ اگر پھر دوبارہ وہ نکاح کرنا چاہے تو اس کا کیا طریقہ ہے اور وہ عورت پہلے خاوند کے لیے کس طرح حلال ہو سکتی ہے اس کا حکم قرآن میں موجود ہے:

حلالہ کا حکم قرآن میں

فَاِنْ طلقها فلا تحِلُ لہٗ مِنْ بعد حتی تنکِح زوجا غیرہ فَاِنْ طلقها فلا جناح علیهما ان یتراجعا اِن ظنا ان یقیما حدود اللہِ وتِلک حدود اللہِ یبینها لِقومٍ یعلمون۔

(پ ۲، سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۳۰)

(ترجمہ) پھر اگر اس نے طلاق دے دی عورت کو (یعنی تیسری مرتبہ) پس اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہیں ہے یہاں تک وہ اس کے علاوہ کسی خاوند کے ساتھ نکاح کرے۔ پھر اگر اس نے بھی طلاق دے دی اس عورت کو تو کوئی گناہ نہیں ہے ان دونوں پر کہ رجوع کریں اگر وہ گمان کریں کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھیں گے۔ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اس قوم کے لیے بیان کرتا ہے۔ جو علم رکھتے ہیں۔

اس آیت میں **فلا تحِلُ لہٗ**۔ کے الفاظ سے حلالہ کا لفظ ماخوذ ہے کہ وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔

حلالہ کی دو قسمیں

نمبر ۱: غیر مشروط اور نمبر ۲: مشروط

پہلی قسم۔ جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کی ہے اور یہی ہمارا اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے۔

دوسری قسم: یعنی مشروط غیر مقلدین صرف اس کو حلالہ تصور کرتے ہیں۔

یہ غیر مقلدین کی بددیانتی ہے حالانکہ حلالہ کا لفظ عام ہے۔ پہلی صورت بھی حلالہ ہے اور دوسری صورت بھی حلالہ ہے مگر غیر مقلدین عوام کو دھوکہ دینے کے لیے صرف دوسری صورت ہی کو حلالہ فرما رہے ہیں اور اس مشروط حلالہ کو حنفی مذہب قرار دے رہے ہیں جو سراسر جھوٹ ہے۔

حنفی مسلک ملاحظہ فرمائیں

(۱) مشہور عالم دین حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی حنفی اپنی مشہور زمانہ کتاب بہشتی زیور حصہ چہارم باب تین طلاق دینے کا بیان ص ۵٦ مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار میں لکھتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۴: اگر دوسرے مرد سے اس شرط پر نکاح ہوا کہ صحبت کر کے چھوڑ دے گا تو اس اقرار لینے کا کچھ اعتبار نہیں۔ اس کو اختیار ہے چھوڑے یا نہ چھوڑے اور جب جی چاہے چھوڑے اور یہ اقرار کر کے نکاح کرنا بہت گناہ اور حرام ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت ہوتی ہے لیکن نکاح ہو جاتا ہے تو اگر اس نکاح کے بعد دوسرے خاوند نے صحبت کر کے چھوڑ دیا یا مر گیا تو پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی۔

(شامی ج ۲ ص ۸۸۹)

ناظرین کرام یہ ہے حنفی مسلک۔ راشدی صاحب کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ صحیح بات نقل کرتے۔ ہم نے صرف ایک حوالہ ہی پیش کیا ہے اس پر ہم کافی حوالے پیش کر سکتے ہیں مگر انصاف کے لیے اتنا بھی کافی ہے۔

اعتراض نمبر (۵۷)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: رضاعت کے متعلق اکیلی عورت کی گواہی کا حکم۔

حدیث نبوی ﷺ

عن عقبة بن حارث انه تزوج البنة لابی اهاب عزیز فاتت امراة فقالت قدارضعت عقبة والتی تزوج بها فقال لها عقبة ما اعلم انك ارضعتنی ولا اخبر تنی فارسل الی ال ابی اهاب فسالهم فقالوا ما علمنا ارضعت صاحبتا فرکب الی النبی ﷺ بالمدینة فساله فقال رسول الله ﷺ کیف وقد قیل ففارقها عقبة ونکحت زوجها غیره۔

(ترجمہ) سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس نے ابواہاب کی بیٹی سے نکاح کیا پھر اس کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا میں نے تم دونوں (میاں بیوی) کو دودھ پلایا ہے پھر عقبہ رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے کہا مجھے معلوم نہیں ہے کہ تو نے مجھے دودھ پلایا ہو اور نہ ہی تو نے مجھے پہلے خبر دی، پھر عقبہ رضی اللہ عنہ نے سسرال کی طرف یہ ہی معلوم کرنے کے لیے پیغام بھیجا لیکن انہوں نے بھی کہا کہ ہمیں معلوم نہیں ہے پھر عقبہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مدینہ میں آئے اور آپ سے اس کے بارے میں سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب کیسے تم اکٹھے رہ سکتے ہو؟ جب کہ تمہارے متعلق یہ بات کہی گئی ہے پس عقبہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی بیوی کو الگ کر دیا اور اس نے دوسرے شوہر سے شادی کر لی۔

(رواه البخاري في كتاب الشهادات باب اذا شهد شاهد او شهود بشئي رقم الحديث ۲۶۴۰ ج۱ ص ۳۶۰)

(صحیح ابن حبان ۔۱۰ صفحہ ۳۲، رقم الحدیث ۴۲۱۸، طبع مؤسسة الرسالہ بیروت)

فقہ حنفی

ولا يقبل فى الرضاع شهادة النساء منفردات انما يثبت بشهادة رجلين او رجل وامراتين۔

(ہدایہ اولین ج۱ کتاب الرضاع صفحہ ۳۵۲)

صرف عورتوں کی گواہی رضاعت کے بارے میں قبول نہیں کی جائے گی رضاعت ثابت ہوگی دو مردوں کی گواہی سے یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے۔

(فقہ و حدیث ص ۹۶)

جواب:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید نے عام معاملات میں جہاں گواہ اپنی مرضی سے مقرر کیے جا سکتے ہیں اور جن کی اطلاع پانا مرد و عورت دونو کے لیے ممکن ہوتا ہے گواہی کا نصاب مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں مقرر کیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين

فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشھداء

(ترجمہ) اور گواہ کرو دو شاہد اپنے مردوں میں سے پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو گواہوں میں۔

(البقرہ آیت نمبر ۲۸۲)

قرآن مجید کے اس واضح حکم سے صرف ایسی ہی صورتیں مستثنیٰ ہو سکتی ہیں جن میں مردوں کے لیے اطلاع پانا ناممکن ہو (جیسے مثلاً حیض، بچے کی ولادت اور عورتوں کے دیگر خاص مخفی معاملات) جبکہ بچے کو دودھ پلانا ان معاملات میں سے نہیں ہے، کیونکہ اس کی اطلاع عام طور پر دودھ پلانے والی کے باپ، بھائی، شوہر یا خادم وغیرہ اور بچے کے والدین یا اعزہ کو بھی ہوتی ہے۔ اس لیے دودھ پلانے والی کے کہنے یا اس پر محض عورتوں کے گواہی دینے پر حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی اور قرآن مجید کا عام حکم برقرار رہے گا۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا صلاح الدین یوسف غیر مقلد لکھتے ہیں۔

نیز مرد کے بغیر صرف اکیلی عورت کی گواہی بھی جائز نہیں (سعودی تفسیر ص ۱۲۵)

حضرت عمر ؓ کا فیصلہ

حضرت عمر ؓ نے ایسے ہی ایک مقدمے میں جس میں ایک عورت نے دعویٰ کیا تھا کہ اس نے میاں بیوی کو دودھ پلایا ہے، اپنے قاضی کو ہدایت کی کہ

> ”اگر یہ عورت اس پر گواہ (یعنی شرعی نصاب کے مطابق دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں) لے آئے تو میاں بیوی میں تفریق کر دو۔ ورنہ ان کا نکاح بحال رہنے دو“ الا یہ کہ وہ خود ایک شبہے والی بات سے بچنا چاہیں۔ اگر ہم اس طرح کے دعووں سے میاں بیوی کے درمیان تفریق کا دروازہ کھول دیں تو جو عورت چاہیے گی اٹھ کر کسی میاں بیوی کے درمیان تفریق کرا دے گی۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۵ ص ۳۶۹ مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۳۳۲)

(۲) حضرت عمر نے فرمایا:

ان عمر بن الخطاب اتی فی امراۃ شھدت علی رجل وامراتہ انھا ارضعتھا فقال لا حتی شھد رجلان او رجل وامراتان

(ترجمہ) نہیں (ہم تمہارا دعویٰ نہیں مانیں گے) مگر یہ کہ دو مرد، یا ایک مرد اور دو

عورتیں اس پر گواہی دیں۔

(سنن الکبریٰ بیہقی باب شہادت النساء فی الرضاع جلد ۷)

(۳) اس طرح کے فیصلے حضرت علی رضی اللہ عنہ، مغیر بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہیں دیکھئے۔ (محلی ابن حزم، ج ۹ ص ۴۰۳، فتح الباری ج ۵ ص ۲۶۹)

راشدی صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے اس کا جواب

اس حدیث میں جو حضور اکرم ﷺ نے انہیں اپنی بیوی کو چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے وہ اس لیے نہیں دیا تھا کہ اس لونڈی کے کہہ دینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوگئی تھی۔ بلکہ جیسا کہ اس ہی روایت سے واضح ہے اس لیے دیا تھا کہ اس عورت کے ایسا کہنے سے میاں بیوی کے دل میں ایک قسم کے شبہ اور تنگی کا آجانا لازمی تھا۔ نیز ایسے مواقع پر لوگ بھی باتیں بنانے میں پیچھے نہیں رہتے اور اس سے ظاہر ہے، ازدواجی زندگی خوشگوار نہیں رہ سکتی وگرنہ اس قصہ کی تفصیلات کا اگر مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ایسا فرمانا، قانونی فیصلہ کے طور پر نہیں بلکہ ایک حکیمانہ ہدایت کے طور پر تھا۔ چنانچہ روایات میں بیان ہوا ہے کہ یہ لونڈی عقبہ بن حارث کے نکاح کے بعد ان کے گھر آئی اور ان سے کچھ صدقہ خیرات کا سوال کیا، انہوں نے تاخیر کی تو اس کہا ''مجھ پر صدقہ کرو، خدا کی قسم میں نے تم دونون کو دودھ پلایا ہے۔''

(دار قطنی، ج ۴ ص ۱۷۷ و سکت علیہ ابن حجر فی الفتح ج ۵ ص ۲۶۹

اس سے واضح ہے کہ اس کا یہ دعویٰ کر کے ان کو شبہے میں ڈالنا، غصے اور کینے کی بنا پر تھا۔ پھر اس کے اس دودھ پلانے کی خبر نہ عقبہ بن حارث کو تھی نہ لڑکی کو اور نہ ان کے گھر والوں کو اور نہ اس عورت نے اس سے پہلے کبھی ان کو اس کی خبر دی تھی (فتح الباری) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دعویٰ محض جھوٹا تھا۔ پھر جب عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں جا کر صورت حال عرض کی تو حضور اکرم ﷺ نے مسئلہ بتانے سے اعراض کیا، پھر تین یا چار مرتبہ پوچھنے پر آپ ﷺ نے جواب دیا (دار قطنی ج ۴، ص ۱۷۷) اگر اس عورت کی گواہی پر حرمت رضاعت ثابت ہو تو حضور اکرم ﷺ پہلی مرتبہ ہی انہیں حکم دیتے کہ اپنی بیوی کو چھوڑ دو۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے کو جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ بھی یہی بتلاتے ہیں کہ آپ ﷺ کا ان کو اپنی بیوی کو چھوڑ دینے کے لیے کہنا محض مصلحت کے طور پر تھا، نہ کہ بطور قانون حضور اکرم ﷺ نے فرمایا'' کیسے تم اس کو پا

رکھو گے)؟ جب کہ ایسی (شبہے والی) بات کہہ دی گئی ہے اب تم اس کو اپنے سے جدا کر دو۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۲۶۸)

نیز شمس الائمہ سرخی نے مبسوط میں فرمایا کہ اس عورت کی یہ شہادت کسی کے مذہب میں بھی قانوناً قابل قبول نہیں تھی کیونکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عقبہ بن حارث ؓ سے اس عورت کی کوئی رنجش پیدا ہو گئی تھی اور اس رنجش کے پیدا ہوتے ہی اس نے یہ شہادت دی۔ ظاہر ہے کہ یہ "شہادت الضغن" تھی جو کسی کے نزدیک بھی مقبول نہیں۔

(مبسوط سرخی ج ۵ ص ۱۳۸ کتاب النکاح)

حدیث کا صحیح مطلب یہ ہی ہے کہ آپ ﷺ کا عقبہ بن حارث ؓ کو بیوی چھوڑنے کا حکم دینا بطور احتیاط کے تھا۔ ہماری بات کی تائید خود امام بخاری کے طرز سے ہوتی ہے۔ چنانچہ امام بخاری ؒ نے یہ حدیث (بخاری ج ۱ ص ۲۷۶ و ۲۷۵) کتاب البیوع باب تفسیر المشتبہات میں بھی ذکر کی ہے۔

جو احتیاط پر عمل کرنے کے لیے اور شک شبہ کو چھوڑنے کے لیے امام بخاری نے قائم کیا ہے۔

علامہ وحید الزمان صاحب کا حوالہ

علامہ صاحب اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہاں امام بخاری اس لیے لائے کہ گو اکثر علماء کے نزدیک رضاع ایک عورت کی شہادت سے ثابت نہیں ہو سکتا مگر شبہ تو ہو جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے شبہ کی بنا پر عقبہ کو یہ صلاح دی کہ اس عورت کو چھوڑ دے معلوم ہوا اگر شہادت کامل نہ ہو یا شہادت کے شرائط میں نقص ہو تو معاملہ مشتبہ رہتا ہے لیکن مشتبہ سے بچے رہنا تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ (تیسر الباری جلد ۲ ص ۳۵۳ کتاب البیوع)

ہم حنفی بھی یہ ہی کہتے ہیں۔ کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہی ہے۔ اس مسئلہ میں اصل حکم قرآن مجید کا قابل عمل ہے اور خلیفہ راشد حضرت عمر ؓ کا حکم بھی یہ ہی ہے۔ اور حدیث کا جو مفہوم ہم نے بیان کیا ہے اس سے حدیث پر عمل بھی ہو جاتا ہے۔

اعتراض نمبر ۵۸

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: ایک ساتھ دی گئیں تین طلاقیں ایک شمار ہوں گی۔

حدیث نبوی ﷺ

ان ابا الصھباء قال لابن عباس اتعلم انما کانت الثلاث تجعل واحدۃ علی عھد رسول اللہ ﷺ وابی بکر وثلاثا من امارۃ عمر فقال ابن عباس نعم۔

(ترجمہ) ابو الصہباء نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کیا آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے تین سال تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں؟ انہوں نے جواب دیا ہاں۔

(مسلم ج۱ کتاب الطلاق باب الطلاق الثلاث ص۴۷۸ رقم الحدیث ۳۶۷۴)

فقہ حنفی

وطلاق البدعۃ ان یطلقھا ثلاث بکلمۃ واحدۃ او ثلاث فی طھر واحد فاذا فعل ذلک وقع الطلاق وکان عاصیا۔

(ھدایہ اولین ج۱ کتاب الطلاق باب طلاق السنۃ ص۳۵۵)

اور طلاق بدعی یہ ہے کہ ایک ہی طہر میں تین طلاقیں ایک کلمے یا تین کلمات کے ساتھ دی جائیں اگر (طلاق) اسی طریق پر دی جائے گی وہ تینوں واقع تو ہو جائیں گی لیکن طلاق دینے والا گنہگار ہوگا۔ (فقہ و حدیث ص ۹۷)

جواب:

راشدی صاحب نے ان احادیث کا بالکل ذکر نہیں کیا جو فقہ حنفی کی مستدل تھیں۔ اور جو حدیث نقل کی ہے وہ بھی پوری نقل نہیں کی۔ اس مسئلہ پر کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں قارئین تفصیل تو ان میں دیکھ لیں خاص کر عمدۃ الاثاث فی حکم الطلاقات الثلاث، عمدۃ الابحاث فی وقوع طلاق الثلاث، اکٹھی تین طلاق کا شرعی حکم۔ تین طلاق کا ثبوت، ہم پہلے کچھ وہ احادیث نقل کرتے ہیں جن سے حنفی مذہب ثابت ہوتا ہے پھر اس حدیث کا جواب دیں گے جو راشدی صاحب نے ادھوری نقل کی ہے۔

فقہ حنفی کے دلائل پہلی حدیث:

سہل بن سعد سعدی کہتے ہیں کہ عویمر عجلانی عاصم بن عدی انصاری کے پاس آئے اور کہنے

لگے بتائیے اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو (اعتراض کی حالت میں) دیکھے تو کیا کرے؟ اگر اسے مار ڈالے تو تم اسے بھی قصاص میں مار ڈالو گے۔ لہٰذا کیا کرے؟ آپ یہ مسئلہ میرے لیے آنحضرت ﷺ سے دریافت فرمائیے۔ چنانچہ عاصم نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا آپ ﷺ کو اس قسم کے سوال بڑے معلوم ہوئے اور برا کہا عاصم رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کے فرمان سے گرانی محسوس ہوئی (یعنی وہ شرمندہ ہوئے کہ میں نے ناحق ایسی بات پوچھی جس سے آنحضرت ﷺ ناراض ہوئے) جب عاصم اپنے گھر آئے تو عویمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے کہنے لگے کہیے حضور ﷺ نے کیا فرمایا؟ عاصم رضی اللہ عنہ نے کہا آپ خواہ مخواہ میرے لیے ایک الجھن لے کر آئے آنحضرت ﷺ اس سوال ہی کو ناپسند فرماتے ہیں، عویمر نے کہا مگر میں بغیر اس سوال کا جواب لیے چین سے نہ بیٹھوں گا۔ غرض عویمر نے خود حاضر خدمت ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو (اعتراض کی حالت میں) دیکھے تو کیا کرے؟ اگر اسے قتل کرے تو آپ لوگ بھی اسے قتل کر دیں گے۔ بتائیے کوئی اور صورت بھی ہے؟

آنحضرت ﷺ نے فرمایا اب اللہ تعالیٰ نے تیرے اور تیری بیوی کے لیے وحی نازل کی ہے جا اپنی بیوی کو لے آ سہل کہتے ہیں پھر میاں بیوی دونوں نے امان کیا (یعنی قسمیں اُٹھائی) میں بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا جب دونوں امان سے فارغ ہوئے تو عویمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے یا رسول اللہ اگر میں اس عورت کو گھر میں رکھوں تو گویا میں جھوٹا ثابت ہوں گا۔ آنحضرت ﷺ کے حکم دینے سے قبل ہی اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی۔

(بخاری کتاب الطلاق باب من اجاز طلاق الثلاث)

دوسری حدیث:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ عنہا کہتی ہیں کہ رفاعہ قرظی کی بیوی آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگی یا رسول اللہ رفاعہ نے مجھے طلاق بتہ (یعنی طلاق بائنہ) دے دی ہے اور اس کے بعد میں نے عبدالرحمن بن زبیر قرظی سے نکاح کر لیا ہے لیکن اس کے پاس گویا کپڑے کا پھندنا ہے (یعنی وہ نامرد ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا شائد تو پھر رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہے؟ یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک تم دوسرے شوہر سے ہم بستری کر کے لطف نہ اٹھا لو اور وہ تم سے لطف نہ اٹھا لے۔

(بخاری کتاب الطلاق پارہ ۲۲، باب من اجاز طلاق الثلث)

تیسری حدیث:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالیں تو اس عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا۔ مگر دوسرے نے بھی (جماع سے پہلے) اسے طلاق دے دی۔ تو رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ پہلے شخص کے لیے (صرف نکاح کے ساتھ) حلال ہو سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں جب تک کہ دوسرا شخص بھی پہلے ہی کی طرح اس کی مٹھاس چکھ نہ لے (یعنی اس سے ہم بستری نہ کر لے) (بخاری باب من اجاز طلاق الثلث)

امام بخاری نے اس حدیث کو بیک لفظ دی ہوئی تین طلاق کے واقع ہو جانے کو ثابت کرنے کی غرض سے پیش کیا ہے نیز اس کے علاوہ دو مزید حدیثیں بھی اس سلسلے میں بطور ثبوت پیش کی ہیں۔

چوتھی حدیث:

نافع بن عجیر بیان کرتے ہیں حضرت رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ سہیمہ مزنیہ کو طلاق ''بتہ'' دے دی پھر وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے اپنی بیوی سہیمہ کو طلاق ''بتہ'' دے دی ہے اللہ تعالیٰ کی قسم میرا ارادہ صرف ایک طلاق دینے کا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے رکانہ سے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم تم نے صرف ایک طلاق مراد لی تھی؟ تو رکانہ نے جواب دیا اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا تو نبی اکرم ﷺ نے اس خاتون کو اس صاحب کے ساتھ بھیج دیا اس کے بعد انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اس عورت کو دوسری طلاق دی۔ (مسند الامام الشافعی مترجم ج ۸۳ ۱۳، باب الرجعۃ فی الواحدۃ والاثنتین)

یہ روایت مسند امام شافعیؒ کے علاوہ

(۱) سنن دارمی مترجم کتاب الطلاق باب فی طلاق البتۃ (۲) ابوداود باب فی البتۃ ج ۱ ص ۳۰

میں ہے

ان رکانۃ بن عبد یزید طلق امراتہ سھیمۃ البتۃ

رکانہ عبد یزیز کے بیٹے سے روایت ہے کہ اس نے اپنی جورو کو جس کا نام سہیمہ تھا طلاق بتہ دی۔ اس روایت کے متعلق امام ابوداود فرماتے ہیں: قال ابو داؤد وھذا اصح من حدیث ابن جریج ان رکانۃ طلق امراتہ ثلاثا لانھم اھل بیتہ وھم اعلم بہ الخ (ترجمہ) حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ

کی یہ روایت (جس میں بتہ کا لفظ موجود ہے) ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے زیادہ صحیح ہے جس میں آتا ہے کہ انہوں نی تین طلاقیں دی تھی کیونکہ بتہ والی حدیث ان کے گھر والے بیان کرتے ہیں اور وہ اس (واقعہ) کو زیادہ جانتے ہیں۔

(۳) ترمذی ابواب الطلاق باب ماجاء فی الرجل طلق امراءتہ البتۃ (۴) ابن ماجہ ابواب الطلاق باب طلاق البتۃ (۵) دار قطنی ج ۲، ص ۳۹ (۶) مستدرک حاکم ج ۲، ص ۱۹۹ (۷) موارد الظمان ص ۳۲۱ وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

یہ حدیث رکانہ مختلف اسناد و مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے لیکن امام ابوداؤد نے جس روایت کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے وہ یہ ہی روایت ہے جو ہم نے نقل کی ہے جس میں آتا ہے انت طالق البتۃ یعنی حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی۔ بت کا معنی کاٹنا ہے یعنی تجھے ایسی طلاق ہے جو میرے اور تیرے درمیان تعلق نکاح کو کاٹ دے۔ اور فوری طور پر تعلق نکاح تین طلاقوں سے بھی کٹ جاتا ہے۔ اور ایک طلاق بائن سے بھی۔ لہٰذا یہ لفظ طلاق بائن کے بھی محتمل ہے اور تین طلاقوں کا بھی۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رکانہ سے نیت پوچھی کہ اس لفظ سے تمہاری کیا مراد تھی۔ جب انہوں نے قسم اُٹھا کر اپنی نیت بتائی کہ میں نے یہ لفظ ایک طلاق کی نیت سے بولا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طلاق (بائن) قرار دے کر دوبارہ نکاح کا حکم فرمایا جیسے رجوع بالنکاح بھی کہتے ہیں۔

پانچویں حدیث:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو حیض (یعنی ماہواری کے ایام) کی حالت میں ایک طلاق دے دی پھر چاہا کہ اس کے بعد دو ماہواریوں میں مزید دو طلاقیں اور دے دوں گا۔ یہ خبر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا اے عمر کے بیٹے اللہ تعالیٰ نے تجھے اس طرح طلاق دینے کا حکم نہیں دیا۔ تم نے سنت کے خلاف کیا اور سنت یہ ہے کہ شوہر طہر کا انتظار کرے اور ہر طہر میں ایک طلاق دے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رجوع کا حکم فرمایا اور میں نے رجوع کر لیا۔ پھر فرمایا جب وہ پاک ہو لے تو چاہو تو طلاق دے دینا اور چاہو تو روک رکھنا۔ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں اسے تین (۳) طلاقیں دے دیتا تو کیا میرے لیے رجوع کرنا حلال ہوتا؟ آپ نے فرمایا ایسے میں تیرے لیے رجوع حلال نہ ہوتا اور وہ تیرے نکاح سے نکل جاتی اور یہ گناہ کی بات ہوتی۔

(سنن دار قطنی صفحہ ۳۱ ج ۴)

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا نا جائز ہے۔ مگر طلاق پھر بھی ہو جاتی ہے۔

(۲) اس حدیث میں تین طلاقیں اکٹھی واقع ہونے کا کتنا صریح ثبوت موجود ہے۔

چھٹی حدیث:

عام شعبی کہتے ہیں کہ میں نے فاطمہ بنت قیس سے کہا کہ آپ اپنی طلاق کا واقعہ بیان کیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے میرے شوہر نے یمن جاتے وقت تین طلاقیں دی تھیں۔ تو حضور ارم ﷺ نے یہ طلاقیں نافذ فرمادیں۔ (ابن ماجہ ص ۱۴۵ باب من طلق ثلاثا فی مجلس واحد)

راشدی صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔

پہلا جواب:

راشدی صاحب نے حدیث مکمل نقل نہیں کی اگر مکمل نقل کر دیتے تو بات کافی حد تک صاف ہو جاتی اور عوام کو مسئلہ جلدی سمجھ آ جاتا۔ اس حدیث میں آگے یہ الفاظ بھی آتے ہیں۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگوں نے اس معاملہ میں جلدی کی ہے جس میں ان کے لیے مہلت تھی۔ کاش ہم ان پر نافذ کر دیں چنانچہ پھر آپ نے اس کو ان پر نافذ کر دیا۔
(صحیح مسلم جلد اول ص ۴۷۷)

ناظرین آپ نے مکمل حدیث ملاحظہ فرمالی ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلاف تین طلاق کو تین ہی کیوں شمار کیا۔ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اس کو کیوں قبول کیا۔ یہ مسئلہ کوئی معمولی نوعیت کا نہیں ہے بلکہ حرام حلال کا مسئلہ ہے۔ جسے نکاح سے قبل عورت مرد پر حرام ہوتی ہے نکاح ہونے سے حلال ہو جاتی ہے اسی طرح تین طلاقیں دینے سے عورت مرد پر حرام ہو جاتی ہے۔ اہلسنت والجماعت کے علاوہ دیگر فرقے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے متعلق جو بھی نظریہ رکھتے ہیں وہ رکھیں۔ کل قیامت کے روز خود جواب دیں گے۔ مگر ہم اہل سنت و جماعت کبھی یہ بات سوچ بھی نہیں سکتے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے خلاف کریں گے یا آپ کے حلال کو حرام کریں گے یا آپ کی شریعت کو بدلیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوئی عام آدمی نہیں امیر المومنین ہیں، خلیفہ راشد ہیں خلیفہ وقت کی اطاعت کرنا قرآن سے ثابت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ بے شمار احادیث آپ کے مرتبہ اور مقام کو واضح کرتی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

حدیث نمبر ۱:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اے ابن خطاب: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے شیطان جب تجھے چلتا ہوا راستے میں دیکھتا ہے تو وہ اس راستے کو چھوڑ کر دوسرے راستہ پر چل پڑتا ہے۔
(مشکوۃ ص ۵۵۷)

حدیث نمبر ۲:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

پہلی اُمتوں کے کچھ لوگ ایسے ہوتے تے جن کو براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوتا تھا اگر میری امت میں کوئی ایسا ہے تو یقیناً وہ عمر رضی اللہ عنہ ہے۔ (مشکوۃ)

حدیث نمبر ۳:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

بے شک اللہ نے حق عمر کی زبان اور ان کے دل پر جاری کر دیا ہے۔ (مشکوۃ)

حدیث نمبر ۴:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو یقیناً وہ عمر بن خطاب ہوتے۔

(مشکوۃ ترمذی ص ۲۰۹، ج ۔ ۲)

حدیث نمبر ۵:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المهديين میری سنت اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کی سنت لازم پکڑو۔

حدیث نمبر ۶:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

مجھے معلوم نہیں کہ میں تم میں کتنا عرصہ زندہ رہوں گا۔ اور آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے بعد ان دونوں کی اقتداء (پیروی) کرنا اور عمار رضی اللہ عنہ کی سیرت اپناؤ اور ابن مسعود تمہیں جو بھی بتائیں اسے سچا ماننا۔

ناظرین ان احادیث کے ہوتے ہوئے ہم کیسے یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدل دیا۔ لہٰذا اس حدیث کا ایسا مفہوم اور مطلب لیا جائے گا جو قرآن اور دیگر احادیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور خاص کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق ہو۔ اور احادیث کا آپس میں جو تعارض نظر آ رہا ہے وہ بھی ختم ہو جائے۔

جواب نمبر ۲:

یہ روایت اس عورت کی طلاق سے مخصوص ہے کہ جس کو قبل دخول وصحبت کے طلاق دے دی جاتی تھی اور اس کی تین طلاق کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد ابوبکر میں ایک طلاق خیال کیا جاتا تھا چنانچہ سنن ابوداؤد میں وہی روایت با ایں الفاظ مروی ہے:

> عن طاؤس ان رجلا يقال له ابوا الصهباء كان كثير السوال لابن عباس قال اما علمت ان الرجل كان اذا طلق امراته ثلاثه قبل ان يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وابى بكر و صدرا من امارة عمر قال ابن عباس بلى كان الرجل اذا طلق امراته ثلاثا قبل ان يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وابى بكر و صدرا من امارة عمر رضی اللہ عنہ فلما راى الناس قد تتابعوا فيها قال اجزوهن عليهم

یعنی طاؤس سے روایت ہے کہ ایک شخص ابوالصہباء ابن عباس سے بہت سوال کیا کرتا تھا اس نے ابن عباس سے کہا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جب کوئی شخص اپنی عورت کو دخول سے پہلے تین

طلاق دے دیا کرتا تھا تو زمانہ رسول خدا ﷺ وابی بکر اور ابتدائے خلافت حضرت عمر میں ان کو ایک طلاق جانا کرتے تھے۔ ابن عباس نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہے کہ جب کوئی شخص اپنی عورت کو دخول سے پہلے تین طلاق دیتا تھا تو ان کو زمانہ رسول خدا ﷺ وابی بکر صدیق اور ابتدائے خلافت حضرت عمر میں ایک طلاق جانا کرتے تھے لیکن جب حضرت عمر نے لوگوں کو ایسا پے در پے طلاق دیتے دیکھا تو کہا جائز رکھوان پر۔ ابوداؤد کی یہ مفصل حدیث صحیح مسلم کی مجمل حدیث کی تفصیل ہے اور اس نے ان تین طلاق کو جو ایک شمار کی جاتی تھی صرف اس عورت کی نسبت مقید کر دیا ہے جس کو دخول وصحبت سے پہلے طلاق دی جاتی تھی تو پھر صحیح مسلم کی حدیث کو عام عورتوں کی نسبت خیال کر کے مدخولہ عورت کی ایک دفعہ تین طلاق کو ایک طلاق سمجھ لینا اور عام طور پر ایسا حکم جاری کر دینا روایت ودرایت کی صریح برخلاف ہے۔

جواب نمبر ۳:

قطع نظر اس سے اگر صحیح مسلم کو حدیث کی صرف غیر مدخولہ عورت کے ہی متعلق نہ سمجھا جائے بلکہ عام عورتوں کی طلاق کی نسبت قرار دیا جائے تاہم اس حدیث کا ہرگز وہ مطلب نہیں ہے جو راشدی صاحب سمجھ بیٹھے ہیں بلکہ بلحاظ ورعایت نصوص قرآنیہ وارشادات نبویہ ﷺ اور تعامل صحابہ ؓ خصوصاً اسی حدیث کے اس آخری فقرہ ان الناس قد استعجر انا فی امر کائت لھم فیہ اناۃ فلو امضیناہ علیھم فامصناہ علیھم کے اس کا صحیح مطلب صرف اتنا ہی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور ابوبکر کے عہد میں جب کوئی شخص اپنی عورت کو ایک طلاق تین بار کہتا تھا تو غالبا اس کی غرض ایک کی ہوتی تھی نہ استیناف کی جسے ان کا قول غالب پر حمل کر کے ایک طلاق شمار کی جاتی تھی اور جب زمانہ حضرت عمر میں لوگ استیناف کا ارادہ کرنے لگے تو حضرت عمر نے ان کو غالب ارادہ پر استیناف پر حمل کر کے تین طلاق شمار کیں چنانچہ امام نووی نے شرح صحیح مسلم جلد اول کے صفحہ ۴۷۸ میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے

> فالاصح ان معناہ انہ کان فی اول الامر اذا قال لھا انت طالق انتِ طالق انت طالق ولم ینو الا تاکید الا استینافا یحکم، بوقوع طلقۃ طلقۃ ارادتھم الا ستیناف بذلك فحمل علی الغالب الذی موازادۃ التاکید فلما کان فی زمن عمر ؓ

> و کثر استعمال الناس بہذہ الصیغة وغلب منہم ارادة الا
> ستیناف بہا حملت عند الاطلاق علی الثلاث عملا بالغالب
> السابق الی الفہم منہا فی ذلک العصر۔ انتہی

یعنی اصح یہ ہے کہ اس حدیث کا یہ معنی ہے کہ ابتداء میں جب عورت کو تین بار انت حالق انت طالق انت حالق کہا جاتا تھا تو اس تکرار سے صرف طلاق کی تاکید کا ارادہ رکھا جاتا تھا نہ استیناف کو جس کے تکرار سے بسبب ان کی قلت ارادہ استیناف کے صرف ایک طلاق کے واقع ہونے کا حکم کیا جاتا تھا اور ان کے غالب ارادہ پر جو طلاق کی تاکید کا ہوتا تھا حمل کیا جاتا تھا لیکن جب حضرت عمر ؓ کے زمانہ میں کثرت سے لوگ اس صیغہ کا استعمال کرنے لگے اور ان سے استیناف کے ارادہ کا ظہور غالب ہوا تو اس صیغہ کے اطلاق کے وقت تین طلاق پر اس کا حمل کیا گیا عمل کرنے کو ساتھ اس غالب امر کے جو اس زمانہ میں اسے سمجھا جاتا تھا۔

اور کشف الغمہ عن جمیع الامہ کی جلد دوم کے صفحہ ۱۰۲ میں امام شرانی نے حدیث مذکور کی نسبت اس طرح پر لکھا ہے۔

> واختلف العلماء فی تاویل ہذا الحدیث فذہب بعض التابعین الی
> ظاہرہ فی حق من لم یدخل بہا وذہب بعضہم الی ان المراد بہ
> تکریر لفظ الطلاق فیقول انت طالق انت طالق فانہ
> یلزم واحدة ذا قصدا التوکید وثلاث ان قصد تکریر الایقاع
> قال العلماء فکان الناس فی عہد رسول اللہ ﷺ وابی بکر علی
> صدقہم وسلامتہم وقصدہم فی الغالب الفضیلة والاختیار
> ولم یظہر فیہم افسادولا خداع فکانوا یصدقون فی ارادة
> التوکید وعدمہ فلما راء عمر ؓ فی زمانہ امورا ظہرت واحوالا
> تغیرت وفشا ایقاع الثلاث جملة بلفظ لا یحتمل التأویل
> الزمہم الثلاث فی صورة التکریر اذ صار الغالب علیہم قصدہا
> کم اشار الیہ ؓ بقولہ انفا ان الناس قد استعجلوا فی امر
> کانت لہم فیہ اناة۔ انتہی

یعنی علماء نے اس حدیث کی تاویل میں اختلاف کیا ہے چنانچہ بعض تابعین تو اس حدیث کی ظاہر کی طرف گئے ہیں کہ یہ حدیث اس عورت کے حق میں ہے کہ جس کو صحبت سے پہلے تین طلاق دے دی گئی ہوں۔ اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ اس کی مراد تکریر یعنی بار بار لفظ طلاق بولنا کی ہے جیسے کوئی عورت کو کہے انت طالق انت، طالق انت طالق پس اس تکرایر سے اگر وہ طلاق کی تاکید کا قصد کرتا ہے تو ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور اگر بار بار طلاق واقع کرنے کا قصد کرتا ہے تو تین واقع ہیں اور علما نے کہا ہے کہ رسول خدا ﷺ اور ابوبکر صدیق کے عہد میں لوگ صدق و سلامتی پر تھے اور غالب قصد او نکا بزرگی اور بہتری کا تھا اور انہیں فساد اور حیلہ بازی ظاہر نہ ہوئی تھی اور تاکید اور غیر تاکید کے ارادہ کے اظہار میں سچ کہہ دیتے تھے لیکن جب حضرت عمر نے اپنے زمانہ میں دیکھا کہ نئی باتیں ظاہر ہوگئی ہیں اور حالات بدل گئے ہیں اور تین طلاق کا اکٹھا واقع کرنا ایسے لفظ سے شایع ہوا ہے جو تاویل کا احتمال نہیں رکھتا تو آپ نے تکریر کی صورت میں طلاق کو لازم کر دیا کیونکہ اس وقت غالب ہوا ان پر تین طلاقوں کا قصہ جیسا کہ خود آپ نے اپنے قول **ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لھم فیہ اناۃ** میں ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سوم: اس حدیث کے یہ معنی نہیں ہیں کہ پہلے زمانہ میں لوگوں کی عادت ایک طلاق دینے کی تھی اور حضرت عمر کے زمانہ میں جب لوگ تین طلاق ایک دفعہ ڈالنے لگے تو حضرت عمر نے ان کو ان پر نافذ کر دیا پس اس صورت میں یہ حدیث صرف ایک اخبار اختلاف عادۃ الناس سے ہے نہ ایک ہی مسئلہ میں تغیر حکم سے

چنانچہ اس معنی کو بھی امام نووی ہی نے اس طرح لکھا ہے۔

وقیل المراد ان المعتاد فی الزمن الاول کان طلقة واحدة وصار الناس فی زمن عمر رضی الله عنه یوقعون الثلاث دفعة فنفذه عمر فعلی هذا ایکون اخبارا عن اختلاف عادة الناس لاعن تغیر حکم فی مسئلة واحدة۔ انتهی

یعنی بعض نے کہا ہے کہ اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں لوگوں کی ایک طلاق دینے کی عادت تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں انہوں نے تین طلاق ایک دفعہ دینی شروع کر

دیں۔ پس حضرت عمر نے انہیں کو جاری کر دیا۔ سو اس صورت میں یہہ حدیث صرف ایک اخبار ہے اختلاف عادۃ الناس سے نہ ایک ہی مسئلہ میں حکم کے بدلنے سے۔

اور اسی معنی کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری کی کتاب الطلاق کے صفحہ ۱۶۴ میں کچھ زیادہ وضاحت کے ساتھ اس طرح سے بیان کیا ہے۔

> تاويل قوله واحدة وهوان معنى قوله كان الثلاث واحدة ان الناس فى زمن النبى ﷺ كانوايطلقون واحدة فلما كان زمن عمر كانوايطلقون ثلاثا و محصله ان المعنى ان الطلاق الموقع فى عهد عمر ثلاثا كان يوقع قبل ذلك واحدة لا هم كانوالا يستعملون الثلاث اصلا وكانوا يستعملونهانا درا واما فى عصر عمر فكثراستعمالهم لها ومعنى قوله فامضاه عليهم واجازه وغيرذلك انه صنع فيه من الحكم بايقاع الطلاق ماكان يضيع قبله ورجح هذا التاويل ابن العربى ونسبه الى ابى زرعة الرازى وكذا اورده البيهقى باسناده الصحيح الى ابى زرعة انه قال معنى هذا الحديث عندى ان ماتطلقون انتم ثلاثا كانوا يطلقون واحدة قال النووى وعلى هذا فيكون الخبروقع عن اختلاف عادة الناس خاصة لاعن تغيرالحكم فى انواحدة۔ انتهى

یعنی اس حدیث میں کان الثلاث واحدۃ کا معنی یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ کے زمانہ میں لوگ صرف ایک طلاق دیا کرتے تھے اور جب حضرت عمر کا زمانہ ہوا تو تین طلاقیں دینے لگے اور حاصل اس معنی کا یہہ ہی کہ جو تین طلاقیں حضرت عمر کے عہد میں دی جانے لگیں وہ اسے پہلے صرف ایک طلاق کہتے تھے۔ کیونکہ وہ تین طلاق کا استعمال ہرگز نہیں کرتے تھے۔ اور صرف شاذ و نادر ان کو استعمال میں لاتے تھے لیکن حضرت عمر کے زمانہ میں تین طلاق کے استعمال کی کثرت ہوئی اور قول فامضاہ علیہم اور اجازہ وغیرہ کا معنی یہ ہے کہ حضرت عمر نے طلاق کے واقعہ کرنے میں وہی حکم دیا جو اسے پہلے دیا جاتا تھا اور اس تاویل کو ابن عربی نے بحوالہ ابی زرعۃ الرازی کے ترجیح دی ہے جیسا کہ بیہقی نے اسناد صحیحہ کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے کہ ابی زرعہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے معنی میرے

نزدیک یہ ہیں کہ جو تین طلاقیں تم دیتے ہو پہلے صرف ایک طلاق لوگ دیا کرتے تھے۔ نووی نے کہا ہے کہ اس صورت پر یہ حدیث صرف ایک خبر لوگوں کے اختلاف عادت کی نسبت واقع ہوئی ہے نہ یہ کہ ایک ہی مسئلہ میں حکم بدلا گیا ہو۔

الغرض حسب بیان متذکرہ بالا جبکہ قرآن شریف واحادیث اور اکابرین صحابہ کے اجماع و فتاوی سے تین طلاق ایک دفعہ کا تین ہی واقع ہوجانا آفتاب نصف النہار کی طرح روشن وثابت ہے اور اس پر ائمہ مجتہدین اور علمائے سلف وخلف کے مذہب کا اتفاق ہے تو پھر اس کے برخلاف صحیح مسلم کی حدیث مذکور سے جبکہ وہ خود ہی کئی معنی کا احتمال رکھتی ہے صرف اس کے ایک ایسے احتمال کو جو خود اس حدیث کے اصل راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے فتاوی کے بھی جو متعدد واقعات ہیں ان سے ظہور میں آئے۔ بالکل منافی ہے۔

اعتراض نمبر (۵۹)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: بسم اللہ جہراً پڑھنا

حدیث نبوی ﷺ

عن نعیم المجمر قال صلیت وراء ابی هریرة رضی الله عنه فقرابسم الله الرحمن الرحیم ثم قرابأم القران حتی اذا بلغ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین فقال: امین فقال الناس امین ویقول کلما سجد: الله اکبر واذا قام من الجلوس فی الاثنتین قال: الله اکبر واذا سلم قال: والذی نفسی بیده انی لاشبهکم صلاة برسول الله ﷺ۔

(ترجمہ) نعیم المجمر کہتے ہیں کہ میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی پھر سورہ فاتحہ کی قرأت کی جب ثم غیر المغضوب علیهم ولا الضالین پر پہنچے تو آمین کہی لوگوں نے بھی آمین کہی جب سجدہ کرتے تھے تو اللہ اکبر کہتے تھے اور جب دوسری رکعت سے

(تیسری کیلئے) اٹھے تو اللہ اکبر کہا سلام پھیر کر کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے مشابہہ نماز پڑھتا ہوں۔ (یعنی میری یہ نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز سے بالکل مشابہہ ہے)

(سنن النسائي کتاب الافتتاح باب قرأة بسم الله الرحمن الرحيم ج١ صفحه ١٤٤، رقم الحديث ٩٠٦)

(بدیع التفاسیر جلد ١ صفحہ ١٢٣)

فقہ حنفی

جہری نماز میں بسم اللہ جہراً (بلند آواز) سے پڑھنے کے متعلق خود صاحب ہدایہ لکھتے ہیں: قال الشافعي يجهر بالتسمية عند الجهر بالقراءة لماروی ان النبی ﷺ جهر فی صلوته بالتسميه۔

امام شافعی کہتے ہیں کہ جہری نماز میں بسم اللہ جہری پڑھی جائے گی اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے بسم اللہ جہراً پڑھی ہے۔

لیکن باوجود یہ حدیث ذکر کرنے کے اسی صفحہ پر ایک لائن پہلے لکھا ہے کہ:

يسر بهما (التسمية والتعوذ)

(هدایه اولین ج١ کتاب الصلوة باب صفة الصلوة ص ١٠٢)

تعوذ اور بسم اللہ آہستہ پڑھی جائے گی۔ (فقہ و حدیث ص ٩٨)

جواب:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ بسم اللہ شریف آہستہ پڑھے امام صاحب کا مسلک کئی احادیث سے ثابت ہے ملاحظہ فرمائیں۔

دلائل احناف:

نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا چاہیے:

(١) عن انس (رضی اللہ عنہ) ان رسول الله ﷺ كان يسر بسم الله الرحمن الرحيم وابوبكر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ

(مجمع الزوائد ج ٢ ص ١٠٨)

(ترجمہ) حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ سب بسم اللہ آہستہ آواز سے پڑھتے تھے۔

(۲) عن انسؓ قال صلیت خلف رسول اللہ ﷺ وابی بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم فلم اسمع احدا منہم یجھر بسم اللہ الرحمن الرحیم (نسائی ج ۱ ص ۱۰۵)

(ترجمہ) حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز نہیں پڑھی لیکن میں نے ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم اونچی آواز سے پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔

(۳) عن انس قال صلیت مع رسول اللہ ﷺ وابی بکر و عمر و عثمان فلم اسمع احدا منھم یقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

(مسلم ج ۱ ص ۱۷۲)

(ترجمہ) حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی، لیکن ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔

(۴) عن انس بن مالک انہ حدثہ قال صلیت خلف النبی ﷺ وابی بکر و عمر و عثمان فکانوا یستفتحون بالحمد للہ رب العلمین لایذکرون بسم اللہ الرحمن الرحیم فی اول قراءۃ ولا فی اخرھا۔

(مسلم ج ۱ ص ۱۷۲)

(ترجمہ) حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی یہ سب الحمد للہ رب العلمین سے (قرأت) شروع کرتے تھے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ذکر نہیں کرتے تھے نہ قرأت کے شروع میں نہ آخر میں۔

(۵) عن انس ؓ ان النبی ﷺ وابابکر و عمر کانوا یفتتحون الصلوۃ بالحمد اللہ رب العلمین (بخاری ج۱ص ۱۷۲)

(ترجمہ) حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ؓ نماز الحمد اللہ رب العلمین سے شروع کرتے تھے۔

(۶) عن ابی وائل قال کان علی وابن مسعود لایجھر ان بسم اللہ الرحمن الرحیم ولا بالتعوذ ولا بامین۔ (معجم طبرانی کبیر ج۹ص ۲۶۳)

(ترجمہ) حضرت ابووائل فرماتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما، بسم اللہ، اعوذ باللہ اور آمین اونچی آواز سے نہیں کہتے تھے۔

(۷) محمد قال اخبرنا ابوحنیفة عن ابراھیم قال قال ابن مسعود فی الرجل یجھر بسم اللہ الرحمن الرحیم انھا اعرابیة وکان لایجھر بھا ھو ولا احد من اصحابه۔ (کتاب الآثار للامام ابی حنیفہؒ ص ۲۲)

(ترجمہ) حضرت امام محمد ؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت امام ابوحنیفہ ؒ نے بروایت ابراہیم نخعی ؒ کے یہ خبر دی کہ حضرت ابراہیم نخعی ؒ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے ایسے شخص کے بارے میں جو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتا ہے فرمایا کہ یہ گنوارپن ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ خود اور ان کے اصحاب میں سے کوئی بھی بسم اللہ اونچی آواز سے نہیں پڑھتا تھا۔

(۸) عن عکرمة عن ابن عباس فی الجھر بسم اللہ الرحمن الرحیم قال ذلك فعل الاعراب۔ (طحاوی ج۱ص ۱۴۰)

(ترجمہ) حضرت عکرمہ ؒ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھنے کے متعلق فرمایا کہ یہ تو گنواروں کا فعل ہے۔

(۹) عن ابن عبداللہ بن مغفل قال سمعنی ابی وانا فی الصلوۃ وقول بسم اللہ الرحمن الرحیم فقال لی ای بنی محدث ایاك والحدث قال ولم ارا احدا من اصحاب رسول اللہ ﷺ کان ابغض الیه

الحدث فی الاسلام یعنی منه وقال قدصلیت مع النبی ﷺ ومع ابی بکر و عمر و عثمان فلم اسمع احدا منهم یقولها فلا تقلها اذا انت صلیت فقل الحمد الله رب العلمین قال ابو عیسی حدیث عبدالله بن مغفل حدیث حسن والعمل علیه عند اکثرا هل العلم من اصحاب النبی ﷺ منهم ابوبکر و عمر و عثمان وعلی و غیرهم و من بعدهم من التابعین وبه یقول سفیان الثوری وابن المبارك واحمدواسحق لایرون ان یجهر بسم الله الرحمن الرحیم قالو اویقولها فی نفسه۔ (ترمذی ج ا ص ۵۷)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد صاحب نے نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہوئے سنا تو مجھ سے فرمایا۔ بیٹا یہ بدعت ہے اور بدعت سے بچو، فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس کے نزدیک اسلام میں بدعت ایجاد کرنے سے زیادہ کوئی چیز مبغوض کہو اور فرمایا کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان (سب) کے ساتھ نماز پڑھی ہے لیکن ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ کہتے ہوئے نہیں سنا، لہٰذا تم بھی نہ ہو، جب تم نماز پڑھو تو کہو الحمد للہ رب العلمین۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے اور نبی عیہ الصلوٰۃ والسلام کے اکثر اہل علم صحابہ کا عمل اسی پر ہے جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام اور ان کے بعد تابعین بھی ہیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، اسحق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے یہ لوگ اونچی آواز سے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے کو صحیح نہیں سمجھتے، البتہ ان کا کہنا ہے کہ نمازی بسم اللہ اپنے جی میں کہہ لے۔

(۱۰) عن ابراهیم قال جهر الامام بسم الله الرحمن الرحیم

بدعة (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۱ ص ۴۱۱)

(ترجمہ) حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام کا بسم اللہ الرحمن الرحیم اونچی آواز سے پڑھنا بدعت ہے۔

(۱۱) قال (سفیان الثوری) یاشعیب لاینفعك ما کتبت حتی تری المسح علی الخفین وحتی تری ان اخفاء بسم اللہ الرحمن الرحیم افضل من الجهر به الخ. (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۶)

(ترجمہ) حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اے شعیب جو کچھ تو نے (مجھ سے سن کر) لکھا ہے یہ تجھے اس وقت تک فائدہ نہیں دے گا جب تک کہ تو موزوں پر مسح کرنے کو صحیح نہ سمجھے، اور جب تک کہ تو یہ عقیدہ نہ رکھے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم آہستہ آواز سے پڑھنا اونچی آواز سے پڑھنے کی نسبت افضل ہے۔

(۱۲) قال وکیع والجهر بالبسملة بدعة۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۰۹)

امام وکیع فرماتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم اونچی آواز سے پڑھنا بدعت ہے۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔

پہلا جواب:

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ اس حدث کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں حافظ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اوّلاً تو یہ روایت شاذ اور معلول ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے کئی شاگردوں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ لیکن سوائے نعیم المجمر کے کوئی بھی قرأۃ تسمیہ کا جملہ نقل نہیں کرتا اور اگر بالفرض اس کو معتبر مان بھی لیا جائے تب بھی یہ روایت شافعیہ کے مسلک پر صریح نہیں کیونکہ قرأت کے لفظ سے بسم اللہ کی نفس قرأت ثابت ہوتی ہے، نہ کہ اس کا جہر اس لئے کہ قرأۃ کے لفظ میں قرأت بالسر کا بھی احتمال ہے، لہٰذا اس روایت سے شافعیہ کا استدلال تام نہیں۔ (درس ترمذی جلد اول ص ۵۰۰۔۵۰۱)

دوسرا جواب:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۳۶ میں لکھتے ہیں

کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے آٹھ سو شاگرد تھے "مابین صاحب و تابع" ان میں سے صرف نعیم مجمر رحمۃ اللہ علیہ ہی یہ روایت کرتے ہیں اور کوئی بھی نہیں کرتا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایت شاذ ہے۔

تیسرا جواب:

شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ صاحب فرماتے ہیں:

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فتاوی ج ۱ ص ۸۰ میں لکھتے ہیں کہ جھگڑا تو جہر کا ہے۔ اس روایت میں فقرأ کے لفظ ہیں۔ قرأت کا تو جھگڑا ہی نہیں۔ لہٰذا یہ جہر کے لیے ناکافی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

اگر سرأ پڑھی تو پھر سنی کیسے

جواب:

ممکن ہے کبھی کوئی آیت جہر سے پڑھتے ہوں۔ بخاری ج ۱ ص ۱۰۵ اور ص ۱۰۷ میں ہے۔

ویسمعنا الاٰیۃ احیاناً۔ قال ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فی الزاد ص ۶۳، ج ۱ و ترک النبی ﷺ الجھر بالبسملۃ و کان یجھر بھا احیانا والمقصود انہ کان یفعل فی الصلوۃ شیئا احیانا العارض لم یکن من فعلہ الراتب

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اعتراض بھی پیش کیا ہے کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ظہر اور عصر کی نماز میں قرأت کا ذکر کیا ہے تو ان کو کیسے پتہ چلا؟ جواباً کہتے ہیں کہ شاید سری میں بھی کوئی جملہ سن لیا ہو، اور ممکن ہے کہ نماز ختم کر کے بتلایا ہو۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت بخاری ج ۱ ص ۱۰۵ میں ہے۔

(خزائن السنن ج ۲ ص ۷۰۔ ۷۱)

چوتھا جواب:

نعیم بہت قریب ہوں ابوہریرہ سے کہ ان کے آہستہ بسم اللہ کہنے سے بھی یہ واقف ہو گئے ہوں الغرض ان کے اس قول سے کہ ابوہریرہ نے بسم اللہ پڑھی ہرگز یہ نہیں ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے بلند آواز سے پڑھی ایسی بہت سی نظیریں موجود ہیں جن میں صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نماز عصر و ظہر

میں فلاں فلاں سورت پڑھتے تھے یا درمیان دو سجدہ کے قعدہ میں یہ دعا پڑھتے تھے یا بعد سبحانك اللهم کے اور رکوع میں اور بعد رکوع کے اور قعدۂ اخیرہ میں یہ دعائیں پڑھتے تھے اذکار امام نووی و عمل اليوم والليلہ لابن السنی وکتب حدیث صحاح ستہ وغیرہ کو جو شخص دیکھے گا اس قسم کی روایات بہت پاویگا حالنکہ بالیقین آنحضرت سے یہ اذکار اور ادعیہ اور قرأت سو ظہر وعصر وغیرہ میں آہستہ ادا ہوتی تھی نہ بلند آواز سے۔ پس اگر صرف ذکر کرنا مقتدی کا کہ ہمارے امام نے یہ لفظ ادا کیا یا یہ دعا پڑھی مستلزم ثبوت جہر ہووے لازم آتا ہے کہ ان سب روایات سے آنحضرت کا بلند کرنا آواز ساتھ ان اذکار اور قرأت کے ثابت کیا جاوے۔

اعتراض نمبر (٦٠)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: کسی کے لیے بھی نماز عید سے قبل قربانی کرنا جائز نہیں۔

حدیث نبوی ﷺ

عن جندب بن سفيان قال شهدت الاضحى يوم النحر مع رسول الله ﷺ فلم يعد ان صلى وفرغ من صلاته وسلم فاذا هو يرى لحم اضاحى قد ذبحت قبل ان يفرغ من صلوته فقال من كان ذبح قبل ان يصلى او نصلى فليذبح مكانه الاخرى۔

(ترجمہ) سیدنا جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں عید الاضحیٰ کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا آپ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے قربانی کا گوشت دیکھا (جو نماز سے قبل ذبح کی گئی تھی) تب آپ ﷺ نے فرمایا جس نے نماز سے پہلے قربانی (ذبح) کی ہے وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے۔

(بخاری ج۲ کتاب الاضاحی باب من ذبح قبل الصلوٰۃ اعادہ صفحہ ۸۳۴، رقم الحدیث ۵۵۶۲)

(مسلم ج۲ کتاب الاضاحی وقتها صفحہ: ۱۵۳ واللفظ له، رقم الحدیث ۵۰۶۴)

فقہ حنفی

فاما اهل السواء فيذبحون بعد الفجر...... وحيلة المصرى اذا اراد

التعجیل ان یبعث بھا الی خارج مصر فیضحی بھا لما طلع الفجر۔

(ھدایہ آخرین ج۴ کتاب الاضحیۃ ص ۴۴۵۔۴۴۶)

یعنی دیہات والے فجر کے بعد قربانی کر سکتے ہیں...... اور شہریوں کے لیے یہ حیلہ ہے کہ اگر وہ جلد قربانی کا ارادہ رکھتے ہیں وہ شہر سے باہر جانور بھیج دیں تا کہ اس کو فجر طلوع ہوتے ہی ذبح کیا جا سکے۔ (فقہ و حدیث ص ۹۹)

جواب:

راشدی صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے اس پر احناف کا عمل ہے۔

چنانچہ ہدایہ ہی میں لکھا ہے۔

یوم النحر (بقرہ عید کے دن) کے طلوع فجر سے قربانی کا وقت داخل ہو جاتا ہے۔ البتہ شہریوں کے لیے امام کے نماز پڑھ لینے سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں۔ (ہدایہ کتاب الاضحیۃ)

ہدایہ کا یہ مسئلہ اس حدیث کے مطابق ہے جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے مگر ہدایہ کے اس مسئلے کو راشدی صاحب نے ذکر نہیں کیا۔ اس مسئلہ کو ذکر کرنے کے بعد صاحب ہدایہ آگے گاؤں کے لوگوں کے متعلق لکھتے ہیں۔

رہے دیہاتی تو وہ فجر کے بعد ذبح کر سکتے ہیں فرماتے ہیں اور اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ کا فرمان مستدل ہے کہ جس شخص نے نماز سے پہلے ذبح کر لیا اسے ذبیح کا اعادہ کرنا چاہیے اور جس نے نماز کے بعد ذبح کیا تو اس کی قربانی مکمل ہو گئی۔

(بخاری کتاب الاضی باب من ذبح قبل الصلاۃ) اور اس نے مسلمانوں کا طریقہ اپنا لیا۔

(نوٹ: ہدایہ کی یہ عبارت مختلف احادیث کا مفہوم اور خلاصہ ہے کسی حدیث کا مکمل ترجمہ نہیں ہے۔)

پھر حدیث کا حوالہ دیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس دن ہماری پہلی عبادت نماز ہے پھر قربانی۔

(بخاری باب الذبح بعد الصلوۃ)

ہدایہ کے علاوہ اور بہت سی کتب میں یہ مسئلہ لکھا ہے۔

(۲) احسن الہدایہ جلد ۱۳ ص ۳۰۳ میں ہے۔

ہزاروں مقامات جہاں عیدین اور جمعہ مشروع ہیں۔ وہاں کے باشندوں کو نماز عید سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔

(۳) مولانا مجیب اللہ ندوی اسلامی فقہ جلد ۱ ص ۵۲۱ میں لکھتے ہیں اسی طرح قربانی کا نماز کے بعد کرنا ضروری ہے۔

(۴) الفلاح الضروری ترجمہ لتسھیل الضروری ص ۴۹۲ قربانی کا بیان میں ہے

سوال: قربانی کے وقت کی ابتدا کیا ہے؟

جواب: نحر کے دن (یعنی دس ذوالحجہ) کو فجر ثانی (یعنی صبح صادق) کے طلوع سے قربانی کا وقت داخل ہوتا ہے مگر تحقیق شان یہ ہے کہ شہر والوں کے لیے نماز عید سے پہلے ان کو ذبح کرنا جائز نہیں۔

سوال: اگر ان میں سے کوئی نماز عید سے پہلے ذبح کرے تو کیا کرے؟

جواب: قربانی کو لوٹائے۔

(۵) مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں مسئلہ بقرعید کی نماز ہونے سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں ہے جب لوگ نماز پڑھ چکیں تب کرے۔

(بہشتی زیور حصہ ۳ قربانی کا بیان ص ۲۳۱)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ حنفی مسلک حدیث کے مطابق ہے۔ اب رہی گاؤں میں نماز سے قبل اجازت تو ایسی کوئی دلیل قرآن یا حدیث میں موجود نہیں جو خاص گاؤں میں منع کرنے کی ہو۔ اگر ہو تو پیش کریں۔ حدیث میں آتا ہے کہ نماز عید کے بعد قربانی کریں جب گاؤں میں نماز عید ہی نہیں ہوتی تو وہ پھر انتظار نماز کا کس طرح کریں گے۔ یہاں پر مسئلہ اقتضاء النص کے طور پر گاؤں کے لیے طلوع فجر کے بعد قربانی کرنے کا جواز ثابت ہو رہا ہے۔

نوٹ: فقہ حنفی یہ نہیں کہتی کہ ضرور ضرور اس طرح کرو فقہ حنفی میں صرف جواز ہے۔

اعتراض نمبر (٦١)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیرات کہنی ہوں گی۔

حدیث نبوی ﷺ

عن ابن عمر انه قال اذا قدم یوم العید ویوم الاضحی جهر بالتکبیر۔

(ترجمہ) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے لیے جاتے ہوئے جہری تکبیریں کہتے تھے۔

(سنن الدار قطني ج۲ صفحه ۱۷۵، کتاب العیدین رقم الحدیث ۱۶۹۸۱۸) (سنن البیهقي مرفوعا عن النبي ﷺ کتاب العیدین باب التکبیر عید الفطر ویوم الفطر واذا غدا الي صلاة العیدین ج۳ صفحه ۲۷۹ طبع نشر السنه)

اس بارے میں قرآن مجید میں بھی ہے کہ

{ولتکبروا الله علی ما هدا کم...} (الحج آیت ۱۸۵)

یعنی تا کہ تم اللہ تعالیٰ کے لیے تکبیر بیان کرو۔

فقہ حنفی

ولا یکبر عند ابی حنیفة فی طریق المصلی۔

(ھدایہ اولین ج۱ کتاب الصلوۃ باب العیدین صفحہ ۱۷۳)

عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے راستے میں تکبیرات نہیں کہی جاسکتیں۔ ابوحنیفہ کا یہی مذہب ہے۔ (فقہ وحدیث ص ۱۰۰)

جواب:

پیر بدیع الدین شاہ راشدی نے ہدایہ کی عبارت کا مفہوم غلط لیا ہے جس سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سرے سے عیدین میں تکبیرات کا انکار لازم آتا ہے۔ حالانکہ اس عبارت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ عید الفطر کے دن عیدگاہ جاتے ہوئے بقرہ عید کی طرح بلند آواز سے تکبیر نہ کہے آہستہ آواز سے کہے۔

مولانا سید امیر علی غیر مقلد نے یہی مفہوم لیا ہے۔ ہدایہ کی اس عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں۔

ولا یکبر اور تکبیر کی آواز بلند نہ کرے عند ابی حنیفة فی طریق المصلی ابوحنیفہ کے نزدیک عیدگاہ کے راستہ میں۔ (عین الہدایہ ترجمہ وشرح اردو ہدایہ جلد اول ص ۸۴۶ ناشر مکتبہ رحمانیہ لاہور)

اس سے ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے بعد احناف کا صحیح مسلک یہ ہی ہے کہ عید الفطر میں عیدگاہ جاتے وقت تکبیر کہنا چاہئے مگر آہستہ۔

حنفی مسلک کی تمام کتب میں اسی طرح لکھا ہوا ہے کچھ عبارات ملاحظہ فرمائیں

(۱) بہشتی زیور حصہ نمبر ۱۱ ص ۹۴ میں ہے۔

عیدالفطر کے دن تیرہ چیزیں مسنون ہیں۔ پر آگے نمبر ۱۳ میں لکھتے ہیں

اور راستے میں اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد آہستہ آواز سے پڑھتے ہوئے جانا چاہیے۔

(۲) احسن المسائل اردو ترجمہ کنز الدقائق ص ۷۵ باب نماز عیدین میں ہے۔

پھر عید گاہ جائے راستہ میں آواز سے تکبیر نہ کہے (بلکہ آہستہ آہستہ کہے) اور نہ عید کی نماز سے پہلے نفل پڑھے

(۳) اشرف الوقایہ ترجمہ وشرح اردو شرح وقایہ جلد اول ص ۲۴۰ باب العیدین میں ہے عیدالفطر کے روز مستحب یہ ہے کہ نماز سے قبل کچھ کھائے اور مسواک کرے اور غسل کرے۔ اور خوشبو لگائے اور جو سب سے اچھا کپڑا اپنا ہو وہ پہنے اور صدقہ فطر ادا کرے اور عید گاہ کے راستے میں آہستہ آہستہ تکبیر کہتا ہوا عید گاہ کی جانب جائے۔

(۴) مولانا عبدالحمید خان سواتی حنفیؒ لکھتے ہیں

اور پھر عید گاہ کی طرف روانہ ہو، راستہ میں تکبیرات کہے تو آہستہ آواز سے کہے جیسا کہ حضرت امام ابوحنیفہ کہتے ہیں نماز عید سے پہلے کوئی نفل نہ پڑھے اور عید گاہ میں نماز کے بعد بھی نفل پڑھنے مکروہ ہیں۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۱۱۱ شرح نقایہ، ج ۱ ص ۱۲۱ کبیری ۵۶۶) (نماز مسنون کلاں ص ۶۹۳)

(۵) مولانا مفتی محمد عاشقؒ الٰہی مدنی حنفی لکھتے ہیں۔

(۱) فتاوی شامیہ، جوہرہ نیرہ اور ہندیہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مختار مسلک یہ ہے کہ عیدالفطر کے دن پوشیدہ آواز سے تکبیر کہنا مستحب ہے تو گویا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبین سے نفس تکبیر میں اختلاف نہیں البتہ جہر میں اختلاف ہے۔ فافہم

(الفلاح الضروری اردو ترجمہ التسہیل الضروری لمسائل قدوری ص ۷۵، حاشیہ ۱)

(۶) مولانا مجیب اللہ ندوی لکھتے ہیں:

(۱) عیدالفطر کے دن نماز سے پہلے کھجوریں یا چھوہارے یا کوئی اور میٹھی چیز کھانا سنت ہے۔

(۲) صدقہ فطر ادا کر کے نماز کے لیے جانا چاہیے صدقہ فطر کا ذکر روزہ کے بیان میں آئے گا۔

(۳) عیدگاہ کے راستہ میں آہستہ آہستہ تکبیر کہتے جانا۔ (شرح التنویر ص ۱۱۳، ج ۱) (اسلامی فقہ جلد نمبر ۱ ص ۳۰۶)

حوالہ تو بہت ہیں مگر ہم ان ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ ان جوابات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ امام ابوحنیفہ اور حنفی حضرات عید الفطر کے دن عیدگاہ جاتے ہوئے تکبیرات کے قائل ہیں۔

اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ تکبیریں آہستہ کہنی چاہئے یا بلند آواز سے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ عید الفطر کے دن آہستہ اور بقرہ عید کے روز بلند آواز سے کہنا چاہیے کیونہ یہ اصل میں اللہ کا ذکر ہے اور ذکر میں اخفاء اصل ہے۔

آہستہ کہنے کے دلائل:

قرآن مجید میں ہے:

پہلی آیت:

ادعوا ربكم تضرعا و خفية إنه لا يحب المعتدين

پکارو اپنے رب کو عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے بیشک وہ محبت نہیں کرتا حد سے بڑھنے والوں کے ساتھ۔ (پارہ نمبر ۸ اعراف رکوع ۷)

دوسری آیت:

واذكر ربك في نفسك تضرعا وخيفة ودون الجهر من القول

اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے اور جہر سے کم آواز میں۔ (پ ۹ اعراف. رکوع نمبر ۲۴)

حدیث:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: انہوں نے کہا

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر جہاد کیا یا خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تو (راستے میں) لوگ ایک بلند جگہ پر چڑھے انہوں ے پکار کر تکبیر کہی اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اوپر آسانی کرو۔ تم کیا اس کو پکارتے ہو جو بہرہ ہے یا تم کو نہیں دیکھتا تم تو ایسے خدا کو پکارتے ہو جو سب کی سنتا ہے اور نزدیک ہے وہ تمہارے ساتھ ہے۔

(بخاری ج ۲ ص ۶۰۵ کتاب المغازی مسلم ج ۲ ص ۳۴۶ مسند احمد. ج ۴ ص ۳۹۴)

ان دلائل کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ ذکر میں اصل اخفاء ہے۔ باقی بقرہ عید کے روز جہراً پڑھنے کے دلائل احادیث میں موجود تھے اس لیے وہاں پر جہر کو اختیار کیا گیا۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے وہ صرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل ہے اور قرآن مجید اور مرفوع حدیث کے مقابلہ میں اس پر عمل نہیں ہو سکتا کہ عید الفطر کے روز بھی جہر کیا جائے۔

دوسرے وہ اس لیے نقل نہیں کی کہ آہستہ اور جہر کو ثابت کیا جائے بلکہ اس لیے نقل کی ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سرے سے تکبیر پڑھنے کے قائل ہی نہیں ہیں اور عبداللہ بن عمر کا عمل بتا رہا ہے۔ کہ تکبیر ثابت ہے۔ لہٰذا ہم نے ثابت کر دیا کہ امام صاحب کا مذہب اس حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

اعتراض نمبر (٦٢)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: اعتکاف کے لیے رزہ شرط نہیں۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عن ابن عمر ان عمر سال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کنت نذرت فی الجاھلیة ان اعتکف لیلة فی المسجد الحرام قال اوف بنذرك۔

(ترجمہ) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا میں نے دور جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ ایک رات بیت اللہ میں اعتکاف کروں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی نذر پوری کرو۔

(اس حدیث سے یہ بات واضح ہوئی کہ اعتکاف کرنے لیے روزہ شرط نہیں ہے۔)

(بخاري ج ٢ کتاب الایمان والنذور باب اذا نذر اور حلف الایکلم انسانا في الجاھلیة ثم اسلم صفحہ: ٩٩١، رقم الحدیث ٦٦٩٧) (مسلم ج ٢ کتاب الایمان والنذور باب نذر الکافر وما یفعل فیہ اذا اسلم ص ٥٠، رقم الحدیث ٤٢٩٢)

فقہ حنفی

الاعتکاف مستحب و ھو اللبث فی المسجد مع الصوم و نیة الاعتکاف... والصوم من شرطه عندنا۔

(ھدایہ اولین ج ١ کتاب الصوم باب الاعتکاف صفحہ: ٢٢٩)

اعتکاف مستحب ہے یعنی مسجد میں روزہ رکھ کے ٹھہرنا اور اعتکاف کی نیت کرنا......اور ہمارے نزدیک روزہ (اعتکاف کی) شروط میں سے ہے۔ (فقہ وحدیث ص ۱۰۱)

جواب: حدیث:

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ اعتکاف کرنے والے کو یہ سنت ہے کہ عیادت نہ کرے مریض کی اور نہ جنازہ کی نماز کے واسطے حاضر ہو اور نہ عورت کو چھوئے اور نہ عورت سے مباشرت کرے اور نہ کسی کام کے واسطے نکلے سوائے ضرورت کے کام کے (یعنی پیشاب و پاخانہ وغیرہ کے لیے) اور بغیر روزہ کے اعتکاف درست نہیں ہوتا۔ الحدیث (ابو داؤد باب الاعتکاف، سنن دارقطنی باب الاعتکاف)

ہم نے یہاں پر صرف ایک روایت ذکر کی ہے اس مسئلہ کے دلائل اور بھی ہیں۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ فقہ حنفی کا مسئلہ حدیث کے مطابق ہے مخالف نہیں۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس میں روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث:

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جاہلیت کے زمانہ میں نذر کی تھی ایک رات یا ایک دن اعتکاف کرنے کی کعبے کے پاس انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا آپ نے فرمایا اعتکاف کر اور روزہ رکھ۔ (ابو داؤد باب المعتکف یعود المریض)

(مشکوۃ باب الاعتکاف فصل ثانی۔ سنن دارقطنی باب الاعتکاف)

اس سے ثابت ہوا کہ فقہ حنفی کا مسئلہ درست ہے احناف نے اپنی طرف سے روزہ کی شرط نہیں بنائی۔

اعتراض نمبر ۶۳

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: قربانی کے اونٹ کو اشعار (اس کی کوہان کی دائیں جانب چیرا لگانا) جائز ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

عن ابن عباس قال صلى رسول الله ﷺ الظهر بذى الحليفة ثم دعا بناقته فاشعرها فى صفحة سنامها الايمن۔

(ترجمہ) سیدنا ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالحلیفہ میں ظہر کی نماز پڑھائی پھر اپنی اونٹنی کا اشعار کیا یعنی اس کی کوہان کے دائیں طرف کونشان کے لیے چیرا۔

(مسلم ج۱کتاب الحج باب اشعار البدن وتقلیدہ عند الاحرام صفحہ ۴۰۷، رقم الحدیث ۳۰۱۶)

فقہ حنفی

ولاشعر البدنة عند ابی یوسف و محمد ولا یشعر عند ابی حنیفة و یکرہ۔ (ھدایہ اولین ج۱کتاب الحج باب التمتع ص ۲۶۲)

ابو یوسف اور محمد کے نزدیک اونٹنی کو اشعار کیا جا سکتا ہے جبکہ ابوحنیفہ کے نزدیک اشعار نہیں کیا جا سکتا بلکہ مکروہ ہے۔ (فقہ وحدیث ص ۱۰۲)

جواب:

درحقیقت اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف میں کچھ تفصیل ہے جس کے نہ سمجھنے کی وجہ سے اعتراض پیدا ہوا ہے۔

بعض احادیث میں آنحضرت ﷺ سے اشعار یعنی قربانی کے جانور کو علامتی زخم لگانا ثابت ہے اور کچھ سلف وخلف کا اس پر عمل بھی رہا ہے اس لئے اس کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا اصول تو یہ ہے کہ آپ ضعیف حدیث اور صحابی کے عمل کے مقابلے میں بھی اپنی رائے کو ترک کر دیتے ہیں۔ اس لیے اس بات کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ امام ابوحنیفہ اشعار کو حضور ﷺ سے ثابت مانتے ہوئے اس کو مکروہ یا مثلہ قرار دیتے ہوں۔ بلکہ ان کی اس رائے کا صحیح پس منظر یہ ہے کہ وہ اصلاً تو اشعار کو جائز اور درست قرار دیتے ہیں۔ لیکن ان کے زمانے میں ناواقف لوگوں نے زخم لگانے میں بہت مبالغہ کرنا شروع کر دیا (یعنی جانور کی کھال کے بجائے اس کے گوشت تک کو زخمی کرنے لگے) جس سے جانور کو تکلیف ہوتی۔

چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کو اس غلط طریقہ سے اشعار کرنے سے روکنے کے لیے اشعار نہ کرنے کا فتویٰ دیا۔ ان کا اصل منشاء ایک جائز اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت عمل سے منع کرنا نہیں بلکہ لوگوں کو اس عمل میں ناجائز مبالغہ سے روکنا تھا۔

دوسرے یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ اشعار، ہدی (قربانی کے جانور) کے لیے علامت مقرر کرنے کا حکم بھی کوئی فرض یا واجب کے درجہ کا نہیں ہے بلکہ اس کا درجہ محض جواز کا ہے کیونکہ دوسری طرف حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عباس سے اس کے کرنے یا نہ کرنے میں تخییر منقول ہے دیکھیے مصنف ابن ابی شیبہ طبع کراچی روایت نمبرا، ۱۰۶۴، ۱۰۶۹ انیز حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جن سو اونٹوں کی قربانی کی تھی، ان میں سے صرف ایک اونٹ کا اشعار کرنا ثابت ہے باقی سب اونٹوں کی علامت ان کے گلوں میں پٹہ لٹکا کر مقرر کی گئی تھی۔

اس سے واضح ہے کہ امام صاحب کی طرف اس عمل کو مثلہ قرار دینے کی نسبت بالکل غلط اور من گھڑت ہے۔ چنانچہ احناف نے ہی نہیں، بلکہ دوسرے مسالک کے اہل علم نے بھی ان کی رائے کا وہی مفہوم قبول کیا ہے جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے امام طحاوی حنفی کے حوالے سے یہ توجیہ نقل کر کے لکھا ہے۔

اس معاملے میں امام طحاوی کی توجیہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے فقہا کے اقوال کے مفہوم و مطلب سے دوسروں کی نسبت زیادہ واقف ہیں۔

(فتح الباری شرح بخاری ج ۳ ص ۴۳۵)

اعتراض نمبر (۶۴)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: نماز جنازہ میں پانچ تکبیرات کہنا بھی ثابت ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

جس طرح نماز جنازہ میں چار تکبیرات کہنے کا ذکر ہے اسی طرح پانچ تکبیرات کا بھی ذکر ہے:

عن عن عبدالرحمن بن ابی لیلی قال کان زید یکبر علی جنائزنا اربعاوانه کبر علی جنازة خمسا فسألناه فقال کان رسول الله ﷺ یکبرها۔

(ترجمہ) عبدالرحمن بن ابی لیلی سے روایت ہے کہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ ہمارے جنازوں پر چار تکبیرات کہتے تھے اور ایک جنازے پر انہوں نے پانچ تکبیرات کہہ دیں ہم

نے وجہ پوچھی، کہنے لگے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے (پانچ تکبیرات بھی) کہیں ہیں۔

فقہ حنفی

لو کبر الامام خمسا لم يتابعه المؤتم۔

(ھدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلوۃ باب الجنائز فصل الصلوۃ علی المیت ص ۱۸۰)

اگر امام پانچ تکبیرات کہے تو مقتدی اس کی اتباع نہ کریں۔

(فقہ و حدیث ص ۱۰۳)

جواب:

اس مسئلہ میں احادیث و آثار مختلف ہیں کسی حدیث میں تین کسی میں چار۔ چار سے لیکر نو تک کی روایات کتب حدیث میں ملتی ہیں دیکھئے تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۱۱۹ تا ۱۲۲ کتاب الجنائز مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص ۳۰۴۔ تمام روایات کو دیکھ کر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب تک صحابہ کرام رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کا اس مسئلہ پر اتفاق نہیں ہوا تھا یہ اختلاف اس وقت سے پہلے کا ہے بعد میں صحابہ کا چار تکبیروں پر اتفاق ہو گیا تھا صحابہ کے اتفاق سے اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا آخری عمل بھی یہ ہی ہو گا۔ اور یہ ہی عام طریقہ رائج تھا۔ اس عام طریقہ سے ہٹ کر اگر کسی روایت میں چار سے زائد تکبیروں کا ذکر ملتا ہے تو وہ کسی آدمی کی خصوصیت کی وجہ سے ہے یا پھر پہلے دور سے اس کا تعلق ہے۔

دلائل احناف

پہلی حدیث:

حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں حضرت جبرائیل عَلَيْهِ السَّلَام نے حضرت آدم عَلَيْهِ السَّلَام کی نماز جنازہ ادا کی تھی انہوں نے حضرت آدم پر چار تکبیریں پڑھی تھیں۔

(سنن دارقطنی کتاب الجنائز باب مکان قبر ادم والتکبیر علیہ اربعا

دوسری حدیث:

حضرت ابی بن کعب رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے فرشتوں نے حضرت آدم عَلَيْهِ السَّلَام کی نماز جنازہ ادا کی تھی انہوں نے ان پر چار تکبیر پڑھی تھیں اور انہوں

نے یہ کہا تھا۔ اے اولاد آدم تمہارا (نماز جنازہ ادا کرنے کا) یہ طریقہ ہے۔

(سنن دار قطنی کتاب الجنائز باب مکان قبر آدم)

تیسری حدیث:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام پر چار تکبیریں کہی تھیں۔

(دار قطنی کتاب الجنائز باب مکان قبر آدم)

چوتھی حدیث:

حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری مرتبہ نماز جنازہ میں چار تکبیر کہی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ میں چار تکبیر کہی تھیں حضرت حسن بن علی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی تھیں حضرت حسین رضی اللہ عنہ بن علی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی تھی اور فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی تھیں۔

(سنن دار قطنی کتاب الجنائز باب مکان قبر آدم)

پانچویں حدیث:

عبداللہ بن عامر اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات اچھی طرح یاد ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو دفن کروایا (تو اس سے پہلے) آپ نے ان کی نماز جنازہ ادا کرتے ہوئے ان پر چار مرتبہ تکبیر کہی (دفن کے بعد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں مٹھیوں میں تین مرتبہ مٹی لے کر ان کو قبر پر ڈالی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سرہانے کی طرف کھڑے تھے۔

(دار قطنی۔ باب حثی التراب علی المیت)

چھٹی حدیث:

مسروق بیان کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم کی ایک زوجہ محترمہ کی نماز جنازہ پڑھائی تو میں نے انہیں یہ کہتے ہوئے سنا میں اس خاتون کی نماز جنازہ اس طرح پڑھاؤں گا جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری مرتبہ نماز جنازہ پڑھائی تھی، پھر حضرت عمر نے چار مرتبہ تکبیر کہی۔

(دار قطنی کتاب الجنائز باب حثی التراب علی المیت)

ساتویں حدیث:

امام شعبی بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزرے جس صاحب قبر کو کچھ عرصہ پہلے دفن کیا گیا تھا نبی اکرم ﷺ نے اس کی نماز جنازہ ادا کی اور آپ نے نماز جنازہ میں چار مرتبہ تکبیر کہی۔ (دار قطنی کتاب الجنائز باب الصلاۃ علی القبر)

آٹھویں حدیث:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزرے جو الگ تھلگ تھی آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ ادا کرتے ہوئے چار مرتبہ تکبیر کہی۔

امام دار قطنی یہ روایت نقل کرنے کے بعد نقل کرتے ہیں:

وکذالک رواہ مسلم بن ابراھیم عن شعبة وابو حذیفة عن زائدة وعبداللہ بن جعفر عن ابی معاویة عن الشیبانی وتابعھم منصور بن ابی الاسود وعبدالواحد بن زیاد عن الشیبانی کلھم. قال فکبر اربعا

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ ان سب حضرات نے یہی بات نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چار مرتبہ تکبیر کہی تھی۔ (دار قطنی کتاب الجنائز باب الصلاۃ علی القبر)

نویں حدیث:

ابو وائل کہتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کبھی سات کبھی چھ، کبھی پانچ اور کبھی چار تکبیریں کہتے تھے اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو چار تکبیروں پر جمع کر دیا جیسے کہ سب سے لمبی نماز ہوتی ہے۔ (لمبی نماز سے مراد چار رکعتوں والی نماز ہے)

(بیہقی ج ۴ ص ۳۷ کتاب الجنائز باب مایستدل بہ علی ان اکثر الصحابۃ اجتمعوا علی أربع ورأی بعضہم الزیادۃ منسوخۃ)

(فتح الباری ج ۳ ص ۱۶۲)

دسویں حدیث:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس روز نجاشی کا انتقال ہوا رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو اسی روز بتا دیا تھا اور لوگوں کے ساتھ نماز جنازہ کے لیے نکلے تو انہوں نے صفیں بنا لیں اور آپ نے چار تکبیریں کہیں۔ (موطا امام مالک التکبیر علی الجنا

گیارہویں حدیث:

حضرت ابراہیم نخعی (تابعی کبیر) نے فرمایا پہلی تکبیر کے بعد اللہ جل شانہ کی حمد وثناء بیان کی جائے گی دوسری کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھا جائے گا۔ تیسری کے بعد میت کے لیے دعا ہوگی اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دیا جائے گا۔ امام محمد فرماتے ہیں ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ (کتاب الآثار باب الصلاۃ علی الجنازۃ)

بارہویں حدیث:

حضرت ابراہیم سے مروی ہے کہ لوگ جنازوں پر پانچ چھ اور چار تکبیرات کہا کرتے تھے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ وفات فرما گئے پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لوگ اسی طرح تکبیر کہتے رہے حتیٰ کہ وہ بھی وفات پا گئے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے اور ان کے دور خلافت میں بھی لوگوں نے یہی کہا۔ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہ اختلاف دیکھا تو فرمایا آپ حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کی جماعت ہیں جب خود آپ لوگوں ہی میں اختلاف ہوگا تو آپ کے بعد آنے والوں میں اس سے زیادہ اختلاف ہوگا، لوگ ابھی ابھی دور جاہلیت سے نکلے ہیں اس لیے آپ لوگ کسی ایک ایسی بات پر اتفاق کرلیں جس پر آپ کے بعد آنے والے سب متفق ہوجائیں چنانچہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کی متفقہ رائے یہ ہوئی کہ دنیا سے تشریف لیجانے سے پہلے آپ کے پڑھائے ہوئے آخری جنازے کی تکبیرات کو دیکھا جائے اس پر آپ نے جتنی تکبیرات کہی ہوں انہیں اختیار کرلیا جائے اور اس کے علاوہ دوسری اور کو چھوڑ دیا جائے چنانچہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے آخری جنازہ پر چار تکبیرات کہی تھیں امام محمد نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

(کتاب الآثار باب الصلاۃ علی الجنازہ)

تیرھویں حدیث:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یزید بن المکفف پر نماز جنازہ پڑھی تو چار تکبیرات کہیں اور یہ آپ کی آخری نماز جنازہ تھی جس پر چار تکبیرات تھیں۔

(کتاب الآثار باب الصلاۃ الجنازہ)

چودویں حدیث:

حضرت سعید بن المرزبان حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیٹی کے جنازہ پر چار تکبیرات کہیں۔ کتاب الاثار الصلات علی الجنازہ۔

پندرویں حدیث:

سلیمان بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جنازہ پر کبھی چار تکبیریں کہتے اور کبھی پانچ، کبھی چھ کبھی سات کبھی آٹھ، یہاں تک کہ ان کو نجاشی کے انتقال کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ عیدگاہ تشرف لے گئے اور لوگ ان کے پیچھے صف بستہ ہوئے۔ اور اس پر چار تکبیریں کہیں اس کے بعد آپ ﷺ آخر وقت تک چار تکبیروں پر قائم رہے۔

(الاستذکار حافظ ابن عبدالبر بحوالہ تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۱۲۱، ۱۲۲ کتاب الجنائز)

(نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۴۸۔ ابوداود کتاب الجنائز باب الصلوۃ علی المسلم)

سولویں حدیث:

سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ پہلے تکبیریں چار بھی تھیں اور پانچ بھی اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو چار تکبیروں پر متفق کر دیا۔ (ابن المنذر بحوالہ فتح الباری ج ۳ ص ۱۶۲)

سترویں حدیث:

اس حدیث کا خلاصہ اور مفہوم اس طرح ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ (یعنی اپنی چچی) فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ میں چار تکبیرات کہیں اس اجتماع میں حضرات شیخین اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔

(دیکھئے: مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۵۶ و ص ۲۵۷ باب مناقب فاطمہ بنت اسد)

اٹھارویں حدیث:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس دن نجاشی فوت ہوئے اس دن رسول اللہ ﷺ

نے ان کی موت کی خبر دی آپ عیدگاہ کی طرف نکلے آپ نے مسلمانوں کی صفیں بنائیں اور چار تکبیریں پڑھیں۔

(بخاری کتاب الجنائز باب التکبیر علی الجنازۃ اربعا)

انسویں حدیث:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اصحمہ النجاشی کی نماز جنازہ پڑھائی پس چار تکبیرات پڑھیں۔ (بخاری کتاب الجنائز باب التکبیر علی الجنازہ اربعا)

بیسویں حدیث:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ صحابہ کرام کی اکثریت کا چار تکبیرات جنازہ پر اتفاق ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص ۳۰۱، ج ۳ ص ۳۰۲، ج ۳ ص ۳۰۰ تا ۳۰۲)

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں

صدر اول میں تکبیر کی تعداد میں بڑا اختلاف تھا صحابہ کرام کے درمیان تین سے سات تکبیروں کی روایت موجود ہے مگر فقہا کہتے ہیں کہ جنازہ کی تکبیریں چار ہیں ابن ابی لیلیٰ اور جابر بن زید پانچ تکبیروں کے قائل ہیں۔ اختلاف کا سبب احادیث کا اختلاف ہے۔ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کو نجاسی کی وفات کی اطلاع اسی دن مل گئی تھی جس دن اس کا انتقال ہوا چنانچہ آپ لوگوں کے ساتھ عیدگاہ نکل گئے۔ ان کی صف بندی کی اور چار تکبیریں کہیں"

یہ حدیث متفق علیہ ہے اس لیے جمہو فقہا نے اس پر عمل کیا ہے۔

(بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد اردو باب نمبر ۵ نماز جنازہ کا بیان ص ۳۲۶)

امام ترمذی لکھتے ہیں:

اور عمل اسی پر ہے اکثر اہل علم کا آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات (تابعین وغیرہ) کا جنازہ پر چار ہی تکبیرات ہیں اور یہی قول ہے حضرت امام سفیان ثوری اور امام مالک اور حضرت عبداللہ بن مبارک امام شافعی امام احمد اور اسحق کا۔ (ترمذی ص ۱۶۶)

امام شافعی فرماتے ہیں:

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز جنازہ چار تکبیرات پر مشتمل ہے۔

(نیل الاوطار اردو باب غائبانہ نماز جنازہ)

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے۔ اس کے متعلق امام نووی شافعی فرماتے ہیں۔

یہ حدیث علماء کے نزدیک منسوخ ہے اور ابن عبدالبر وغیرہ نے اس کے منسوخ ہونے پر اجماع نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اب کوئی شخص چار تکبیروں سے زیادہ نہ کہے اور یہ دلیل ہے اس پر کہ ان لوگوں نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے بعد چار پر اجماع کر لیا ہے اور فقہاء کا صحیح قول یہ ہے کہ اجماع بعد اختلاف کے صحیح ہے۔ (شرح مسلم نووی کتاب الجنائز تحت حدیث حضرت زید بن ارقم)

اعتراض نمبر (٦٥)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عن طلحة ابن عبد الله بن عوف قال صليت خلف ابن عباس على جنازة فقرا بفاتحة الكتاب وقال لتعلموا انها سنة۔

(ترجمہ) سیدنا طلحہ بن عبداللہ بن عوف کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پیچھے جنازہ نماز پڑھی انہوں نے سورہ فاتحہ پڑھی اور کہا (یہ میں نے اس لیے پڑھی ہے) تاکہ تم جان لو یہ سنت ہے۔

(بخاري ج۱ كتاب الجنائز باب قراة فاتحة الكتاب علي الجنازة ص۱۷۸. رقم الحديث۱۳۳۵)

فقہ حنفی

والبداية بالثناء ثم بالصلوة۔

(هدايه اولين ج۱ كتاب الصلوة باب الجنائز في الصلوة علي الميت ص۱۸۰)

جنازہ نماز کی ابتداء ثناء سے کرنی ہوگی اور اس کے بعد درود پڑھنا ہوگا۔

(فقہ وحدیث ص ۱۰۴)

جواب:

یہاں پر اصل مسئلہ یہ ہے کہ جنازہ کی نماز میں قرأۃ ہے یا نہیں۔ ہم حنفی یہ کہتے ہیں کہ جنازہ کی نماز میں کسی قسم کی قرأۃ نہیں ہے۔ جبکہ غیر مقلدین کا یہ دعویٰ ہے کہ جنازہ میں قرأۃ ہے اور خاص کر جنازہ

کی نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا تو فرض ہے اگر سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی گئی تو نماز جنازہ نہیں ہوتی کیونکہ حدیث لاصلوۃ میں جنازہ کی نماز بھی شامل ہے۔

دلائل احناف

حدیث:

(۱) عن ابی هريرة قال سمعت رسول الله ﷺ يقول اذا صليتم على الميت فاخلصوا له الدعاء

(ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۰، ابن ماجہ ص ۱۰۹)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم کسی میت کی نماز جنازہ پڑھو تو اس کے لیے اخلاص کے ساتھ دعا کرو۔

(۲) مالك عن سعيد بن ابی سعيد المقبری عن ابيه انه سال اباهريرة كيف تصلی على الجنازة فقال ابوهريرة انا لعمر الله اخبرك اتبعها من اهلها فاذاوضعت كبرت وحمدت الله وصليت على نبيه ثم اقول اللهم انه عبدك وابن عبدك وابن امتك كان يشهدان لااله الا انت وان محمدا عبدك ورسولك وانت اعلم به اللهم ان كا محسنا فزد فی احسانه وان كامسيئا فتجاوز عنه سياته اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده

(موطا امام مالک ج ۱ ص ۲۰۹)

(ترجمہ) حضرت امام مالک رحمۃ اللہ حضرت سعید مقبری ؒ سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوہریرۃ ؓ سے پوچھا کہ آپ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا بخدا میں تمہیں ضرور بتلاؤں گا ، میں جنازہ والے گھر سے ہی جنازہ کے ساتھ ہولیتا ہوں جب جنازہ (نماز کے لیے) رکھا جاتا ہے تو میں تکبیر کہہ کر اللہ کی حمد وثناء کرتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ پر درود شریف پڑھتا ہوں پھر یہ دعا پڑھتا ہوں۔ اللهم عبدك وابن عبدك

وابن امتك كان يشهد ان لا اله الا انت وان محمدا عبدك ورسولك وانت اعلم به اللهم ان كان محسنا فزد في احسانه وان كان مسيئا فتجاوز عنه سياته اللهم لاتحرمنا اجره ولا تفتنا بعده

(۳) مالك عن نافع ان عبدالله بن عمر كان لايقرا في الصلوة على الجناذة، (مؤطاامام مالک ج۱ص ۲۱۰)

(ترجمہ) حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔

(۴)روی عن ابن مسعود انه سئل عن صلوة الجنازة هل يقرافيها فقال لم يوقت لنارسول الله ﷺ قولا ولاقراءة وفي رواية دعاء ولاقراءة كبرما كبرالامام واخترمن اطيب الكلام ماشئت. وفي روايةٍ واخترمن الدعاء اطيبه۔

(بدائع الصنائع ج۱ص ۳۱۳، مغنی ابن قدامۃ ج ۲ص ۴۸۵)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے نماز جنازہ میں قرأت کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے کوئی خاص کلام اور قرأت مقرر نہیں فرمائی، ایک روایت میں ہے کہ کوئی خاص دعا اور قرأت مقرر نہیں فرمائی، جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، اور جو اچھے سے اچھا کلام (ثناء ودعاء وغیرہ) چاہو اختیار کرو اور ایک روایت میں ہے کہ جو بہتر سے بہتر دعا ہو وہ اختیار کرو۔

(۵)روی عن عبدالرحمن بن عوف وابن عمر انهما قالا ليس فيها قراءة شيء من القران۔ (بدائع الصنائع ج۱ص ۳۱۳)

(ترجمہ) حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے فرمایا نماز جنازہ میں قران کے کسی حصہ کی بھی قرأت نہیں ہے۔

(۶)عن علی انه كان اذا صلى على ميت يبدابحمد الله ويصلي على

النبی ﷺ ثم یقول اللھم اغفر لاحیائنا واموا تنا فالف بین قلوبنا واصلح ذات بیننا واجعل قلوبنا علی قلوب خیارنا۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص ۲۹۵)

(ترجمہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ جب کسی میت کی نماز جنازہ پڑھاتے تو اللہ کی حمد وثنا سے ابتداء کرتے پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھتے پھر یہ دعا مانگتے: اللھم اغفر لاحیائنا واموا تنا والف بین قلوبنا واصلح ذات بیننا واجعل قلوبنا علی قلوب خیارنا

(۷) عن الشعبی قال فی التکبیرۃ الاولی یبدا بحمداللہ والثناء علیہ والثانیۃ صلوۃ علی النبی ﷺ والثالثۃ دعاء للمیت والرابعۃ للتسلیم

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص ۲۹۵ مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۴۹۱)

(ترجمہ) حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نماز جنازہ میں پہلی تکبیر میں اللہ کی حمد وثناء سے [illegible]ے دوسری تکبیر کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھے، تیسری تکبیر [illegible]عد میت کے لیے دُعا کرے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرے۔

(۸) عن عبداللہ بن ایاس عن ابراھیم وعن ابی الحصین عن الشعبی قالا لیس فی الجنازۃ قراءۃ

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص ۲۹۹)

(ترجمہ) حضرت ابراہیم نخعی اور امام شعبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں نماز جنازہ میں قرأت نہیں ہے۔

(۹) عن ایوب عن محمد انہ کان لایقرا علی المیت،

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص ۲۹۸ مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۴۹۱)

(ترجمہ) حضرت ایوب رحمۃ اللہ علیہ حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔

(۱۰) عن حجاج قال سالت عطاء عن القراءۃ علی الجنازۃ فقال ما سمعنا بھذا

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص ۲۹۹)

(ترجمہ) حضرت حجاج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ سے نماز جنازہ میں قرأت کرنے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا ہم نے یہ نہیں سنا۔

(۱۱) عن ابی طاؤس عن ابیہ وعطاءٍ انھما کان ینکران القراءۃ علی الجنازۃ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص ۲۹۹)

(ترجمہ) ترجمہ حضرت ابوطاؤس اپنے والد طاؤس اور حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں بزرگ نماز جنازہ میں قرأت کا انکار کرتے تھے۔

(۱۲) عن بکر بن عبداللہ قال لا اعلم فیھا قراءۃ

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص ۲۹۹)

(ترجمہ) حضرت بکر بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نماز جنازہ میں قرأت کو نہیں جانتا۔

(۱۳) عن مفضل قال سالت میمونا علی الجنازۃ قراءۃ اوصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما علمت

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص ۲۹۹)

(ترجمہ) حضرت مفضل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضرت میمون رحمۃ اللہ علیہ سے نماز جنازہ میں قرأت یا درود سے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔

(۱۴) عن محمد بن عبداللہ بن ابی سارۃ قال سالت سالما فقلت القرائۃ علی الجنازۃ فقال لا قراءۃ علی الجنازۃ

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص ۲۹۹)

(ترجمہ) حضرت محمد بن عبداللہ بن ابی سارۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سالم رحمۃ اللہ سے دریافت کیا کہ میں نماز جنازہ میں قرأت کروں تو آپ نے فرمایا نماز جنازہ میں قرأت نہیں ہے۔

(۱۵) عن ابی المنھال قال سالت ابا العالیۃ عن القراءۃ فی الصلوۃ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب فقال ما کنت احسب ان فاتحۃ الکتاب تقرؤ

الافی صلوۃ فیہا رکوع وسجود (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص ۲۹۹)

(ترجمہ) حضرت ابوالمنہال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوالعالیۃ الریاحی رحمۃ اللہ سے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا میرا تو یہی خیال ہے کہ سورۂ فاتحہ صرف رکوع وسجود والی نماز ہی میں پڑھی جاتی ہے۔

(۱۶) عن موسی بن علی عن ابیہ قال قلت لفضالۃ بن عبیدۃ ھل یقرؤ علی المیت شیئ قال لا۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص ۲۹۹)

(ترجمہ) حضرت موسیٰ بن علی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت فضالۃ بن عبیدۃ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا میت پر (نماز جنازہ میں) قرأت کی جاتی ہے آپ نے فرمایا نہیں۔

(۱۷) عن سعید بن ابی بردۃ عن ابیہ قال قال لہ رجل اقرؤ علی الجناذۃ بفاتحۃ الکتاب قال لا تقرا۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص ۲۹۹)

(ترجمہ) حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد ابو بردۃ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ اُن سے کسی نے پوچھا کہ کیا میں نماز جنازہ میں قرأت کرلیا کروں تو آپ نے فرمایا نہیں۔

(۱۸) عن حماد عن ابراھیم قال سالتہ ایقرا علی المیت اذا صلی علیہ؟ قال لا۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص ۲۹۱)

(ترجمہ) حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ انہوں ے حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ کیا نماز جنازہ میں قرأت کی جاسکتی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔

قال سحنون قلت لعبدالرحمن بن القاسم ای شیئ یقال علی المیت فی قول مالك قال الدعاء للمیت قلت فھل یقراء علی الجنازۃ فی قول مالك قال لا...... ابن وھب عن رجال من اھل العلم عن عمر بن الخطاب وعلی ابن ابی طالب وعبداللہ بن عمر وعبید بن فضالۃ وابی ھریرۃ وجابر ابن عبداللہ وواثلۃ بن

الاسقع والقاسم وسالم بن عبدالله وابن المسیب وربیعة وعطاء ویحیی بن سعید انهم لم یکونوا یقرؤن فی الصلوة علی المیت وقال مالك لیس ذالك بمعمول به انما هوالدعاء ادرکت اهل بلادنا علی ذالك۔ (المدونۃ الکبری ج ا ص ۱۷۴)

(ترجمہ) حضرت سحنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمن بن قاسم رحمۃ اللہ سے دریافت کیا کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ کے قول میں میت پر کیا پڑھنا چاہئے؟ فرمایا میت کے لیے دعاء میں نے کہا، کیا امام مالک رحمۃ اللہ کے قول کے مطابق نماز جنازہ میں قراءت ہوتی ہے؟ فرمایا نہیں۔ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بہت سے اہل علم مثلاً حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبیدہ بن فضالۃ، حضرت ابوہریرہ، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت واثلۃ بن اسقع رضی اللہ عنہم اور حضرت قاسم بن محمد، حضرت سالم بن عبداللہ، حضرت سعید بن مسیب، حضرت عطاء بن ابی رباح، حضرت یحییٰ بن سعید رحمہم اللہ نماز جنازہ میں قراءت نہیں کیا کرتے تھے، ابن وہب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ نے فرمایا ہمارے شہر (مدینہ طیبہ) میں اس پر عمل نہیں، نماز جنازہ صرف دعاء ہے، میں نے اپنے شہر کے اہل علم کو اسی پر پایا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"ومقصود الصلوة علی الجنازة هوالدعاء اللمیت و کذالك حفظ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونقل عنه مالم ینقل من قراءة الفاتحة والصلوة علیه صلی اللہ علیہ وسلم۔ (زادالمعاد ج ا ص ۱۴۱)

(ترجمہ) نماز جنازہ سے مقصود میت کے لیے دعا کرنا ہے اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازہ کی دعائیں اس کثرت کے ساتھ نقل کی گئی ہیں کہ فاتحہ یا درود شریف کا پڑھنا اس طرح نقل نہیں کیا گیا۔

موصوف مزید لکھتے ہیں:

"ویذکر عن النبی ﷺ انه امر ان یقرا علی الجنازة بفاتحة الکتاب ولا یصح اسناده۔" (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۱)

(ترجمہ) اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم فرمایا ہے، لیکن اس کی سند صحیح نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خلفاء راشدین جو آنحضرت ﷺ کی سنتوں کے امین ہیں ان میں سے کسی بھی خلیفہ راشد سے نماز جنازہ میں قراءت فاتحہ منقول نہیں جب کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا قراءت نہ کرنا صراحتاً منقول ہے جیسا کہ مدونۂ کبریٰ کی عبارت سے واضح ہے۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے پیش کی ہے۔ اس کے کئی جواب ہیں۔

جواب نمبر ۱:

اصول یہ ہے کہ جس خبر واحد میں کسی مسئلہ کے مسنون ہونے کی تصریح ہو اس خبر واحد سے اس مسئلہ کی فرضیت پر ستدلال کس طرح درست ہوسکتا ہے، جبکہ یہ امر بھی قطعی نہیں ہے کہ اس سے مراد سنت رسول اللہ ﷺ ہے یا سنت صحابہ رضی اللہ عنہ، اور چونکہ دیگر دلائل سے نماز جنازہ میں بطور قراۃ قرآن پڑھنے کی ممانعت ثابت ہے اس لیے یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کو بطور ثنا اور دعا کے پڑھا ہوگا۔

جواب نمبر ۲:

حضرت عبداللہ بن عباس سے اس کے خلاف بھی روایت مروی ہے علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں ایک حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں جس سے واضح طور پر ثبوت ملتا ہے کہ حضرت ابن عباس کے نزدیک نماز جنازہ صرف تکبیر اور تسبیح ہے۔

اخرجه عمر بن شبه فی کتاب مکة من طریق حماد عن ابی حمزة عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قلت له کیف اصلی فی الکعبة قال کما تصلی فی الجنازة تسبح وتکبر ولا ترکع ولا تسجد ثم عند ارکان البیت تسبح و کبر و تصرع واستغفر ولا ترکع وتسجد وسنده صحیح
(فتح الباری ج ۳ ص ۳۷۶)

اس حدیث کو عمر بن شبہ کتاب مکہ میں طریق حماد نقل کرتے ہیں کہ ابوحمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ بیت اللہ میں کیسے نماز پڑھوں، تو انہوں نے فرمایا کہ اس طرح پڑھ جس طرح نماز جنازہ کی پڑھتا ہے کہ تسبیح اور تکبیر کہہ اور رکوع وسجود نہ کر پھر بیت اللہ کے ارکان کے پاس تسبیح تکبیر کہہ اور عاجزی اور استغفار کر رکوع سجدہ نہ کر اور سند اس کی صحیح ہے۔

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جب ابوحمزہ کو نماز جنازہ کا طریقہ بتاتے ہیں تو اس میں سورۃ فاتحہ کا ذکر نہیں کرتے تو معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک سورۃ فاتحہ پڑھنا نماز جنازہ میں نہ فرض ہے اور نہ سنت ورنہ اس موقعہ پر آپ ضرور ان کو بتا دیتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت:

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا صلی علی المیت قال اللھم اغفر لحینا و میتنا الحدیث۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز جنازہ پڑھاتے تو فرماتے اے اللہ بخش دے ہمارے زندوں کو اور مردوں کو الخ

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں اسناد حسن کہ اسناد اس کی حسن ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی نماز جنازہ پڑھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں دعائے مغفرت کی، اگر آپ سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے تو حضرت ابن عباس یہ فرماتے کہ جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی تو اس میں سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے لیکن ایسا نہیں کہا۔

لہٰذا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دونوں قسم کی روایات منقول ہیں اس لیے دونوں قسم کی روایات میں تطبیق ممکن ہے وہ اس طرح کہ آپ کبھی کبھار بطور حمد وثنا، کے پڑھ لیتے ہوں گے، اور کبھی نہیں پڑھتے ہوں گے اس طریقہ کو اگر اختیار کیا جائے تو دونوں قسم کی روایتوں پر عمل ہو گا ورنہ ایک پر عمل ہو گا اور دوسری کو چھوڑنا پڑے گا۔

جواب نمبر ۳:

اس حدیث سے یہ بھی پتہ نہیں لگتا کہ کس تکبیر کے بعد پڑھی اگر تکبیر بھی مقرر کر لو تو یہ پتہ نہیں لگتا کہ بنیت حمد وثناء پڑھی بنیت قراءۃ بنیت حمد وثنا کہ پڑھنے کہ تم ہم احناف بھی قائل ہیں۔

جواب نمبر ۴:

آپ کے سورۃ فاتحہ پڑھنے پر سارے حاضرین صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ علیہم کو سخت تعجب ہوا تب ہی تو آپ نے کہا کہ میں نے یہ عمل اس لیے کیا تا کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔ پتہ چلا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ تو خود پڑھتے تھے اور نہ ہی اسے سنت جانتے تھے اسی لیے آپ کو یہ معذرت کرنا پڑی۔

جواب نمبر ۵:

آپ نے جو یہ فرمایا کہ یہ سنت ہے اس جملہ سے سنت رسول ﷺ مراد نہیں ہے بلکہ یہاں پر لغوی معنی مراد ہیں۔ یعنی یہ بھی ایک طریقہ ہے بجائے دوسری ثناء اور دعا کے سورۃ فاتحہ پڑھ لی جائے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا کوئی فرمان کسی صحیح حدیث میں نہیں آیا کہ آپ نے فرمایا ہو کہ جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھو۔ اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں آپ ﷺ کا خود سورۃ فاتحہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ جب یہ دونوں چیزیں دلائل سے ثابت نہیں ہو سکتی تو سنت رسول ﷺ کیسے ثابت ہوگی۔

اعتراض نمبر ㊅㊅

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: عورت کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے امام اس کے (جنازہ) کے درمیان میں کھڑا ہوگا۔

حدیث نبوی ﷺ

عن سمرۃ بن جندب قال صلیت وراء رسول اللہ ﷺ علی امراۃ ماتت فی نفاسھا فقام علیھا وسطھا۔

(ترجمہ) سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہ ایک عورت اپنے نفاس (کے ایام) میں فوت ہوگئی میں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں اس کی نماز جنازہ پڑھی آپ ﷺ اس کے (جنازہ) کے درمیان میں کھڑے ہوئے۔

(بخاري ج۱ كتاب الجنائز باب الصلوة علي النفساء اذا ماتت في نفاسها ص۱۷۷ رقم الحديث ۱۳۳۱ واللفظ له)

(مسلم ج۱ كتاب الجنائز باب ابن يكون الامام من الميت للصلاة عليها ص۳۱۱، رقم الحديث ۲۲۳۵)

فقہ حنفی

ویقوم الذی یصلی علی الرجل والمراۃ بحذاء الصدر۔

(ھدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلوۃ باب الجنائز فصل في الصلوۃ علي الميت ص ۱۸۱)

جو آدمی کسی مرد یا عورت کا جنازہ پڑھا رہا ہے اس کو چاہیے کہ وہ (میت) کے سینے کے برابر کھڑا ہو۔ (فقہ و حدیث ص ۱۰۵)

جواب:

راشدی صاحب نے ہدایہ کی عبارت مکمل نقل نہیں کی۔ اگر وہ پوری عبارت نقل کر دیتے ت
وہاں پر سینہ کے سامنے کھڑے ہونے کی وجہ بھی لکھی تھی۔ جس کی وجہ سے یہ اعتراض بھی ختم ہو جاتا۔

ہدایہ کی مکمل عبارت اس طرح ہے:

> ویقوم الذی یصلی علی الرجل والمرأۃ بحذاء الصدر لانہ موضع القلب وفیہ نور الایمان فیکون القیام عندہ اشارۃ الی الشفاعۃ لایمانہ وعن ابی حنیفۃ انہ یقوم من الرجل بحذاء راسہ ومن المرأۃ بحذاء وسطھا لان انسا فعل کذالک وقال ھو السنۃ
>
> (ترجمہ) جو شخص مرد و عورت کی نماز جنازہ پڑھاتا ہے وہ سینہ کے مقابل کھڑا ہو کیونکہ سینہ دل کی جگہ ہے اور دل میں نور ایمان ہے پس اس کے پاس کھڑا ہونا اشارہ ہوگا کہ شفاعت اس کے ایمان کی وجہ سے ہے۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مرد کے جنازہ کے سر کے مقابل کھڑا ہو اور عورت کے وسط میں کھڑا ہو کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا ہے اور کہا کہ یہی سنت ہے۔
>
> (ہدایہ فصل فی الصلوۃ علی المیت)

ناظرین آپ نے دیکھ لیا کہ راشدی صاحب نے کس طرح قطع و برید کی ہے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ حنفی مسلک میں دو قول ہیں۔ اور دونوں دلائل سے ثابت ہیں فرق یہ ہے کہ بہتر کون س ہے۔ امام طحاوی نے طحاوی ج ۱ ص ۳۲۷ میں اور علامہ انور شاہ کشمیری نے العرف الشذی ج ۱ ص ۱۹۹ میں اس قول کو اختیار کیا ہے۔ اس قول کو اختیار کیا ہے جس میں مرد کے سر کے سامنے اور عورت کے درمیان میں کھڑے ہونے کا ذکر ہے احناف کا یہ مسئلہ پھر احناف کا یہ مسئلہ حدیث کے خلاف حدیث کے خلاف کیسے ہوا۔ اور اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں احادیث مختلف ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث مولانا راشدی صاحب نے بھی نقل کی ہے اس

صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ امام عورت کے جنازہ پر درمیان میں کھڑا ہو۔ اس میں مرد کا سر سے ذکر ہی نہیں۔ بعض روایت میں مرد کا سر کے سامنے اور عورت کے درمیان کی روایت میں عورت کے کولہے کے سامنے کا ذکر ہے۔

(۲) عن ابی غالب قال صلیت خلف انس ؓ علی جنازة فقال حیال صدره (فتح القدیر ج ۲، ص ۸۹، شرح نقایہ ج ۱ ص ۱۳۵) ابو غالب ؒ سے روایت ہے کہ میں نے انس ؓ کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی تو آپ میت کے سینہ کے برابر کھڑے ہوئے۔

(۳) عن ابراھیم قال یقوم الرجل الذی یصلی علی الجنازة عند صدرھا ابراھیم نخعی نے فرمایا مرد کے جنازہ میں نماز کے لیے سینہ کے برابر کھڑا ہونا چاہیے۔

(طحاوی باب الرجل یصلی علی المیت این ینبغی ان یقوم منہ)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ روایات میں اختلاف ہے اس واسطے بعض احناف نے سینے کے برابر کھڑا ہونے کو ترجیح دی اور ساتھ ترجیح کی وجہ بھی بیان کر دی کہ اس میں ایمان ہوتا ہے۔

اعتراض نمبر (۶۷)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: دوران مدت حمل گر جانے والے بچہ کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

حدیث نبوی ﷺ

عن المغیرہ بن شعبة ان النبی ﷺ قال والسقط یصلی علیه ویدعی لوالدیه بالمغفرة والرحمة۔

(ترجمہ) سیدنا مغیرہ بن شعبہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو بچہ دوران مدت حمل گر جائے (حمل ضائع ہو جائے تو) اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کے والدین کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کی جائے گی۔

(ابوداؤد ج۲ کتاب الجنائز باب المشي امام الجنازة ص۹۷، رقم الحدیث ۳۱۸۰)

فقہ حنفی

ومن لم یستهل ادرج فی خرقة کرامة لبنی ادم ولم یصلی علیه۔

(ھدایہ اولین ج۱ کتاب الصلوۃ باب الجنائز فصل في الصلوۃ علي الميت ص۱۸۱)

اور جو بچہ مردہ پیدا ہوا اس کی آواز نہ آئی اس کو بنی آدم کے احترام کی وجہ سے صاف ستھرے کپڑے میں لپیٹا جائے گا اور اس کی جنازہ نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

(فقہ وحدیث ص ۱۰۶)

جواب:

اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں راشدی صاحب نے اپنے مطلب کی حدیث نقل کر دی اور جس حدیث پر احناف کا عمل تھا اس کا ذکر تک نہ کیا۔ ہم یہاں پر وہ احادیث نقل کرتے ہیں جس پر احناف کا عمل ہے۔

پہلی حدیث:

عن جابر ان النبی ﷺ قال الطفال لایصلی علیه ولا یرث ولا یورث حتی یستهل۔

(ترجمہ) روایت ہے حضرت جابر ؓ سے کہ نبی ﷺ نے فرمایا بچے پر نہ نماز پڑھی جائے نہ وہ وارث ہو اور نہ موروث حتیٰ کہ چیخے۔ اس روایت کو ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ مگر ابن ماجہ نے اپنی روایت میں لا یواث نقل نہیں کیا ہے۔

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ الا انہ لم یزکم ولا یورث) (مشکوۃ باب المشی کتاب الجنائز)

حضرت جابر ؓ کی یہ حدیث ترمذی ابواب الجنائز باب ماجاء فی ترك الصلوۃ علی الطفل حتی یستهل میں موجود ہے۔ (ترمذی مترجم جلد اول ص ۳۸۰)

علامہ بدیع الزمان غیر مقلد نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

روایت ہے جابر سے کہ نبی ﷺ نے فرمایا لڑکے کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ لڑکا کسی کا وارث ہوتا ہے اور نہ اس کا کوئی وارث ہوتا ہے جب تک وہ بعد پیدا ہونے کے رووے چلاوے نہیں۔

ابن ماجہ باب ماجاء فی الصلوۃ علی الطفل میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

طحاوی مترجم جلد اول ص ۷۵۲ باب الطفل یموت ایصلی علیه ام لا میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت سنن دارمی کتاب الفرائض باب میراث الصبی میں اس طرح ہے۔

اخبرنا یزید بن هارون اخبرنا الاشعث عن ابی الزبیر عن جابر بن عبد الله قال اذا استهل الصبی ورث وصلی علیه

(ترجمہ) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب بچہ (پیدائش کے وقت) چلا کر روئے تو اس کی وراثت تقسیم ہوگی اور اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔

دوسری حدیث:

حدثنا ابو نعیم حدثنا شریك عن ابی اسحق عن عطاء عن ابن عباس قال اذا استهل الصبی ورث وورث وصلی علیه

(ترجمہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب بچہ (پیدائش کے وقت) چلا کر روئے تو وہ وارث بنے گا اور اس کی وراثت ہوگی اور اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ (سنن دارمی باب میراث الصبی)

تیسری حدیث:

حدثنا مالك بن اسمعیل حدثنا اسرائیل عن سماك عن عکرمة عن ابن عباس قال لیس من مولود الا استهل واستهلاله بعصر الشیطن بطنه فیصیح الا عیسی ابن مریم

(ترجمہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: بچے کی پیدائش کا حکم، چلا کر رونے سے ثابت ہوتا ہے اور شیطان اس کے پیٹ میں کچھ چبھوتا ہے جس کی وجہ سے وہ روتا ہے البتہ حضرت عیسیٰ بن مریم رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایسا نہیں ہوا تھا۔

(سنن ادارمی باب میراث الصبی)

چوتھی حدیث:

حدثنا یحیی بن حسان حدثنا یحیی هو ابن حمزة عن زید بن واقد عن مکحول قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لا یرث المولود حتی یستهل صارخا وان وقع حیا

(ترجمہ) مکحول بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا ہے: پیدا ہونے والا بچہ اس وقت تک وارث نہیں بن سکتا جب تک وہ چلا کر نہ روئے اگرچہ وہ زندہ ہی باہر آیا ہو۔ (سنن دارمی باب میراث الصبی)

پانچویں حدیث:

حدثنا یعلی حدثنا محمد بن اسحق عن عطاء عن جابر قال اذا استھل المولود صلی علیہ وورث

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب بچہ چلا کر روئے تو اس کی نماز جنازہ بھی ادا کی جائے گی اور اس کی وراثت کا حکم بھی لاگو ہوگا۔

(سنن دارمی باب میراث الصبی)

چھٹی حدیث:

حدثنا عبداللہ بن محمد حدثنا معن عن ابن ابی ذئب عن الزھری قال اری العطاس استھلاۃ

(ترجمہ) زہری بیان کرتے ہیں: میرے خیال میں چھینکنا بھی چلا کر رونے کے مترادف ہے۔ (سنن دارمی باب میراث الصبی)

ساتویں حدیث:

حدثنا ابو النعمان حدثنا ابو عوانۃ عن مغیرۃ عن ابراھیم لا یورث المولود حتی یستھل ولا یصلی علیہ حتی یستھل فاذا استھل صلی علیہ وورث وکملت الدیۃ

(ترجمہ) ابراہیم بیان کرتے ہیں: نومولود شخص کی وراثت کا حکم اس وقت تک جاری نہیں ہوگا جب تک وہ چلا کر نہ روئے اور جب تک وہ چلا کر نہ روئے تو اس کی نماز جنازہ بھی ادا نہیں کی جائے گی۔ اگر وہ روئے تو اس کی نماز جنازہ بھی ادا کی جائے گی اور اس کی وراثت کا بھی حکم جاری ہوگا اور اس کی دیت بھی مکمل ہوگی۔

(سنن دارمی باب میراث الصبی)

آٹھویں حدیث:

حدثنا عبداللہ بن صالح حدثنی اللیث حدثنی یونس عن ابن شھاب وسالناہ عن السقط فقال لایصلی علی مولود حتی یستھل صارخا

(ترجمہ) یونس بیان کرتے ہیں: ہم نے ابن شہاب سے (پیٹ سے) گر جانے والے بچے کے بارے میں دریافت کیا (یعنی مردہ پیدا ہونے والے بچے کے بارے میں دریافت کیا) تو انہوں نے جواب دیا: اس کی نماز جنازہ ادا نہیں کی جائے گی چونکہ جب تک بچہ چلا کر نہ روئے اس کی نماز جنازہ ادا نہیں کی جاتی۔

(سنن دارمی باب میراث الصبی)

امام شوکانی کا حوالہ:

جمہور فقہاء کا اس بارے میں مسلک یہ ہے کہ حمل کے ساقط ہو جانے کے بعد اس میں زندگی کے آثار پائے جانے لازمی ہیں اگر اس میں یہ آثار نہیں ہوں گے تو پھر اس کی نماز جنازہ ادا کرنے کے ضرورت نہیں۔ (نیل الاوطار اردو جلد دوم ص ۲۵۳)

علامہ وحید الزماں غیر مقلد کا حوالہ

ف: کچا بچہ وہ ہے جس کی مدت حمل پوری نہ ہوئی ہو لیکن جان پڑ گئی ہو اور زندہ پیدا ہوا ہو، اس پر نماز پڑھنا چاہیے اور جو جان نہ پڑی ہو یا مردہ پیدا ہو، تو نماز جنازہ پڑھنا ضروری نہیں ہے، بلکہ یوں ہی دفن کر دینا چاہیے۔ (سنن ابوداؤد مترجم جلد نمبر ۲، ص ۵۶۶)

ناظرین ان روایات سے امام ابوحنیفہ کا مسلک ثابت ہوتا ہے جس کو راشدی صاحب نے حدیث کے خلاف کہا ہے باقی رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے وہ ان دلائل کے مقابلہ میں مرجوع کے حکم میں ہے۔ اس سے قابل عمل نہیں اور نہ امت کا اس پر عمل ہے۔

اعتراض نمبر ⑥⑧

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: شاتم رسول ذمی واجب القتل ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

عن علی ان یہودیة کانت تشتم النبی ﷺ وتقع فیه فخنقها رجل حتی ماتت فابطل النبی ﷺ دمها۔

(ترجمہ) ایک یہودی عورت نبی ﷺ کو گالیاں دیتی تھی اور آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتی تھی ایک آدمی نے اس کو گلا گھونٹ کر مار دیا۔ نبی ﷺ نے اس کا خون باطل قرار دے دیا۔

(ابوداؤد ج۲ کتاب الحدود باب الحکم فیمن سب النبی ﷺ صفحہ ۲۵۲. رقم الحدیث ۴۳۶۲)

فقہ حنفی

ومن امتنع من الجزیة اوقتل مسلما اوسب النبی ﷺ اوزنی بمسلمة لم ینتقض عھدہ۔

اور امام مالک کا اور حضرت ابوبکر صدیق سے یہی نقل کیا گیا ہے۔

مولانا ظفر احمد عثمانی حنفی لکھتے ہیں

علمائے اسلام کا اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر ذمی مرد یا عورت نبی علیہ السلام کی شان میں اعلانیہ گستاخی کرے یا اسلام میں عیب نکالے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔

(اعلاء السنن ج ۱۲ ص ۵۳۹)

مولانا عبدالمالک کاندھلوی حنفی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور لکھتے ہیں

امت کے تمام فقہاء اور آئمہ مفسرین اور محدثین کا فیصلہ ہے کہ توہین رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سزا موت ہے۔ (ناموس رسول ص ۲۱۰)

ان حنفی علماء کی عبارات سے معلوم ہوا کہ حنفی مسلک میں گستاخ رسول کی سزا موجود ہے اور وہ قتل ہے اور حدیث میں بھی قتل کا ہی ذکر ہے۔ پھر فقہ حنفی حدیث کے خلاف کیسے ہوئی۔

ہدایہ کی عبارت کی وضاحت

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر حاکم اسلام کسی ملک کفار کو فتح کرے اور پھر ان سے عہد و پیمان لے کر ان کو اپنے ظل حمایت میں جگہ دیوے تو تاوقتیکہ وہ اپنے عہد و پیمان کا خلاف نہ کریں تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کا معاہدہ بدستور قائم رکھیں ہاں اگر منکرات شرعیہ میں سے کسی جرم کا ارتکاب کریں تو حسب قانون شرع اس پر حد جاری کریں سو اگر کسی مسلمان عورت سے کوئی ذمی زنا کرے یا رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرے اور اس کے عہد نامہ میں اس قسم کی شرائط کا کچھ ذکر نہ تھا تو گو اس کا معاملہ معاہدہ جوں کا توں باقی ہے ان دونوں جرموں کی سزا اس کو دی جاے گی۔ یعنی زنا کی صورت میں حد زنا اس پر جاری ہوگی۔ چنانچہ ردمحتار میں ہے: قوله ولا بالزنا بمسلمة بل يقام عليه موجبه وهو الحد یعنی زناء مسلمہ سے عہد تو نہ ٹوٹے گا پر اس پر زنا کی سزا جاری کی جائے گی اور نبی ﷺ کے بُرا کہنے میں اگر خفیہ طور سے ایک دو دفعہ اپنی گمت کے آدمیوں میں بُرا کہا ہے اور عہد نامہ میں اس قسم کی شرائط کا کچھ ذکر نہ ہو تب بھی اگرچہ معاہدہ اس کا بدستور باقی ہے لیکن تعزیراً اور زجراً سزا دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر مصلحت وقت ہو تو اس کو قتل کر دینا تک بھی جائز ہے چنانچہ درمختار میں ہے: ويؤدب الذمي ويعاقب على سبه دين الاسلام والقران

او النبی ﷺ قال العینی واختیاری فی السب ان یقتل وتبعہ ابن الھمام قلت وبہ افتی شیخنا الخیر الرملی وھو قول الشافعی۔ یعنی ذمی دین اسلام یا قرآن یا نبی ﷺ کے برا کہنے میں تادیب وتعزیر دیا جائے۔ علامہ عینی نے فرمایا ہے کہ میرا مذہب یہ ہے کہ وہ قتل کیا جائے۔ اسی مذہب کے ابنِ ہمام تابع ہوئے ہیں اور شیخ رملی نے بھی اسی کا فتویٰ دیا ہے اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔

پھر یہ بھی جب ہے کہ اس قسم کی شرائط وقت عہد اس سے نہ کی گئی ہوں۔ اور اگر اس سے شرط کی گئی ہو کہ مذہب اسلام اور قرآن مجید اور نبی کریم ﷺ کو بُرا نہ کہے یا فلاں فلاں کام نہ کرے اور پھر اس نے اس کا خلاف کیا تو اس کا معاہدہ بھی باقی نہ رہے گا۔ بلکہ مباح الدم ہو جائے گا۔ چنانچہ ردمحتار میں ہے: اقول ھذا ان لم یشرط انتقاضہ بہ اما اذا شرط انتفض بہ کما ھو ظاھر۔ یعنی عہد کا نہ ٹوٹنا جب ہے کہ اس قسم کی شرط نہ کی گئی ہو ورنہ بُرا کہنے سے اس کا عہد ٹوٹ جائے گا۔

علیٰ ہٰذا اگرچہ معاہدہ میں ایسی شرائط نہ کی گئی ہوں پر وہ کھلم کھلا نبی ﷺ کو بُرا کہتا پھرتا ہے تب بھی اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اور اس کے صلہ میں قتل کیا جائے گا۔ چنانچہ ردمحتار میں ہے: قولہ وسب النبی ﷺ۔ ای اذلہ یعلن فلو اعلن بشتمہ او اعتادہ قتل ولو امرأۃ وبہ یفتی الیوم۔ یعنی عہد کا نہ ٹوٹنا اس وقت ہے کہ علی الاعلان برا نہ کہا ہو۔ اور اگر کھلم کھلا بُرا کہا ہے یا اس کی عادت کر لی ہے تو قتل کر دیا جائے اگرچہ عورت ہی کیوں نہ ہو اسی پر اب فتویٰ ہے۔ یہ عبارات تو کتب فقہ کی تھیں اب حدیث کا حال بھی سنیے: سو اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر بار بار نبی ﷺ کے بُرا کہنے کی عادت کر لی تو اس کا خون معاف ہے ابوداؤد میں ہے: ان اعمی کانت لہ ام ولد تشتم النبی ﷺ وتقع فیھا فینھاھا فلا تنتھی ویزجرھا فلا تنزجر قال فلما کانت ذات لیلۃ جعلت تقع فی النبی ﷺ وتستمہ فاخذ المغول فوضعہ فی بطنھا واتکاء علیھا فقتلھا۔ الحدیث۔ یعنی ایک نابینا کی باندی تھی اور نبی علیہ السلام کو بُرا بھلا کہا کرتی تھی وہ نابینا اس کو منع کیا کرتا تھا اور جھڑکا کرتا تھا سو وہ باز نہ آتی تھی۔ اتفاقاً ایک رات کو پھر بُرا کہنے لگی تو نابینا نے ایک چھرا لے کر اس کے پیٹ میں بھونک دیا اور اس کو جان سے مار ڈالا۔ جب شدہ شدہ اس امر کی رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: الا اشھدوا ان دمھا ھدر یعنی گواہ رہو کہ خون اس باندی کا معاف ہے۔ اب صاحب انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ کتب فقہ اور حدیث شریف کس طرز سے موافق ومطابق ہیں۔

اعتراض نمبر ۶۹

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: مسلمان اور کافر کی دیت برابر نہیں

حدیث نبوی ﷺ

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال خطب رسول اللہ ﷺ عام الفتح ثم قال دیۃ الکافر نصف دیۃ المسلم۔

(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے فتح والے سال خطبہ دیا پھر فرمایا کافر کی دیت، مسلمان کی نصف دیت کے برابر ہے۔

(ابوداؤد ج۲ ص۲۸۲ کتاب الدیات باب دیۃ الذمی رقم الحدیث ۴۵۸۳۔ باختلاف الالفاظ)

(مسند احمد جلد ۲ ص۱۸۰ رقم الحدیث ۶۶۹۲)

فقہ حنفی

دیۃ المسلم والذمی سواء۔

(ھدایہ اخیرین ج۴ کتاب الدیات ص۵۸۵)

مسلمان اور کافر کی دیت برابر ہے۔ (فقہ و حدیث ص۱۰۸)

جواب:

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ احادیث سے ثابت ہے وہ حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۱:

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے معاہد کی دیت مسلمان کی دیت جیسی مقرر کی (یعنی مسلمان اور کافر دونوں دیت میں برابر ہیں)

(نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ ج ۴ ص ۳۶۷)

حدیث نمبر ۲:

سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہر ذی عہد (یعنی ذمی) کی دیت آپ ﷺ کے زمانے میں ایک ہزار دینار تھی۔ (نصب الرایہ ج ۴ ص ۳۶۶)

حدیث نمبر ۳:

حضرت ہیثم بن ابی الہیثم سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم نے فرمایا معاہد کی دیت آزاد مسلمان کی دیت ہے۔ (کتاب الاثار باب دیۃ المعاہد)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ حنفی مسلک حدیث کے مطابق ہے حدیث کے خلاف نہیں۔ رہا احادیث کا مختلف ہونا تو ہم ترجیح ان روایات کو دیتے ہیں کیونکہ خلفائے راشدین کا عمل ہماری روایات کے مطابق ہے۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے۔ اس میں عام کافر کا ذکر ہے ذمی کافر کا نہیں اور ہدایہ میں مسئلہ ذمی کافر کا لکھا ہوا ہے عام کافر کا نہیں۔ اس لیے یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں ہے۔

اعتراض نمبر (۷۰)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: سفر میں قصر و اتمام دونوں جائز ہیں۔

حدیث نبوی ﷺ

عن عائشة قالت كل ذالك قد فعل رسول الله ﷺ قصر الصلاة واتم۔

(ترجمہ) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں ہر طرح سے نماز پڑھتے تھے قصر (۲ رکعتیں) بھی کرتے تھے اور اتمام (۴ رکعتیں) بھی کرتے تھے۔

(شرح السنة للبغوي ج ۴ ص ۱۲۶ رقم الحديث ۱۰۲۲، ابواب صلاة السفر باب قصر الصلاة طبع المكتب الاسلامي بيروت) (سنن الدارقطني ج ۲ ص ۴۰۷، رقم الحديث ۲۲۶۵-۲۲۶۶، طبع دار المعرفه بيروت) (سنن الكبري للبيهقي ج۳ ص۱۴۲ طبع نشر السنه ملتان، رقم الحديث ۲۶۹۲)

فقہ حنفی

فرض المسافر فی الرباعية ركعتان لا يزيد عليهما۔

(ہدایہ اولین ج۱ کتاب الصلوۃ باب صلاۃ المسافر صفحہ: ۱۶۵)

مسافر دو رکعت سے زیادہ رکعات نہیں پڑھ سکتا۔

(فقہ و حدیث ص ۱۰۹)

جواب:

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ احادیث کے مطابق ہے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) عن عیسی بن حفص بن عاصم قال حدثنی ابی انه سمع ابن عمر یقول صحبت رسول الله ﷺ فکان لایزید فی السفر علی رکعتین وابابکر و عمر وعثمان کذالك۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۴۹)

(ترجمہ) حضرت عیسی رحمۃ اللہ علیہ بن حفص فرماتے ہیں کہ میرے والد حفص رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا۔ آپ سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اور میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ رہا وہ بھی ایسے ہی کرتے تھے۔

(۲) عن عبداللہ بن عمر (فی حدیث طویل) انی صحبت رسول الله ﷺ فی السفر فلم یزد علی الرکعتین حتی قبضه الله وصحبت ابابکر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضه الله وصحبت عمر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضه الله ثم صحبت عثمان فلم یزد علی رکعتین حتی قبضه الله وقد قال الله تعالی لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة۔ (مسلم ج ص ۲۴۲)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا آپ نے نماز دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلالیا اور میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا انہوں نے بھی دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں حتی کہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے بلالیا۔ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا انہوں نے بھی دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھیں حتیٰ کہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے بلالیا میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا انہوں نے بھی دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں حتیٰ کہ انہیں بھی اللہ نے بلالیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

بے شک تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اچھا نمونہ ہے۔

(۳) عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ صلوۃ السفر رکعتان من ترك السنة فقد كفر (رواہ ابن حزم بسند صحیح (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۱۳۳)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں جس نے سنت (یعنی اس طریقہ) کو چھوڑا تحقیق اس نے کفر کیا۔

(۴) عن مورق قال سالت ابن عمر عن الصلوۃ فی السفر فقال رکعتین رکعتین من خالف السنة كفر۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۵۴)

(ترجمہ) حضرت مورق رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دوران سفر نماز کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا دو۔ دو رکعتیں ہیں جس نے سنت (اس طریقے) کی مخالفت کی اس نے کفر کیا۔

(۵) عن ابی الکنود قال سالت ابن عمر عن صلوۃ السفر فقال رکعتان نزلتا من السماء فان شئتم فردوهما۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۵۴)

(ترجمہ) حضرت ابوالکنود رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سفر کی نماز کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا دو رکعتیں ہیں جو آسمان سے اتری ہیں چاہو تو ان کو رد کر دو۔

(۶) عن السائب بن یزید الکندی ابن اخت النمر قال فرضت الصلوۃ رکعتین رکعتین ثم زید فی صلوۃ الحضر و اقرت صلوۃ السفر۔
(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۵۴)

(ترجمہ) حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نمر کے خواہر زادے فرماتے ہیں کہ نماز دو دو رکعت فرض ہوئی تھی پھر حضر کی نماز میں اضافہ ہو گیا اور سفر کی نماز یونہی برقرار رکھی گئی۔

(۷) عن عائشة زوج النبی ﷺ قالت الصلوۃ اول مافرضت رکعتان فاقرت صلوۃ السفر و اتمت صلوۃ الحضر. الحدیث
(بخاری ج ۱ ص ۱۴۸)

(ترجمہ) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اہلیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نماز ابتداء دو رکعتیں ہی فرض ہوئی تھیں سفر کی نماز برقرار رکھی گئی اور حضرت کی نماز پوری کردی گئی۔

(۸) عن عمر قال صلوۃ السفر رکعتان وصلوۃ الجمعة رکعتان والفطر والاضحی رکعتان تمام غیر قصر علی لسان محمد ﷺ

(ابن ماجۃ ص ۷۶، نسائی ج ۱ ص ۱۶۲)

(ترجمہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سفر کی نماز دو رکعات ہیں جمعۃ کی نماز دو رکعات ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز دو دو رکعات ہیں جو پوری ہیں کم نہیں محمد ﷺ کی زبانی۔

(۹) عن یعلی بن امیة قال قلت لعمر بن الخطاب لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا فقد امن الناس فقال عجبت مما عجبت منه فسالت رسول اللہ ﷺ عن ذالك فقال صدقة تصدق اللہ بها علیکم فاقبلوا صدقته۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۴۱)

(ترجمہ) حضرت یعلیٰ بن امیۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ لیس علیکم جناح الآیۃ کے بارے میں عرض کیا کہ اب تو لوگ امن میں ہو گئے ہیں، آپ نے فرمایا تمہیں عجیب لگی ہے وہ بات جو مجھے عجیب لگی تھی، میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ یہ اللہ نے تم پر صدقہ کیا ہے لہٰذا تم اس کے صدقے کو قبول کرو۔

(۱۰) عن ابن عباس قال فرض اللہ الصلوۃ علی لسان نبیکم ﷺ فی الحضر اربعا وفی السفر رکعتین وفی الخوف رکعة

(مسلم ج ۱ ص ۲۴۱)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبانی حضر میں چار رکعتیں، سفر میں دو رکعتیں، اور خوف کی حالت میں ایک رکعت فرض کی ہے۔

(۱۱) عن ابن عباس قال صلی ﷺ حین سافر رکعتین رکعتین وحین اقام اربعا قال وقال ابن عباس فمن صلی فی السفر اربعا کمن صلی فی الحضر رکعتین الحدیث۔ (مجمع الزوائد ج۲ ص ۱۵۵)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب سفر کیا تو دو دو رکعتیں پڑھیں اور جب آپ مقیم ہوئے تو چار پڑھیں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو شخص دوران سفر چار رکعتیں پڑھتا ہے وہ ایسے ہی ہے جیسے وہ شخص جو حضر میں دو رکعت پڑھے۔

(۱۲) عن موسی بن سلمة الهذلی قال سألت ابن عباس کیف اصلی اذا کنت بمکة اذا لم اصل مع الامام فقال رکعتین سنة ابی القاسم ﷺ۔ (مسلم ج۱ ص ۲۴۱)

(ترجمہ) حضرت موسیٰ بن سلمۃ ھذلی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ جب میں مکہ مکرمۃ میں ہوں اور میں نے امام کے ساتھ نماز نہ پڑھی ہو تو کیسے نماز پڑھوں آپ نے فرمایا دو رکعتیں یہی سنت ہے ابوالقاسم ﷺ کی۔

(۱۳) عن ابن عباس ان النبی ﷺ خرج من المدینة الی مکة لایخاف الا رب العلمین فصلی رکعتین۔ (ترمذی ج۱ ص ۱۲۲)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینۃ طیبۃ سے مکہ مکرمۃ گئے اس حال میں کہ آپ سوائے رب العلمین کے کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور آپ نے دو ہی رکعتیں پڑھیں۔

(۱۴) عن ابی هریرة قال سافرت مع رسول الله ﷺ ومع ابی بکر وعمر کلهم صلی من حین یخرج من المدینة الی ان یرجع الیها رکعتین فی المسیر والمقام بمکة۔ (مجمع الزوائد ج۲ ص ۱۵۶)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ سفر کیا ہے سب نے مدینہ طیبۃ

سے جاتے اور واپس مدینہ طیبہ آنے تک دو رکعتیں ہی پڑھیں سفر کے دوران بھی اور مکہ مکرمۃ اقامت کے دوران بھی۔

(۱۵) عن خلف بن حفص عن انس انطلق بنا الی الشام الی عبد الملک ونحن اربعون رجلا من الانصار لیفرض لنا فلما رجع وکنا بفج الناقه . صلی بنا الظهر رکعتین ثم دخل فسطاطه وقام القوم یضیفون الی رکعتیهم رکعتین اخریین فقال قبح الله الوجوه فوالله ما اصابت السنة ولا قبلت الرخصة فاشهد لسمعت رسول الله ﷺ یقول ان قوما یتعمقون فی الدین یمرقون کما یمرق السهم من الرمیة۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۱۵)

(ترجمہ) حضرت خلف ؒ بن حفص حضرت انس ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ (انہوں نے فرمایا) ہمیں ملک شام عبدالملک بن مروان کے پاس لے جایا گیا ہم چالیس انصاری مرد تھے، مقصد یہ تھا کہ وہ ہمارا وظیفہ مقرر کردے، جب ہم واپس ہوئے اور فج الناقہ پہنچے تو حضرت انس ؓ نے ہمیں ظہر کی دو رکعتیں پڑھائیں اور اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے لوگ اُٹھے اور (پڑھی ہوئی) دو رکعتون کے ساتھ دوسری دو رکعتوں کا اضافہ کرنے لگے، آپ نے فرمایا خدا ان کا بُرا کرے اللہ کی قسم یہ سنت کو نہ پہنچے نہ انہوں نے رخصت کو قبول کیا، گواہ رہو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرما رہے تھے کہ بہت سے لوگ دین میں خوب گہرائی میں جائیں گے لیکن وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیران سے نکلتا ہے۔

(۱۶) عن عطاء بن یسار قال ان ساقالوا یا رسول الله کنا مع فلان فی السفر فابی الا ان یصلی لنا اربعا اربعا فقال رسول الله ﷺ اذا والذی نفسی بیده تضلون۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۱۲۱)

(ترجمہ) حضرت عطاء بن یسار رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ ہم فلاں صاحب کے ساتھ سفر میں تھے انہوں نے

ہمیں نماز پڑھانے سے انکار کیا بجز اس صورت کے کہ وہ چار چار رکعت پڑھائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ایسی صورت میں تم گمراہ ہو جاؤ گے۔

(۱۷) عن ابراھیم ان ابن مسعود قال من صلی فی السفر اربعا اعاد الصلوۃ۔ (معجم طبرانی کبیر ج۹ ص۲۸۹)

(ترجمہ) حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے سفر میں چار رکعتیں پڑھیں وہ اپنی نماز لوٹائے۔

مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ دوران سفر نماز میں قصر کرنا عزیمت ہے نہ کہ رخصت، نیز قصر کرنا واجب اور ضروری ہے نہ کہ افضل۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے۔ اس کے کئی جواب ہیں۔

جواب نمبر ۱:

اس روایت میں قصر سے مراد وہ نمازیں ہیں جن میں قصر ہوتی ہے مثلاً ظہر، عصر، عشاء کہ آپ ﷺ ان میں سفر کے اندر قصر کرتے تھے یعنی دو۔ دو رکعات پڑھتے تھے۔ اور پوری پڑھنے سے مراد وہ نمازیں ہیں جن میں قصر نہیں ہوتی مثلاً مغرب اور صبح کی نماز تو اب مطلب یہ ہوگا کہ جن نمازوں میں قصر ہوتی تھی آپ قصر کرتے تھے اور جن میں قصر نہیں ہوتی تھی اس کو سفر میں پوری پڑھتے تھے۔

جواب نمبر ۲:

یہ روایت بھی ضعیف ہے اس کی سند میں ایک راوی ہیں ابراہیم بن یحییٰ جو ضعیف ہیں۔

جواب نمبر ۳:

صاحب سفر سعادت علامہ مجد الدین فیروز آبادی شافعی اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحت کی حد کو نہیں پہنچی لہٰذا حالت سفر میں پوری چار رکعتیں پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

جواب نمبر ۴:

حضرت عروہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ سب سے پہلے نماز دو رکعت فرض کی گئی۔ پس سفر کی نماز برقرار رہی اور حضر کی نماز پوری پڑھی گئی۔ امام زہری نے کہا: میں نے عر

سے پوچھا حضرت عائشہ جو (منیٰ میں) نماز پوری پڑھتی تھیں اس کا کیا سبب تھا؟ انہوں نے کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہی تاویل کی تھی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تاویل کی تھی۔

(بخاری کتاب تقصیر الصلوۃ باب یقصر اذا خرج من موضعہ)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے اجتہاد سے ایسا کرتی تھیں اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جواز اتمام میں کوئی حدیث مرفوع ہوتی تو حضرت عروہ نہ فرماتے کہ وہ تاویل کرتی تھیں بلکہ اس حدیث کا حوالہ دیتے۔ حضرت عروہ کے قول سے ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس بارے میں کوئی مرفوع حدیث نہ تھی بلکہ ان کا اپنا اجتہاد تھا لہٰذا مذکورہ روایت جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کی گئی ہے یا تو صحیح نہیں ہے یا اس کا مطلب کچھ اور ہے۔

اسی لیے علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔ (دیکھئے معارف السنن ج ۴ ص ۴۵۹)

اعتراض نمبر (۷۱)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: تین میل کا فاصلہ ہو جانے سے قصر کا آغاز ہو جاتا ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عن انس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرج مسیرۃ ثلاثۃ امیال اوفراسخ "شعبۃ الشاك" صلی رکعتین۔

(ترجمہ) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین میلوں یا فرسخوں کے فاصلے پر نکلتے تھے تب قصر کرتے تھے۔

(مسلم ج ۱ کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا باب صلاۃ المسافرین وقصرھا صفحہ: ۲۴۲ رقم الحدیث ۱۵۸۳)

سنن سعید بن منصور میں ثلاثۃ امیال یعنی تین میل کی صراحت موجود ہے۔

(التلخیص الحبیر ج ۲ ص ۴۷، تحت حدیث ۶۱۰)

فقہ حنفی

السفر الذی یتغیر بہ الاحکام ان یقصد مسیرۃ ثلاثۃ ایام ولیالیھا بسیر الابل ومشی الاقدام۔

(ھدایۃ اولین ج ۱ کتاب الصلاۃ باب صلاۃ المسافر صفحہ: ۱۶۵)

وہ سفر جس سے احکام تبدیل ہو جائیں تین دن اور تین راتیں چلنا ہے۔ (فقہ و حدیث ص ۱۱۰)

جواب:

اس مسئلہ میں روایتیں مختلف ہیں پیر بدیع الدین شاہ راشدی نے اپنی دلیل کا ذکر کر دیا اور فقہ حنفی کے دلائل کا ذکر نہیں کیا۔ ہم پہلے احناف کے دلائل ذکر کرتے ہیں بعد میں اس روایت کا جواب بھی عرض کریں گے۔ اس مسئلہ میں اصل دنوں کا اعتبار ہے۔ دنوں کے بارے میں جو زیادہ صحیح اور راجح بات قرآن وسنت سے ثابت ہوتی ہے وہ تین دن اور تین رات والی ہی ہے۔ اسی کو بنیاد بنا کر میلوں کا تعین کر لیا گیا ہے۔

دلائل احناف ملاحظہ فرمائیں

(۱) عن شریح بن ھانیٔ قال اتیت عائشة اسألها عن المسح علی الخفین فقالت علیك بابن ابی طالب فاسئله فانه کان یسافر مع رسول الله ﷺ فسألناه فقال جعل رسول الله ﷺ ثلثة ایام ولیالیهن للمسافر ویوما ولیلة للمقیم۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۳۵)

(ترجمہ) حضرت شریح بن ھانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر موزوں پر مسح کے بارہ میں پوچھا تو آپ نے فرمایا تم ابن ابی طالب (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے پوچھو کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے، چنانچہ ہم نے ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ مسافر کے لیے تین دن اور تین رات اور مقیم کے لیے ایک دن ایک رات مقرر فرماتے تھے۔

(۲) عن عبد الرحمن بن ابی بکرة عن ابیه ان رسول الله ﷺ وقت فی المسح علی الخفین ثلاثة ایام ولیالیهن للهسافر وللمقیم یوما ولیلة۔ (صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۳۱۱)

(ترجمہ) حضرت عبد الرحمن بن ابی بکرة اپنے والد حضرت ابو بکرة رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے موزوں پر مسح کی مدت مسافر کے

لیے تین دن تین رات اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات مقرر فرمائی ہے۔

(۳) عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال لاتسافر المرأة ثلثة ایام الامع ذی محرم (بخاری ج ۱ ص ۱۴۷)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا نہ سفر کرے عورت تین دن کا محرم کے بغیر۔

(۴) عن ابی ھریرۃ قال رسول اللہ ﷺ لایحل لامرأۃ ان تسافر ثلثا الاومعھا ذو محرم منھا۔ (مسلم ج ۱ ص ۴۳۴)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بھی عورت کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ تین دن کا سفر کرے اپنے محرم کے بغیر۔

(۵) عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ﷺ لایحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الاخر ان تسافر سفرا یکون ثلثة ایام فصاعدا الاومعھا ابوھا اوابنھا اوزوجھا اواخوھا اوذو محرم منھا۔ (مسلم ج ۱ ص ۴۳۴)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال نہیں ہے کسی بھی ایسی عورت کے لیے جو اللہ تعالی اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے کہ وہ تین دن یا تین دن سے زیادہ مسافت کا سفر کرے مگر اس حال میں کہ اس کا باپ یا بیٹا، یا شوہر یا بھائی یا کوئی محرم اس کے ساتھ ہو۔

(۶) عن علی بن ربیعة الوالبی ۔ الولبة بطن من بنی اسد بن خزیمة قال سالت عبداللہ بن عمر الی کم تقصر الصلوۃ ؟ فقال اتعرف السویداء قال قلت لا ولکنی قد سمعت بھا قال ھی ثلث لیال قواصد فاذا خرجنا الیھا قصرنا الصلوۃ۔

(کتاب ال آثار للامام ابی حنیفۃ بروایت الامام محمدؒ ص ۳۹)

(ترجمہ) حضرت علی بن ربیعۃ والبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ کتنی مسافت پر نماز قصر کرنی چاہیے۔

آپ نے فرمایا سوایداء کو جانتے ہو میں نے عرض کیا کہ جانتا تو نہیں لیکن اس کے بارے میں سنا ہے فرمایا وہ تین درمیانی راتوں کی مسافت پر ہے۔ جب ہم وہاں جاتے ہیں تو نماز میں قصر کرتے ہیں۔

(۷) حدثنا ابراهيم بن عبدالاعلى قال سمعت سويد بن غفلة الجعفی يقول اذا سافرت ثلاثا فاقصر۔ (کتاب الحجۃ ج ۱ ص ۱۶۸)

(ترجمہ) حضرت ابراہیم بن عبدالاعلی۔ فرماتے ہیں کہ میں نے سوید بن غفلة جعفی رحمۃ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تو تین دن کا سفر کرے تو قصر کر۔

(۸) عن عمر قال تقصر الصلوة فی مسيرة ثلث ليال۔

(کنز العمال ج ۸ ص ۲۳۴)

(ترجمہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین رات کی مسافت (کے سفر) میں نماز قصر کی جائے۔

(۹) عن سالم بن عبد الله عن ابيه انه ركب الى ريم فقصر الصلوة فی مسيره ذالك قال يحيى قال مالك وذالك نحو من اربعة برد۔

(مؤطا امام مالک ج ۱ ص ۱۳۰)

(ترجمہ) حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ریم تک سفر کیا تو اپنے اس سفر کے دوران نماز میں قصر کیا۔ یحیٰ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ریم کا مدینہ طیبہ سے تقریباً ۴ برید کے برابر فاصلہ ہے۔

(۱۰) عن سالم بن عبد الله ان عبدالله بن عمر ركب الى ذات النصب فقصر الصلوة فی میسره ذالك قال يحيى قال مالك وبين ذات النصب والمدينة اربعة برد۔ (مؤطا امام مالک ج ۱ ص ۱۳۰)

(ترجمہ) حضرت سالم بن عبداللہ رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ذات نصب تک سفر کیا تو اپنے اس سفر کے دوران نماز میں قصر کیا، یحیٰ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ

مدینہ طیبہ اور ذات نصب کے درمیان ۴ برید کا فاصلہ ہے۔

(۱۱) عن سالم ان ابن عمر خرج الی ارض له بذات النصب فقصر وھی ستة عشر فرسخا۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص ۴۴۴)

(ترجمہ) حضرت سالم رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی اس زمین کی طرف سفر کے لیے نکلے جو ذت نصب میں تھی تو آپ نے قصر کیا، مدینہ طیبۃ سے اس کا فاصلہ سولہ فرسخ ہے۔

(۱۲) عن عطاء بن ابی رباح ان ابن عمر وابن عباس کانا یصلیان رکعتین ویفطران فی اربعة برد فما فوق ذالك۔ (بیہقی ج ۳ ص ۱۳۷)

(ترجمہ) حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم دو رکعت پڑھتے تھے (قصر کرتے تھے) اور روزہ افطار کرتے تھے چار یا اس سے زیادہ برید پر۔

(۱۳) وکان ابن عمر وابن عباس یقصران ویفطران فی اربعة برد و ھو ستة عشر فرسخا۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۴۷)

(ترجمہ) (حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے تعلیقاً ذکر کیا ہے کہ) حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نماز میں قصر کرتے تھے اور روزہ افطار کرتے تھے ۴ برید پر جو ۱۶ فرسخ کے ہوتے ہیں۔

(۱۴) عن عطاء بن ابی رباح قال قلت لابن عباس اقصر الی عرفة فقال لا قلت اقصر الی مر قال لا قلت اقصر الی الطائف والی عسفان قال نعم وذالك ثمانية واربعون میلا وعقد بیدہ۔
(مصنف ان ابی شیبۃ ج ۲ ص ۴۴۵ ومسند امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ج ۱ ص ۱۸۵)

(ترجمہ) حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ میں عرفۃ کی مسافت میں قصر کر سکتا ہوں فرمایا نہیں، میں نے عرض کیا کہ مر کی مسافت میں قصر کر سکتا ہوں فرمایا نہیں، میں نے عرض کیا طائف اور عسفان کی مسافت میں قصر کر سکتا ہوں فرمایا ہاں، ان کی

مسافت اڑتالیس میل ہے ہاتھ سے گرہ لگا کر شمار کر کے) دکھایا۔

(۱۵)عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ یا اھل مکۃ لا تقصر وا الصلوۃ فی ادنی من اربعۃ برد من مکۃ الی عسفان۔

(معجم طبرانی کبیر بحوالہ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۵۷)(دارقطنی باب قدر المسافۃ التی تقصر)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اہل مکہ تم چار برید سے کم کے سفر میں قصر نہ کیا کرو چار برید مکہ مکرمہ سے عسفان تک ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسافر کے لیے موزوں پر مسح کی مدت تین دن و تین رات مقرر فرمائی ہے جیسا کہ حدیث نمبر ا۔ ۲ سے واضح ہے اور آپ نے عورت کو محرم کے بغیر تین دن کے سفر سے منع فرمایا ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۳۔ ۴ سے ظاہر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں تین دن و رات کو ضرور دخل ہے اور مسافر کہلانے کا مستحق وہی ہے جو تین دن و رات کی مسافت کے سفر کے ارادہ سے گھر سے چلے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور جلیل القدر حضرت سوید بن غفلۃ رحمۃ اللہ کے اقوال سے اس کی صراحت بھی ہو گئی اور معلوم ہوا کہ نماز میں قصر کے لیے مسافت سفر تین دن و رات کا سفر ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۶ ۔ ۷ ۔ ۸ سے ظاہر ہے مگر جس زمانہ میں قافلے پیادہ یا اونٹوں وغیرہ پر چلا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں اس مسافت کا اندازہ لگانا آسان تھا موٹر ریل اور ہوائی جہاز کے اس دور مین تین دن کی پیدل مسافت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے شاید آئندہ اس سے بھی زیادہ تیز رفتاری کا زمانہ آئے، لہٰذا احکام شرح میں سہولت کے پیش نظر اب میلوں کی تعیین ضروری ہے، چنانچہ محققین علماء احناف نے ۴۸ میل کو مسافت قصر قرار دیا ہے جیسا کہ یہ ائمہ ثلثۃ حضرت امام مالک، حضرت امام احمد اور ایک روایت کے مطابق حضرت امام شافعی رحمہم اللہ کا بھی مسلک ہے اور مندرجہ بالا احادیث و آثار بھی اس کے مؤید ہیں۔ آنحضرت ﷺ سے مسافت سفر کی تحدید چار برد=۱۶ فرسخ=۴۸ میل ثابت ہو رہی ہے جیس کہ حدیث نمبر ۱۵ سے ظاہر ہے اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے اقوال و اعمال سے بھی مسافت سفر کی تحدید چار برد=۱۶ فرسخ=۴۸ میل ہی ثابت ہو رہی ہے جیس

کہ حدیث نمبر ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴ سے واضح ہے، حضرت امام مالک حضرت ابوبکر بن ابی شیبہ حضرت امام بخاری حضرت امام بیہقی رحمہم اللہ سب یہی نقل کر رہے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا عمل اور فتویٰ اسی پر تھا کہ مسافت قصر اڑتالیس میل ہے۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔

جواب نمبر ۱:

اس روایت کا مطلب یہ نہیں کہ صرف تین میل کے سفر میں قصر فرما لیتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ سفر تو تین میل سے زیادہ کا ہوتا تھا لیکن تین میل یا تین فرسخ ہی کے فاصلہ پر قصر پڑھنا شروع کر دیتے تھے۔

جواب نمبر ۲:

اس روایت میں تین میل کا ذکر بھی ہے او تین فرسخ کا بھی راوی کو شک ہے پھر علی التعیین تین فرسخ یا تین میل کیسے ثابت ہو سکتے ہیں۔

جو روایت سنن سعید بن منصور کے حوالہ سے ذکر کی ہے۔ اس کا مفہوم بھی یہ ہے جو جواب اول میں ذکر ہوا۔

اعتراض نمبر (۷۴)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: ظہر و عصر کا افضل و اول وقت

حدیث نبوی ﷺ

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ امنی جبریل عند البیت مرتین فصلی بی الظهر حین زالت الشمس و کانت قدر الشراك وصلی بی العصر حین صار ظل کل شیء مثله۔

(ترجمہ) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیلؑ نے دو مرتبہ مجھے امامت کرائی، ظہر سورج ڈھلنے کے وقت اور عصر ہر چیز کا سایہ برابر ہو جانے کے وقت پڑھائی۔

(ابوداؤد ج۱ کتاب الصلوۃ باب المواقیت صفحہ ۶۲ واللفظ بہ۔ رقم الحدیث ۳۹۳)

(ترمذی ج۱ ابواب الصلاۃ باب ماجاء فی مواقیت الصلاۃ عن النبی ﷺ صفحہ: ۳۸۔ رقم الحدیث ۱۴۹)

فقہ حنفی

واخر وقتها (ای الظهر) عند ابی حنیفة اذا صار ظل کل شیء مثلیه ...واول وقت العصر اذا خرج وقت الظهر۔

(هدایة اولین ج۱ کتاب الصلاة باب المواقیت صفحه :۸۱)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک ظہر کا آخری وقت یہ ہے کہ ہر چیز کا سایہ اس کے ڈبل ہو جائے اور عصر کا وقت اسی وقت سے شروع ہوتا ہے۔ (فقہ وحدیث ص ۱۱۱)

جواب:

یہ کوئی نیا اعتراض نہیں اس سے پہلے بھی غیر مقلدین کرتے رہے اور احناف کی طرف سے اس کے مفصل اور مدلل جوابات بھی شائع ہوتے رہے۔ مولانا محمد حسین بٹالوی (وکیل اہلحدیث) نے بھی اپنے اشتہار میں یہ مسئلہ ذکر کیا تھا اور اس کا جواب شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی نے ادلہ کاملہ میں دیا تھا۔ ہم یہاں پر اس مسئلہ کو تو ذرا تفصیل سے لکھتے ہیں تاکہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے۔ کیونکہ اس مسئلہ کے متعلق احادیث بہت مختلف ہیں احادیث نقل کرنے سے پہلے ہم ائمہ اربعہ کا اختلاف نقل کرتے ہیں بعد میں احادیث نقل کریں گے۔

اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اختلاف

ظہر کا اول وقت بالاتفاق زوال سے شروع ہوتا ہے اور استواء شمس کے وقت ہر چیز کا جو سایہ ہوتا ہے وہ فی ءزوال (اصلی سایہ) کہلاتا ہے اس کے پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ ہموار زمین میں کوئی سیدھی لکڑی یا کیل گاڑ دی جائے۔ زوال سے پہلے اس کا جو سایہ ہوگا وہ تدریجاً گھٹتا رہے گا پھر یا تو بالکل ختم ہو جائے گا یا کچھ باقی رہے گا[1] اور گھٹنا بند ہو جائے گا یہی باقی ماندہ سایہ فی ءزوال (اصلی سایہ ہے پھر وہ دوسری جانب بڑھنا شروع ہوگا، جوں ہی بڑھنا شروع ہو سمجھ لینا چاہیے کہ زوال شمس ہو گیا، اور ظہر کا وقت شروع ہو گیا۔ اور ظہر کا وقت کب تک باقی رہتا ہے اور عصر کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین یعنی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہر کا وقت ختم ہوتا ہے، جب ہر چیز کا سایہ فی ءزوال کو منہا کرنے کے بعد اس چیز کے بقدر ہو جائے۔ اصطلاح میں اس کو ایک مثل (مانند)

---

[1] خط استواء سے قرب وبعد کی وجہ سے فی زوال مختلف ہوتا ہے۔

کہتے ہیں اور اسکے بعد فوراً عصر کا وقت شروع ہوتا ہے دونوں وقتوں کے درمیان مشہور قول کے مطابق نہ تو کوئی حد فاصل ہے نہ وقت مشترک۔

اور امام اعظم سے اس سلسلہ میں چار روایتیں منقول ہیں۔

(۱) ظاہر روایت میں ظہر کا وقت دو مثل پر ختم ہوتا ہے، اور اس کے بعد فوراً عصر کا وقت شروع ہوتا ہے یہی مفتی بہ قول ہے علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے بدائع الصنائع (بدائع ج ۱ ص ۱۲۲) میں لکھا ہے کہ یہ قول ظاہر روایت میں صراحۃً مذکور نہیں ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے صرف یہ لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عصر کا وقت دو مثل کے بعد (یعنی تیسرے مثل سے) شروع ہوتا ہے، ظہر کا وقت کب ختم ہوتا ہے اس کی تصریح امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں کی ہے۔

(۲) امام اعظم کا دوسرا قول وہی ہے جو ائمہ ثلثہ اور صاحبین کا ہے، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اختیار کیا ہے اور صاحب درمختار نے لکھا ہے کہ آج کل لوگوں کا عمل اسی پر ہے اور اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے اور سید احمد دحلان شافعیؒ نے خزانۃ المفتین اور فتاویٰ ظہیریہ سے امام صاحب کا اس قول کی طرف رجوع نقل کیا ہے۔ (فیض الباری) مگر ہماری کتابوں میں یہ رجوع ذکر نہیں کیا گیا بلکہ اس قول کو حسن بن زیاد لؤلؤی کی روایت قرار دیا گیا ہے اور سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط میں اس کو بروایت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ذکر کیا ہے، اور صاحب درمختار نے جو اس قول کو مفتی بہ کہا ہے۔ اس کو علامہ شامی نے رد کر دیا ہے۔

(۳) امام اعظم سے تیسری روایت یہ ہے کہ مثل ثانی مہمل وقت ہے یعنی ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے، اور عصر کا وقت دو مثل کے بعد شروع ہوتا ہے اور دوسرا مثل نہ ظہر کا وقت ہے نہ عصر کا، یہ اسد بن عمرو کی روایت ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے۔

(۴) اور چوتھا قول عمدۃ القاری شرح بخاری میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل سے کچھ پہلے ختم ہو جاتا ہے، اور عصر کا وقت دو مثل کے بعد شروع ہو جاتا ہے۔ امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کی تصحیح کی ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۹۵)

راشدی صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے اس میں ذکر ہے کہ ظہر کی نماز زوال ہوتے ہی پڑھائی تھی اور عصر کی نماز ایک مثل پر پڑھائی تھی، اور دوسرے دن ظہر کی نماز ایک مثل پر پڑھائی تھی یعنی ٹھیک اسی وقت جس وقت پہلے دن عصر کی نماز پڑھائی تھی، (لوقت العصر بالامس) اور عصر کی نماز دو مثل پر پڑھائی تھی۔

یہ روایت متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی ہے، ابوداؤد، ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے جو روایت مروی ہے اس میں لوقت العصر بالامس کا لفظ ہے، یہ روایت ترمذی ونسائی میں حضرت جابرؓ سے بھی مروی ہے اور ابن راہویہ نے اپنی مسند میں حضرت ابومسعودؓ سے بھی روایت کی ہے نیز یہ روایت صحیحین میں بھی ہے مگر مجمل ہے یعنی اوقات صلوٰۃ کی اس میں تفصیل نہیں ہے، نیز اس روایت کو بزار رحمہ اللہ نے بھی اپنی مسند میں حضرت ابوہریرہؓ سے اور عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں حضرت عمرو بن حزم سے روایت کیا ہے۔ (کمافی نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۲۱_۲۳)

روایت کا مفاد

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مثل تک ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے، اور دونوں وقتوں کے درمیان نہ تو کوئی مہمل وقت ہے، نہ مشترک، اس روایت کو ائمہ ثلثہ اور صاحبین نے لیا ہے، البتہ امام مالک علیہ الرحمۃ مثل اول کے آخر میں مقیم کے لیے چار رکعت کے بقدر، اور مسافر کے لیے دو رکعت کے بقدر مشترک وقت مانتے ہیں۔ یعنی اس میں ظہر کی نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے، اور عصر کی نماز بھی، کیونکہ حضرت جبرئیلؑ نے پہلے دن جس وقت عصر کی نماز پڑھائی ٹھیک اسی وقت میں دوسرے دن ظہر کی نماز پڑھائی تھی علامہ دردیر کی شرح صغیر میں ہے۔

واشترکت الظهر والعصر فی اخرالقامة بقدر اربع رکعات . فیکون اخروقت الظهر .واول وقت العصر

ظہر اور عصر شریک ہیں مثل اول کے آخر میں چار رکعت کے بقدر (شرح صاوی میں ہے کہ یہ حالت حضر میں ہے اور حالت سفر میں دو رکعت کے بقدر ہے) لہٰذا مثل اول کا آخر ظہر کا آخری وقت اور عصر کا اول (ابتدائی) وقت ہے۔ (بلغۃ السالک ج ۱ ص ۸۳)

مگر ابن حبیبؒ مالکی اشتراک کے قائل نہیں ہیں، اور ابن العربی مالکی تو فرماتے ہیں کہ

تاالله مابینهما اشتراك ولقد ذلت فیه اقدام العلماء

(حوالہ سابق)

(ترجمہ) خدا کی قسم دونوں وقتوں کے درمیان مشترک وقت نہیں ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں علماء (مالکیہ) کے پیر پھسل گئے ہیں۔

اور جمہور لوقت العصر بالامس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ یہ بات راوی نے تقارب زمانین کی وجہ سے کہی ہے ورنہ حقیقت میں پہلے دن جس وقت عصر کی نماز شروع کی تھی، دوسرے دن اس سے ذرا پہلے ظہر کی نماز پوری کر دی تھی، دونوں دن دونوں نمازیں ایک ہی وقت میں نہیں پڑھی تھیں، کیونکہ آیت کریمہ ان الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتبا موقوتا (یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے) سے یہ بات واضح ہے کہ ہر نماز کا وقت الگ الگ ہے اشتراک نہیں ہے۔

دوسری روایت

یہ ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے نماز کے اوقات دریافت کئے، آپ ﷺ نے اس شخص کو ٹھہرایا، اور دو دن نماز پڑھا کر عملی طور پر اوقات نماز کی تعلیم دی، اس روایت میں ہے کہ پہلے دن حضوا اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز زوال ہوتے ہی پڑھائی اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج سفید اور بلند تھا، اور دوسرے دن ظہر کی نماز بہت زیادہ ٹھنڈی کر کے پڑھائی اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج آخر وقت میں پہنچ گیا تھا۔ (مسلم شریف ج ۱ ص ۲۲۳،۱۲)

یہ روایت مسلم شریف میں حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور مسلم شریف ہی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی مروی ہے کہ ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے جب سورج ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کے برابر ہو جائے، پھر ظہر کا وقت باقی رہتا ہے عصر کا وقت آنے تک، اور عصر کا وقت باقی رہتا ہے سورج کے زرد ہونے تک۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۲۳)

روایت کا مفاد

اس روایت سے اوقات صلوٰۃ کی کوئی واضح حد بندی نہیں ہوتی البتہ اس میں یہ جملہ ہے کہ دوسرے دن حضور اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز بہت زیادہ ٹھنڈی کر کے پڑھائی، اس سے کچھ ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ شاید مثل ثانی میں پڑھائی ہو۔ کیونکہ مشاہدہ یہ ہے کہ مثل اول کے ختم تک موسم ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں اس حدیث کے جو الفاظ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں کہ ”ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے جب سورج ڈھل جائے، اور آدمی کا سایہ اس کے برابر ہو جائے“ اس سے تو یہ بات صاف سمجھ میں آئی ہے کہ مثل ثانی بھی ظہر کا وقت ہے۔

تیسری روایت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گشتی فرمان ہے جو آپ نے اپنے گورنروں کے نام جاری کیا تھا اس میں آپ نے لکھا تھا کہ ظہر کی نماز پڑھو جب سایہ ایک ہاتھ ہو جائے یہاں تک کہ وہ سایہ ایک مثل ہو جائے، اور عصر کی نماز پڑھو درآں حالیکہ سورج بلند، چمکدار اور صاف ہو، اور عصر کے بعد غروب آفتاب سے پہلے سوار دو یا تین فرسخ کا سفر کر سکے۔ (موطا مالک ص ۱۳)

روایت کا مفاد

یہ روایت بھی اس بات میں صریح نہیں ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے، بظاہر روایت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ مستحب اوقات کا بیان ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم اس وقت دیا ہے جب کہ سایہ ایک ہاتھ ہو جائے، حالانکہ ظہر کا وقت زوال ہی سے شروع ہو جاتا ہے، نیز عصر جس وقت میں پڑھنے کا حکم دیا ہے وہ اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس فرمان کے ذریعہ لوگوں کو مستحب اوقات کی تعلیم دی ہے، حقیقی اوقات نہیں بتائے۔

چوتھی روایت

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ ایک شخص نے آپ رضی اللہ عنہ سے نماز کے اوقت پوچھے تو حصرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

> انا اخبرك! صل الظهر اذا كان ظلك مثلك، والعصر اذا كان ظلك مثليك الخ

یہ روایت موطا مالک ص ۱۳ اور موطا محمد ص ۴۲ میں ہے، یہ دونوں کتابیں درحقیقت ایک ہی ہیں، یحییٰ بن یحییٰ حمودی کی روایت مؤطا مالک کے نام سے مشہور ہے اور امام محمد بن حسن شیبانی کی روایت موطا محمد کے نام سے مشہور ہے۔

(ترجمہ) سن میں تجھے بتاتا ہوں! ظہر کی نماز پڑھ جب تیرا سایہ تیرے برابر ہو جائے اور عصر کی نماز پڑھ جب تیرا سایہ تیرے دو مثل ہو جائے۔

روایت کا مفاد

یہ روایت صریح ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد بھی باقی رہتا ہے کیونکہ جب ظہر کو ایک

مثل پر پڑھنے کا حکم دیا، اور عصر کو دو مثل پر تو اب مثل ثانی عصر کا وقت تو ہو ہی نہیں سکتا، لامحالہ ظہر ہی کا وقت ہوگا یہ اگرچہ ابوہریرہ ؓ کا ارشاد ہے، مگر چونکہ مقادیر مدرک بالعقل نہیں ہے اس لیے اس کو لامحالہ حکماً مرفوع ماننا ہوگا۔

پانچویں روایت

حضرت ابوذر غفاری ؓ کی ہے جو صحیحین میں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تھے جب ظہر کا وقت ہوا تو مؤذن نے اذان دینے کا ارادہ کیا حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ''ابھی وقت کو ٹھنڈا ہونے دو'' کچھ دیر بعد پھر مؤذن نے اذان دینے کا ارادہ کیا تو حضور ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا کہ ابھی وقت کو ٹھنڈا ہونے دو'' حتی راینا فیء التلول (یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا) پھر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کے پھیلاؤ سے ہے۔ لہٰذا جب گرمی سخت ہو تو ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھا کرو۔

اس حدیث کو امام بخاری ؒ نے کتاب الاذان میں بھی ذکر کیا ہے وہاں یہ الفاظ ہیں کہ حتی ساوی الظل التلول (یہاں تک کہ سایہ طول میں ٹیلوں کے برابر ہو گیا۔)

روایت کا مفاد

اس روایت سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس سفر میں ظہر کی نماز بالیقین مثل ثانی میں بلکہ مثل ثانی کے بھی آخر میں پڑھی ہے، کیونکہ ٹیلوں کے سایہ کا ظاہر ہونا بلکہ ٹیلوں کے سایہ کا طول میں ٹیلوں کے برابر ہونا مثل اول میں ممکن ہی نہیں ہے جس کو تردد ہو وہ مشاہدہ کر کے اپنا شک دور کر سکتا ہے۔

چھٹی روایت

بخاری شریف کی ہے، جو مشکوۃ شریف کے بالکل آخری باب باب ثواب ھذہ الامۃ کے بالکل شروع میں ہے، جس میں حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کی مدت عمر اور یہود و نصاریٰ کی مدت عمر مثال سے سمجھائی ہے کہ

''ایک شخص نے صبح سے دوپہر تک ایک ایک قیراط طے کر کے مزدور رکھے اور دوپہر میں ان

کو ان کی اُجرت دے کر رخصت کر دیا، پھر دوپہر سے عصر تک کے لیے ایک ایک قیراط طے کر کے دوسرے مزدور رکھے۔ عصر کے وقت ان کو بھی ان کی اجرت دے کر رخصت کر دیا۔ پھر عصر سے غروب آفتاب تک کے لیے اور مزدور رکھے اور ان کی اجرت دو دو قیراط طے کی، جب انہوں نے کام پورا کیا تو ان کو ان کی ڈبل اجرت دی گئی.........

یہ مثال بیان کر کے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ وہ مزدور ہو جنہوں نے عصر سے مغرب تک کام کیا ہے لہٰذا تمہیں ڈبل مزدور ملے گی، اس پر یہود و نصاریٰ ناراض ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ کام ہم نے زیادہ کیا اور مزدوری ہمیں کم ملی، اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ کیا میں نے تمہارا کچھ حق مارا ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: تو میں اپنی مہربانی جس پر چاہوں کروں۔''

روایت کا مفاد

اس روایت کے اشارہ سے بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل تک رہتا ہے، کیونکہ اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی مدت عمل کم ہے اور یہود و نصاریٰ کی مدت عمل زیادہ ہے، یہود کی مدت عمل کا زیادہ ہونا تو بدیہی ہی، کیونکہ وہ صبح سے دوپہر تک ہے، اسی طرح نصاریٰ کی مدت عمل امت محمدیہ کی مدت عمل سے بدیہی طور پر زیادہ اسی وقت ہو سکتی ہے جب عصر کا وقت مثل ثالث سے شروع ہو اور مثل ثانی کے ختم تک ظہر کا وقت رہے، اگر ظہر کا وقت مثل اول کے ختم تک مانا جائے تو نصاریٰ اور امت محمویہ دونوں کی مدت عمل میں کوئی واضح تفاوت نہیں رہتا۔

الغرض یہ روایت اگر عقل سلیم ہو تو اس بات کی صاف دلیل ہے کہ ظہر کا وقت مثل ثانی کے ختم تک رہتا ہے۔

امام اعظم کی مختلف روایات کے سلسلہ میں احناف کے مختلف نقطہ ہائے نظر

بحث کے شروع میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی چار روایتیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) ظہر کا وقت مثل ثانی کے ختم تک رہتا ہے، اور عصر کا وقت مثل ثالث کی ابتداء سے شروع ہوتا ہے.........یہ ظاہر روایت ہے۔

(۲) ظہر کا وقت مثل اوّل کے ختم تک رہتا ہے، اور عصر کا وقت مثل ثانی کی ابتداء سے شروع

ہوتا ہے......... یہی جمہور کا بھی مذہب ہے۔

(۳) مثل ثانی پورا مہمل وقت ہے۔

(۴) مثل ثانی کے اخر میں تھوڑا وقت مہمل ہے.........

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ان مختلف روایتوں کے سلسلہ میں احناف کے تین نقطہ نظر ہیں۔

پہلا نقطہ نظر

یہ ہے کہ یہ تمام روایات باہم متعارض ہیں، لہٰذا غور کرکے آخری روایت متعین کی جائے، اور مقدم روایات کو منسوخ قرار دیا جائے، صاحب خزانۃ المفتیین اور صاحب فتاویٰ ظہیریۃ نے یہی صورت اختیار کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے دوسرے قول کی طرف امام صاحب کا رجوع کرنا نقل کیا ہے، اور اس کو آخری قول قرار دیا ہے......... مگر کتب مذہب میں یہ رجوع معروف نہیں ہے، اس لیے عام طور پر یہ نقطہ نظر تسلیم نہیں کیا جاتا۔

دوسرا نقطۂ نظر

یہ ہے کہ موافقت جمہور یا قوت دلیل کی بناء پر کسی ایک قول کو ترجیح دی جائے۔ چنانچہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب درمختار نے موافقت جمہور کے پیش نظر دوسرے قول کو ترجیح دی ہے، اور یہ فرمایا ہے کہ اسی پر لوگوں کا عمل ہے، اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے......... اور شارح منیۃ علامہ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ، اور علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ، اور مفتیان دار العلوم دیوبند نے وقت دلیل کی بناء پر پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔ جو ظاہر روایت ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ صاحب درمختار پر رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

> ”صاحب درمختار نے جو فرمایا ہے کہ ”امام اعظم کی دوسری روایت اظہر ہے۔ حدیث جبرائیل کی وجہ سے اور حدیث جبرائیل اس مسئلہ میں نص ہے“ یہ فرمانا صحیح نہیں ہے، کیونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے کافی دلائل موجود ہیں۔ اور امام اعظم کی دلیل کی کمزوری ظاہر نہیں ہوئی ہے، بلکہ امام صاحب کے دلائل قوی ہیں جیسا کہ مطولات اور شرح منیہ کے مطالعہ سے یہ بات معلوم کی جاسکتی ہے، اور علامہ ابن نجیم مصری نے البحر الرائق میں یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ امام صاحب کا

قول چھوڑ کر صاحبین کا قول، یا ان میں سے کسی ایک کا قول کسی ضرورت ہی کی وجہ سے اختیار کیا جا سکتا ہے، مثلاً امام صاحب کی دلیل کمزور ہو یا تعامل امام صاحب کے قول کے خلاف ہو، جیسے مزارعت کا مسئلہ محض مشائخ کے یہ کہہ دینے سے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے امام صاحب کا قول نہیں چھوڑا جا سکتا''۔

(شامی ج ۱ص ۲۶۴)

تیسرا نقطہ نظر

یہ ہے کہ امام صاحب کے اقوال میں تطبیق دی جائے، اور یوں کہا جائے کہ ظہر کا وقت ایک مثل تک تو بالیقین رہتا ہے اور مثل ثانی کے ختم تک رہنے کا احتمال ہے اور عصر کا وقت مثل ثالث سے بالیقین شروع ہوتا ہے، مگر مثل ثانی سے شروع ہونے کا احتمال ہے، لہٰذا اختیاط اس میں ہے کہ ایک مثل ختم ہونے سے پہلے ظہر کی نماز نہ پڑھ سکے تو پھر مثل ثانی میں پڑھ لے، اس سے تاخیر نہ کرے، اور اس کو ادا کہا جائے گا، قضا نہیں کہا جائے گا، اسی طرح اگر کسی مجبوری میں جیسا کہ حاجیوں کو حرمین شریفین میں یہ مجبوری پیش آتی ہے کوئی شخص مثل ثانی میں عصر کی نماز پڑھ لے تو اسکو بھی صحیح کہا جائے گا یعنی ذمہ فارغ ہو جائے گا مگر ظہر اور عصر دونوں کو مثل ثانی میں پڑھنا شریعت کے منشاء کے خلاف ہے۔ شریعت کا منشاء یہ ہے کہ دونوں نمازوں کے درمیان فصل ہونا چاہیے اور یہ فصل عام حالات میں کم از کم ایک مثل کے بقدر ہونا چاہیے، اور مخصوص حالات میں اس سے کم بھی ہو سکتا ہے اور وقت مہمل سے امام صاحب کی مراد یہی عملی اہمال ہے یعنی دونوں نمازوں کے درمیان فصل کرنا۔

حضرت قدس سرہ کا نقطہ نظر غالباً یہی ہے، چنانچہ ایضاح الادلۃ میں حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ ''وقت ما بین المثلین (یعنی مثل ثانی) کو بوجہ تعارض روایات نہ بالیقین وقت ظہر میں داخل کر سکتا ہیں، نہ وقت عصر میں یا یوں کہیئے کہ ایک وجہ سے ظہر میں داخل ہے تو دوسرے طور سے عصر میں تو اب بوجہ اختیاط حضرت امام صاحب نے ظاہر الروایت میں وقت مذکور (مثال ثانی) وقت ظہر میں شامل کر دیا، تا کہ کوئی صلوٰۃ عصر وقت مذکورہ (مثل ثانی) میں ادا کر کے ادائے صلوٰۃ قبل الوقت کے احتمال میں نہ پڑ جائے، اور وقت یقینی کو ترک کر کے وقت محتمل میں صلوٰۃ عصر کو ادا نہ کرے۔

رہی صلوٰۃ ظہر، اس کا وقت یقینی گو ایک مثل تک ہے، لیکن اگر کسی ضرورت یا غفلت کی وجہ

سے کسی کو صلوٰۃ مذکور (ظہر کی نماز) وقت یقینی میں ادا کرنے کا اتفاق نہ ہوا تو اب یہی چاہیے کہ ما بین المثلین (مثل ثانی) ہی میں اس کو ادا کر لے، کیونکہ یہ وقت گو وقت محتمل ہے تاہم اور اوقات سے تو عمدہ ہے، یہاں احتمال ادا تو ہے اور اوقات میں تو یہ بھی نہیں بلکہ بالیقین قضاء محض ہے۔

بالجملہ مطلب ظاہر الروایت یہ ہے کہ وقت ما بین المثلین کا بوجہ معروضہ (مذکورہ وجہ کی بناء پر) وقت ظہر میں شمار کرنا مناسب ہے، کیونکہ وقت عصر میں داخل کرنے سے اداء صلوٰۃ قبل الوقت کا احتمال باقی ہے۔...... یہ مطلب نہیں کہ وقت مذکور (مثل ثانی) بالیقین وقت ظہر میں داخل ہے اور جیسا بقاء ظہر مثل تلک یقینی ہے بعینہ ایسا ہی مثلین تلک وقت ظہر باقی رہتا ہے، بلکہ وقت ظہر یقینی تو مثل تلک ہے، اور ابتداء عصر بالیقین مثلین سے ہوتا ہے، اور درمیان کا وقت بوجہ روایات مختلفہ دونوں امر کا محتمل ہے''۔

(ص ۱۵۵ تا ص ۱۵۶ فخریہ)

حضرت قدس سرہٗ نے یہ نقطہ نظر دو وجہ سے اپنایا ہے، ایک اس وجہ سے کہ مثلین تک وقت ظہر کے باقی رہنے کی کوئی صریح روایت نہیں ہے، اس لئے احتمال ہے کہ مثل ثانی عصر کا وقت ہو اور دوسری وجہ یہ ہے کہ امامت جبرئیل والی حدیث کی تاریخ معلوم ہے وہ اس وقت کی روایت ہے جب پانچ نمازیں فرض ہوئی تھیں یعنی اسلام کے بالکل دور اول کی روایت ہے اور باقی تمام روایتیں مابعد کی ہیں اس لیے احتمال ہے کہ مثل اور مثلین کے معاملہ میں نسخ ہوا ہو، یعنی عصر کا وقت کٹ کر مثلین سے کر دیا گیا ہو اور ظہر کا وقت بڑھا کہ مثلین تک کر دیا ہو، لہٰذا مثل ثانی میں شک پیدا ہو گیا کہ وہ عصر کا وقت رہا یا نہیں؟ اس لیے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ عصر کی نماز مثل ثانی کے بعد پڑھی جائے تا کہ بالیقین ذمہ فارغ ہو جائے اگر مثل ثانی میں عصر کی نماز پڑھی جائے گی تو آخری تین روایتوں کی بناء پر کھٹکا رہے گا کہ شاید نماز وقت سے پہلے پڑھی گئی ہو اور ذمہ فارغ نہ ہوا ہو۔

رہا ظہر کا معاملہ تو اگر وہ مثل اول میں ادا کی گئی ہے تب تو وہ بالیقین ادا ہو گئی، اور اگر مثل ثانی میں پڑھی گئی ہے تب بھی ذمہ فارغ ہو جائے گا۔ کیونکہ امامت جبرئیل والی حدیث کے پیش نظر اگر ظہر کی نماز ادا نہ ہوگی تو قضاء ہو جائے گی۔ اور قضاء سے بھی ذمہ فارغ ہو جاتا ہے۔

الغرض جمہور نے جو مؤقف اختیار کیا ہے وہ اولاً تو مبنی بر احتیاط نہیں، اور ثانیاً ان کے مذہب کے مطابق آخری تین روایتوں کو ترک کرنا لازم آتا ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ نے ایسا طریقہ اختیار فرمایا

ہے کہ اس میں احتیاط بھی ہے اور تمام روایتوں پر عمل بھی ہو جاتا ہے۔

فجزاہ اللہ تعالی خیرا و اثابہ بما ھو اھلہ (امین)

جمہور کے پاس بھی کوئی قطعی دلیل نہیں ہے

جمہور کا مستدل یعنی امامت جبرئیل والی حدیث قطعی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں نسخ کا احتمال ہے، اور یہ احتمال بے دلیل نہیں ہے بلکہ آخری تین روایتوں کی بناء پر یہ احتمال پیدا ہوا ہے، دلیل کے قطعی ہونے کے لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسی نص پیش کی جائے جس سے دائما حضور اکرم ﷺ کا مثل ثانی میں عصر پڑھنا ثابت ہوتا ہو، یا کم از کم ایسی تصریح پیش کی جائے کہ حضور اکرم ﷺ کا آخری عمل مثل ثانی میں عصر پڑھنے کا تھا اور ایسی تصریحات جمہور کے پاس نہیں ہے۔

احناف کے دلائل

پہلی حدیث:

عن عبداللہ بن رافع مولی ام سلمة زوج النبی ﷺ انہ سال اباھریرة عن وقت الصلوة فقال ابوھریرة انا اخبرك صل الظھر اذا كان ظلك مثلك والعصر اذا كان مثليك

(ترجمہ) عبداللہ بن رافع جو آنحضرت ﷺ کی بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مولی ہیں انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نماز کا وقت پوچھا کہا ابوہریرہ نے میں بتاؤں تجھ کو نماز پڑھ ظہر کی جب سایہ تیرا تیرے برابر ہو جائے اور عصر کی جب سایہ تیرا تجھ سے دونا ہو۔ (موطا امام مالک مترجم علامہ وحید الزمان غیر مقلد ص ۲۰_۲۱)

دوسری حدیث:

عبداللہ بن رافع مولی ام سلمة زوج النبی ﷺ عن ابی ھریرة انہ سالہ عن وقت الصلوة فقال ابوھریرة انا اخبرك صل الظھر اذا كان ظلك مثلك والعصر اذا كان ظلك مثليك۔

(ترجمہ) عبداللہ بن رافع جو حضور اکرم ﷺ کی زوجہ ام سلمة رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نماز کے وقت کے

بارے میں دریافت کیا۔ تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ میں تمہیں بتلاتا ہوں۔ ظہر کی نماز ادا کرو جب تمہارا سایہ تمہارے برابر ہوجائے اور نماز عصر جب تمہارا سایہ تم سے دوگناہ ہوجائے۔ (موطا امام محمد مترجم ص ۲۷)

تیسری حدیث:

عن ام سلمة رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ ﷺ اشد تعجیلا للظهر منکم وانتم اشد تعجیلا للعصر منه (ترمذی ص ۵۱ مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۹)

(ترجمہ) ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ تو ظہر کی نماز تم سے جلدی پڑھتے تھے اور تم لوگ عصر کی نماز کو آنحضرت ﷺ سے جلدی پڑھتے ہو۔

چوتھی حدیث:

رافع بن خدیج ان رسول اللہ ﷺ کان یامرهم بتلخیرا العصر۔
(بیہقی ج ۱، ۳۳۴ وحاشیہ الجوہر النقی ج ۱ ص ۴۴۱)

(ترجمہ) حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ لوگوں کو حکم دیتے تھے وہ عصر کی نماز کو مؤخر کر کے پڑھیں۔

پانچویں حدیث:

عن الاعمش قال کان اصحاب عبداللہ بن مسعود یعجلون الظهر ویوخرون العصر۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۵۴۰)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھی اور شاگرد ظہر کی نماز جلدی پڑھتے تھے اور عصر کی نماز تاخیر سے پڑھتے تھے۔

چھٹی حدیث:

عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ انه کان یؤخر العصر حتی اقول قد اصفرت الشمس۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۲۷)

(ترجمہ) سوار بن شبیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ عصر کو اتنا مؤخر

کر کے پڑھتے تھے کہ میں یہ خیال کرتا تھا شاید سورج زرد ہو گیا ہے۔

ساتویں حدیث:

علی بن شیبان ؓ قال قدمنا علی رسول اللہ ﷺ المدینة فکان یؤخر العصر مادامت الشمس بیضاء نقیة

(ابو داؤد ج ۱ ص ۵۹. ابن ماجہ ص ۴۸)

(ترجمہ) علی بن شیبان ؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو آپ عصر کی نماز مؤخر کر کے پڑھتے تھے جب تک سورج سفید اور صاف ہوتا ہے (زرد ہونے سے پہلے)

آٹھویں حدیث:

عن ابراھیم قال کان من قبلکم اشد تعجیلا للظھر واشد تاخیرا للعصر منکم۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۵۴۰)

(ترجمہ) حضرت ابراہیم نخعی ؒ کہتے ہیں تم سے پہلے لوگ ظہر کی نماز کو تمہاری بہ نسبت جلدی پڑھتے اور عصر کی نماز کو تم سے زیادہ مؤخر کرتے تھے۔

رہی وہ حدیث جو پیر بدیع الدین شاہ راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔

(۱) اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبدالرحمن بن الحارث ضعیف ہے۔

(میزان الاعتدال ج ۲ ص ۵۵۴)

(۲) راشدی صاحب نے حدیث مکمل نقل نہیں کی اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

ثم التفت الی فقال یا محمد ھذا وقت الانبیاء من قبلك والوقت مابین ھذین الوقتین

(ترجمہ) پھر میری طرف متوجہ ہوئے (حضرت جبرائیل علیہ السلام) اور کہا اے محمد یہی وقت ہے تجھ سے پہلے اور پیغمبروں کا اور نماز کا وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان میں ہے۔

راشدی صاحب نے یہ سارے الفاظ چھوڑ دیئے۔

(۳) اس حدیث میں مرتین کے الفاظ موجود ہیں جس کا ترجمہ راشدی صاحب نے یہ کیا ہے کہ جبرائیل

نے دو مرتبہ مجھے امامت کرائی۔ مگر حدیث سے صرف ایک دن کا ذکر نقل کر دیا دوسری دن کا ذکر نقل نہیں کیا دوسرے دن کا ٹائم بھی بتانا چاہیئے تھا مگر وہ ان کے مسک کے خلاف تھا اس لیے نہیں بتایا دوسرے دن جو جبرائیل نے نماز پڑھائی اس میں عصر کی نماز کے متعلق آتا ہے۔ وصلی بی العصر حین کان ظله مثلیه اور نماز پڑھی عصر کی جب سایہ ہر چیز کا ڈبل ہوا۔

لہذا یہ روایت احناف کے خلاف نہیں اور راشدی صاحب کے بھی کام کی نہیں۔

اعتراض نمبر ۷۳

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: بچی کے پیشاب کو دھویا جائے گا اور بچے کے پیشاب پر چھینٹے مارے جائیں گے۔

حدیث نبوی ﷺ

عن لبابة بنت الحارث انه ﷺ قال انما يغسل من بول الانثى وينضح من بول الذكر۔

(ترجمہ) سیدنا لبابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بچی کے پیشاب کے وجہ سے کپڑے کو دھویا جائے گا اور بچے کے پیشاب کی وجہ سے کپڑے پر چھینٹے مار لینا کافی ہے۔

(ابوداؤد ج۱ کتاب الطهارة بول الصبي يصيب الثوب صفحه: ۶۰ رقم الحديث ۳۷۵)

(ابن ماجه ج۱ ابواب الطهارة وسننها باب ماجاء في بول الصبي الذي لم يطعم ص۳۹ رقم الحديث ۵۲۷)

فقہ حنفی

ببول الصبى الذى لم يطعم۔

(هداية ج۱ صفحه ۸۴ حاشيه كتاب الطهارات باب الانجاس وتطهيرها مطبوع مكتبه شركيه علميه)

وہ بچہ جو ابھی کھاتا نہیں ہے اگر اس کا پیشاب بھی لگ جائے تو دھونے کا حکم ہے۔ (فقہ وحدیث ص ۱۱۲)

جواب:

(۱) حنیفہ کا استدلال اول تو ان تمام احادیث سے ہے جن میں پیشاب سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے اور اسے نجس قرار دیا گیا ہے یہ احادیث عام ہیں اور ان میں کسی خاص بول کی تخصیص نہیں۔

(۲) دوسرے امام صاحب کا مسلک خاص لڑکے کے پیشاب کے بارے میں بھی احادیث کے بالکل مطابق ہے کیونکہ روایات میں جہاں لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑکنے کے الفاظ ملتے ہیں وہاں پانی بہانے اور پانی ڈالنے کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۱:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ یا حسین رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ پر پیشاب کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوا کر پیشاب والی جگہ کے اوپر بہا دیا۔

(طحاوی ج ۱ ص ۷۴، فتح الباری ج ۱ ص ۳۲۶ میں ابن حجر نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے)

حدیث نمبر ۲:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بچے کو لایا گیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر پیشام کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے پیشاب پر پانی بہاؤ۔

(طحاوی ج ۱ ص ۷۳، بخاری کتاب الوضوء ج ۱ ص ۳۵، باب حکم بول الغلام)

حدیث نمبر ۳:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شیر خوار بچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پیشاب کر دیا۔ آپ نے پانی منگا کر اس جگہ بہا دیا۔

(مسلم باب حکم بول الطفل)۔ (بخاری باب بول الصبیان، ج ۱ ص ۳۵)

حدیث نمبر ۴:

حضرت ام کرز خزاعیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک بچہ لایا گیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیشاب کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر پانی بہانے کا حکم دیا۔

(الفتح الربانی علامہ ساعاتی کتاب الطھارت فصل فی بول غلام لجاریۃ)

حدیث نمبر ۵:

ام قیس بنت محصن کی ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ایک کم سن بچہ کو لے گئیں جو ابھی کھانے کی عمر کو نہیں پہنچا تھا اس بچے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں

پیشاب کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے پانی منگا کر اس کپڑے پر بہا دیا۔ البتہ اس کو زیادہ (یعنی بہت زیادہ رگڑ کر) کوشش سے نہیں دھویا۔

(مسلم حکم بول الطفل) کشف الستار عن زوائد البزار ج ۱ ص ۱۳۰ تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۱۰۶)

حنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ لڑکے کے پیشاب کا دھونا واجب ہے مگر بہت زیادہ مبالغہ کرنے کی ضرورت نہیں جیسا کہ لڑکی کے پیشاب میں مبالغہ کی ضرورت ہے۔

حدیث نمبر ۶:

ام الفضل سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا لڑکے کے پیشاب پر پانی بہادیا جائے اور لڑکی کے پیشاب کو (اچھی طرح) دھولیا جائے۔

(طحاوی کتاب الطہارت ج ۱ ص ۶۸ باب حکم بول الغلام)

اکثر روایات میں پانی بہانے کا ذکر ہے چھڑکنے اور بہانے میں فرق صاف ظاہر ہے کہ پانی بہا کر کپڑے کو ہلکا سا دھویا جاتا ہے جبکہ چھڑکنے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ ناظرین ہم نے حنفی مسلک کے دلائل بھی نقل کر دیئے جن سے معلوم ہوا کہ دونوں طرح کی رواتیں موجود ہیں۔ حنفی مسلک کو حدیث کے خلاف کہنا بالکل غلط ہے۔ اب رہی ان دونوں قسم کی روایات میں تطبیق دینا تو حافظ ابن حجر عسقلانی شافعیؒ نے جو تطبیق دی ہے وہ ہم نقل کرتے ہیں حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ پانی چھڑکنے اور بہانے کی روایتیں ایک دوسرے کے خلاف نہیں بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے پہلے کپڑے پر ہلکے سے چھینٹے مارے اور پھر اس پر پانی بہا دیا۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۳۲۷)

ہمارے نزدیک راشدی صاحب کی نقل کردہ روایت کا بھی یہ ہی مفہوم ہے۔

اعتراض نمبر (۷۴)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: جمعہ کے دن نماز فجر کی پہلی رکعت میں سورۂ سجدہ اور دوسری میں سورۂ دہر پڑھنا مسنون ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

عن ابی ہریرۃ قال کان النبی ﷺ یقرء فی الفجر یوم الجمعۃ بالم تنزیل السجدہ فی الرکعۃ الاولی وفی الثانیۃ ھل اتی علی الانسان۔

(ترجمہ) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن فجر نماز کی پہلی رکعت میں الم تنزیل السجدة پڑھتے تھے اور دوسری رکعت میں هل اتی علی الانسان پڑھتے تھے۔

(بخاري ج١ كتاب الجمعة باب مايقرء في صلاة الفجر يوم الجمعة ص١٢٢، رقم الحديث ٨٩١)

(مسلم ج١ ص٢٨٨)

عن عبيد الله ابن ابی رافع قال استخلف مروان ابا هريرة علی المدينة وخرج الی مكة وصلی لنا ابوهريرة الجمعة فقرا سورة الجمعة فی السجدة الاولی وفی الاخرة اذا جاءك المنفقون فقال سمعت رسول الله ﷺ يقرا بهما يوم الجمعة۔

(ترجمہ) عبید اللہ بن ابی رافع کہتے ہیں کہ مروان ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر کر کے مکہ کی طرف نکلا، پھر ابوہریرہ نے جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۃ الجمعة اور دوسری میں اذا جاءک المنافقون پڑھی پھر کہنے لگے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جمعہ کے دن یہی دونوں سورتیں پڑھتے تھے۔

(مسلم ج١ ص٢٧ رقم الحديث ٨٧٧)

فقہ حنفی

ويكره ان يوقت بشیئ من القران لشیء من الصلوات۔

(هداية اولين ج١ كتاب الصلاة باب صفة الصلاة فصل في القرأة صفحه ١٢٠)

کسی نماز کے لیے قرآن میں سے کوئی سورت مقرر کرنا مکروہ ہے۔ (فقہ وحدیث ص ۱۱۳)

جواب:

فقہ حنفی میں اس مسئلہ میں تفصیل ہے راشدی صاحب نے ہدایہ سے صرف لفظ مکروہ تو لکھ دیا اور اس کی وجہ نہیں لکھی۔ کب مکروہ ہوگا اور کس طرح مکروہ کا حکم لگے گا۔ اس مسئلہ میں جمعہ کے دن فجر کی نماز والی حدیث تو لکھ دی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری پوری سورۃ بقرہ آل عمران، نساء بھی تو نماز میں پڑھی ہے اس احادیث کا بالکل ذکر نہیں کیا۔ اور جمعہ کی نماز۔ عید کی نماز، جمعہ کی رات کی مغرب کی نماز، اور

ہر نماز کی ہر رکعت میں ہمیشہ قل ھو اللہ احد پڑھنا بھی احادیث سے ثابت ہے۔ کیا ان احادیث پر غیر مقلدین کا عمل ہے ہم نے تو غیر مقلدین کی کسی مسجد میں کسی امام کو ہر رکعت میں ہمیشہ قل ھو اللہ احد پڑھتے نہیں دیکھا جبکہ یہ حدیث بخاری کی ہے تو یہاں پر نبی کریم ﷺ کی مخالفت نظر نہیں آتی۔ ہدایہ میں مکروہ کی وجہ بھی لکھی تھی جو راشدی صاحب نے نقل نہیں کی ہم یہاں پر پہلے مسئلہ کی تفصیل لکھتے ہیں بعد میں ہدایہ کی مکمل عبارت نقل کریں گے جس سے مسئلہ خود بہ خود صاف ہو جائے گا۔

ہدایہ کی عبارت کا صحیح مفہوم

مفتی عبدالحلیم قاسمی لکھتے ہیں:

مسئلہ یہ ہے کہ کسی بھی نماز کے لیے قرآن کریم کے کسی خاص حصے کا پڑھنا لازم اور ضروری نہیں ہے کہ اگر اس نماز میں اس حصے کو نہ پڑھا جائے گا تو نماز ہی دوست نہیں ہوگی۔ کیوں کہ قرأت قرآن کے سلسلے میں جو آیت ہے یعنی فاقرؤا ماتسیر من القرآن۔ وہ مطلق ہے اور المطلق یجری علی إطلاقه کے پیش نظر پورے قرآن میں سے کہیں سے بھی قرأت کرنے سے نماز ہو جائے گی۔ لہٰذا قرآن کے کسی بھی حصے کو خاص کرنا درست نہیں ہے۔

اسی طرح کسی نماز کے لیے کسی سورت کو مثلاً مغرب کی نماز کے لیے معوذتین (یعنی فلق اور والناس) کو متعین کر کے پڑھنا (یعنی ان کے علاوہ دوسری سورۃ پڑھنا ہی نہیں) بھی مکروہ ہے کیوں کہ اس میں دو خرابیاں لازم آتی ہیں (۱) اس کے علاوہ باقی قرآن کا ترک (۲) یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ اس حصہ کا پڑھنا افضل ہے اور بقیہ کا پڑھنا افضل نہیں ہے۔ جب کہ جواز صلاۃ کے لیے پورا قرآن پڑھنا یکساں ہے اور نماز میں تو کسی بھی حصے کو دوسرے پر فوقیت یا فضیلت حاصل نہیں ہے۔ (احسن الہدایہ جلد ۲، ص ۹۵ و ص ۹۶)

ہدایہ کی عبارت کا مکمل ترجمہ ملاحظہ فرمائیں

مولانا محمد حنیف گنگوہی لکھتے ہیں:

ولیس فی شیء من الصلوت قراءۃ سورۃ بعینھا لایجوز غیرھا لاطلاق ماتلونا ویکرہ ان یوقت بشیء من القرلن لشئ من الصلوت لما فیہ من ھجر الباقی وایھام التفصیل

(ترجمہ) اور نہیں ہے کسی نماز میں کوئی معین سورت پڑھنا کہ اس کے علاوہ جائز نہ ہو، بدلیل مطلق ہونے اس آیت کے جو ہم نے تلاوت کی، اور مکروہ ہے یہ کہ مقرر کر لے قرآن کا کوئی حصہ کسی نماز کے لیے کیونکہ اس میں باقی قرآن کا چھوڑنا اور مقرر کردہ کو فضیلت دینے کا وہم لازم آتا ہے۔

تشریح: قولہ ولیس بشیء الخ یہاں دو مسئلے ہیں جن میں سے ایک ''ولیس فی شیء من الصلوت اھ'' ہے اور بظاہر ان دونوں کا مفاد حکم گو ایک ہی معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے بلکہ یہ دونوں وضعا اور بیانا ہر دو اعتبار سے متغایر ہیں، وضعا تو اس لیے کہ پہلا مسئلہ مسائل قدوری میں سے ہے اور دوسرا مسئلہ مسائل جامع صغیر میں سے ہے، اور صاحب ہدایہ نے اس کا التزام کیا ہے کہ جب روایتیں مختلف ہوں تو دونوں کو ذکر کرتے ہیں، اور بیانا اس لیے کہ پہلے مسئلہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی نماز میں ادائیگی قرأت کے لیے کوئی سورت معین ہو کر فرض نہیں کہ اس سورت کے علاوہ کوئی دوسری سورت جائز نہ ہو۔ اس میں امام شافعی کے مذہب سے احتراز ہے کہ وہ جواز صلوۃ کے لیے قراءت فاتحہ کو معین کرتے ہیں، اور دسرے مسئلہ کا مطلب یہ ہے کہ نمازی کا قرآن کی کسی سورت (مثلاً الم سجدہ اور هل اتی علی الانسان وغیرہ) کو کسی نماز کے لیے اس طرح مقرر کرنا کہ اس میں وہی سورت پڑھنا واجب ہے۔ مکروہ ہے۔ (عنایہ)

پھر اس مسئلہ کے حکم اور اس کی علت کے بارے میں فقہاء کی عبارتیں اور اس کی تحقیق میں ان کے اقوال متناقض ہیں اس لئے یہاں اس کی تفصیل ضروری ہے، سو جاننا چاہئے کہ امام محمد نے جامع صغیر میں لکھا ہے ''یکرہ ان یوقت الرجل شیئا من القران لشئ من الصلوۃ'' کہ نمازی کا قرآن کے کسی حصہ کو کسی نماز کے لیے مقرر کر لینا مکروہ ہے، اب اس کی علت کیا ہے؟

صدر شہید نے شرح جامع صغیر میں کہا ہے۔ ''لان فیہ ھجر الباقی'' کہ اس میں باقی قرآن کا ہجر (چھوڑنا) لازم آتا ہے اور یہ مکروہ ہے بقولہ تعالی: ''وقال الرسول یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القران مھجورا'' یعنی ضدی معاندین نے جب کسی طرح نصیحت پر کان نہ دھرا تب پیغمبر علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں شکایت کی کہ خداوندا میری قوم نہیں سنتی، انہوں نے قرآن جیسی عظیم الشان اور قابل قدر کتاب کو بالکل مہجور و متروک کر چھوڑا ہے۔ صاحب ہدایہ نے اس علت کے

ساتھ ”وایھام التفصیل“ بھی ذکر کیا ہے کہ اس میں ایہام تفصیل بھی ہے یعنی یہ وہم ہوتا ہے کہ فضیلت اسی سورت کو حاصل ہے دوسری کو نہیں، حالانکہ یہ بھی غلط ہے۔

صاحب نہایہ نے امام طحاوی اور اسبیجابی کا قول نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

> هذا الذی ذکرنا اذا راه حتما واجبا لا یجزی غیرها او رای القراءة بغیرها مکروهة اما لو قراها فی تلك الصلوة تبرکا بقراءة رسول الله ﷺ او تاسیا به اولاجل التیسیر فلا کراهة فی ذلك لکن یشترط ان یقرا غیرها احیانا لئلا یظن الجاهل الغبی انه لایجوز غیر ذلك وغالب العوام علی اعتقاء بطلان الصلوة بترك سورة الم تنزیل السجدة ومایحملهم علی هذا الا التزام الشافعیة قراءة سورة السجدة انتهی. (ومثله فی خز المفتین)

یعنی مذکورہ حکم اس وقت ہے جب اسی کا پڑھنا حتمی واجب سمجھے اس طرح کہ اس کے سوا جائز ہی نہیں یا یہ سمجھے کہ اس سورت کے سوا اور کچھ پڑھنا مکروہ ہے، لیکن اگر کوئی سورت اس لیے مقرر کر لے کہ وہ اس پر آسان ہے یا آنحضرت ﷺ نے اس کو پڑھا ہے یا تبرک کے طور پر مقرر کر لیا تو کراہت نہ ہوگی بشرطیکہ کبھی کبھی اس کے علاوہ بھی پڑھ لے تاکہ عوام جاہلوں کو یہ گمان نہ جم جائے کہ اس نماز کے لیے اس سورت کی قراءت مقرر ہے، دوسری جائز نہیں، چنانچہ شافعیہ نے جو سورۂ سجدہ کا نماز جمعہ وفجر میں بوجہ سنت کے التزام کیا ہے اس سے اکثر عوام میں یہ اعتقاد بیٹھ گیا کہ اس وقت میں یہی مخصوص ہے حتی کہ اس کے بغیر جائز نہیں۔

ان عبارات کا حاصل یہ نکلا کہ کراہت تعیین دوامی کی علت کے سلسلہ میں چار قول ہیں۔ اول یہ کہ تعیین کی صورت میں باقی قرآن کا ہجر لازم آتا ہے دوم یہ کہ اس میں ایہام تفصیل ہے سوم یہ کہ ہجر باقی اور ایہام تفصیل دونوں ہیں چہارم یہ کہ معین کردہ سورت کے علاوہ سے عدم جواز صلوٰۃ کا اعتقاد ہوتا ہے، اب اگر پہلی علت مانی جائے تو کسی نماز کے لیے کوئی سورت ہمیشہ کے لیے مقرر کرنا اس وقت مکروہ ہوگا جب کسی اور نماز میں بھی اس سورت کے علاوہ نہ پڑھے، اس لیے کہ اگر کسی خاص نماز کے لیے کوئی سورت معین کرے اور اس نماز کے علاوہ دیگر نمازوں میں دیگر سورتیں پڑھے تو اس صورت میں باقی قرآن کا ہجر لازم نہیں آتا، اور اگر دوسری علت مانی جائے تو مداومت علی الاطلاق مکروہ ہوگی دیگر سورت پڑھے یا نہ پڑھے اور تیسری علت اگر مجموع من حیث المجموع معتبر ہو تو اس کا حال اول کا

ساہوگا اور اگر ان میں سے ہر ایک مستقلاً معتبر ہو تو یہ علت ثانی کی طرح ہوگی اور چوتھی علت پر مداومت اس وقت مکروہ ہوگی جب مقرر کردہ سورت کے علاوہ سے عدم جواز صلوٰۃ کا اعتقاد ہو۔

اسی اختلاف کی طرح ایک دوسرا اختلاف ہے اور وہ یہ کہ ہر جمعہ کے روز نماز میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر کی مداومت مکروہ ہے یا نہیں؟ سو جو لوگ تعلیل رابع کے قائل ہیں ان کے یہاں مکروہ نہیں ہے بشرطیکہ اعتقاد مذکور سے خالی ہو، اور جو لوگ تعلیل اول کے قائل ہیں وہ بھی مکروہ نہیں کہتے جبکہ دیگر نمازوں میں دیگر سورتیں پڑھتا ہو، لیکن جو لوگ تعلیل ثانی اور تعلیل ثالث کے قائل ہیں ان دونوں فرقوں کے نزدیک مداومت مذکورہ علی الاطلاق مکروہ ہے، اسی اختلاف پر یہ بات متفرع ہوتی ہے کہ مسئلہ مذکورہ ہمارے اور شوافع کے درمیان اختلافی ہے یا اتفاقی؟ سو قول رابع پر تو مسئلہ اتفاقی قرار پاتا ہے اور باقی اقوال پر اختلافی ہوتا ہے وریہی مشہور بھی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ہمارے اور شوافع کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اور مسئلہ کی اصل علت یہ ہے کہ اس میں شارع کی تعیین کے بغیر اپنی طرف سے ایک چیز کو معین کرنا لازم آتا ہے جو بالیقین مکروہ ہے۔ (غایۃ السعایہ ج ۳ ص ۲۱۶۔۲۱۷)

اعتراض نمبر (۷۵)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: سورۂ حج دو سجدوں پر مشتمل ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

عن عقبة بن عامر قال قلت يا رسول الله ﷺ فى سورة الحج سجدتان قال نعم ومن لم يسجدهما فلا يقراهما.

(ترجمہ) سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ سورۃ حج میں دو سجدے ہیں؟ فرمایا ہاں۔ جو یہ دونوں سجدے نہیں کرتا وہ یہ نہ پڑھے۔

(ابوداؤد ج ۱ کتاب الصلوٰۃ باب کم سجدۃ فی القرآن ص ۲۰۶ رقم الحدیث ۱۴۰۲)

فقہ حنفی

سجود التلاوة فى القرآن اربعة عشر فى اخر الاعراف وفى الرعد

والنحل وبنی اسرائیل ومریم والاولی من الحج۔

(ھدایہ اولین ج۱ کتاب الصلاۃ باب سجدۃ التلاوۃ ص: ۱۶۳)

قرآن میں سجدۂ تلاوت چودہ ہیں، سورہ اعراف میں اور رعد میں، اورنحل، بنی اسرائیل، مریم میں اور سورہ حج کا پہلا سجدہ۔ (یعنی سورہ حج میں صرف ایک سجدہ ہے) (فقہ وحدیث ص ۱۱۴)

جواب:

سجدہ تلاوت کے متعلق روایات مختلف ہیں اس لیے محدثین میں اختلاف پیدا ہوا سجدہ تلاوت کتنے ہیں۔ اور کہاں کہاں ہیں قرآن وسنت اور صحابہ کرام ؓ کی تعلیمات کی روشنی میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک کل سجدے چودہ ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) سورۃ اعراف آیت نمبر ۲۰۶
(۲) سورۃ الرعد آیت نمبر ۱۵
(۳) سورۃ النحل آیت نمبر ۵۰
(۴) سورۃ الاسرا آیت نمبر ۱۰۹
(۵) سورۃ مریم آیت نمبر ۵۸
(۶) سورۃ حج کا پہلا سجدہ آیت نمبر ۱۸ ۔
(۷) سورۃ الفرقان آیت نمبر ۶۰
(۸) سورۃ النمل آیت نمبر ۲۶
(۹) سورۃ السجدہ آیت نمبر ۱۵
(۱۰) سورۃ ص آیت نمبر ۲۴
(۱۱) سورۃ حم السجدہ آیت نمبر ۳۸
(۱۲) سورۃ النجم آیت نمبر ۶۲
(۱۳) سورۃ الانشقاق آیت نمبر ۲۱
(۱۴) سورۃ العلق آیت نمبر ۱۹

حنفی مسلک کے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

حدیث:

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اور حضرت ابن عمر ؓ دونوں قرآن کریم کے سجدات کو ان سورتوں میں شمار کرتے تھے سورۃ اعراف، رعد، نحل، بنی اسرائیل (یعنی الاسراء) مریم (والحج اولھا) حج میں پہلا سجدہ فرقان، طس (یعنی النمل) الم تنزیل (یعنی سجدہ) ص، حم السجدہ۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۳۳۵)

اس حدیث سے ۱۱ مقام پر سجدہ ثابت ہوا۔

نمبر ۱۲ سورۃ النجم میں سجدہ کا ثبوت

حدیث:

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سورۃ نجم تلاوت کی اور سجدہ ادا کیا اور آپ کے ساتھ تمام لوگوں نے بھی سجدہ کیا۔

(بخاری ج ۱ ص ۱۴۶، مسلم ج ۱ ص ۲۱۵، طحاوی ج ۱ ص ۲۰۷

اس حدیث سے سورۃ النجم میں سجدہ کا ثبوت ہوا (اور سجدوں کے تعداد ۱۲ ہوگئی۔)

نمبر ۱۳ اور نمبر ۱۴ یعنی سورۃ الانشقاق اور سورۂ اقراء میں سجدے کا ثبوت۔

حدیث:

حضرت ابوہریرہ ؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے سورۃ اذا السماء انشقت (اور سورۃ اقراء میں سجدہ تلاوت ادا کیا) (مسلم ج ۱ ص ۲۱۵)

حاظرین ہم نے چورہ سجدے دلائل سے ثابت کر دیئے ہیں۔

اب خاص یہ بات ثابت کرنی ہے کہ سورۃ حج میں سجدہ ایک ہے۔

حدیث نمبر ۱:

ہم نے اوپر جو حدیث حضرت عبداللہ ؓ بن عباس ؓ اور عبداللہ ؓ بن عمر مصنف عبدالراق ج ۳ میں ۳۳۵ کے حوالہ سے نقل کی ہے اس میں صراحت موجود ہے کہ یہ دونوں حضرات سورۃ حج میں پہلے سجدہ ہی مانتے تھے۔

حدیث نمبر ۲:

حضرت سعید بن المسیب ؒ اور حسن بصری ؒ کہتے ہیں کہ سورۃ حج میں ایک ہی

ہے اور وہ پہلا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۲)

حدیث نمبر ۳:

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ سورۃ حج میں پہلا سجدۃ تلاوت مؤکدہ ہے اور دوسرا سجدہ تعلیم ہے یعنی اس میں نماز کے سجدہ کی تعلیم دی گئی ہے۔

(طحاوی ج ۱ ص ۲۱۳ مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۴۲)

حدیث نمبر ۴:

امام محمد فرماتے ہیں:

اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سورۂ حج میں صرف پہلا سجدہ کرتے تھے اور اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ (موطا امام محمد باب سجود القرآن)

حدیث نمبر ۵ تا ۸:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ، ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ جابر بن یزید رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہ بات منقول ہے کہ سورۃ حج میں صرف پہلا سجدہ ہی ہے (دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۲) رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے امام ترمذی فرماتے ہیں۔

لیس اسنادہ بالقوی کہا ابوعیسیٰ نے اس حدیث کی اسناد قوی نہیں۔

(ترمذی باب فی السجدۃ فی الحج)

اعتراض نمبر ⑯

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عن زید بن ثابت قال قرأت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والنجم فلم یسجد فیہ۔

(ترجمہ) سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورہ نجم پڑھی تو آپ نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔

(بخاري ج۱ ابواب ماجاء في سجود القرآن وسنتها باب من قرا سجدة ولم يسجد فيه ص۱۴۶ واللفظ له. رقم الحديث ۷۳-۱۰۷۲) (مسلم ج۱ كتاب المساجد باب سجود التلاوة ص۲۱۵، رقم الحديث ۱۲۹۸)

فقہ حنفی

والسجدة واجبة فی هذه المواضع علی التالی والسامع قصد سماع القرآن اولم یقصد۔

(ہدایہ اولین ج۱ کتاب الصلوٰۃ باب سجدۃ التلاوۃ صفحہ ۱۶۳)

(ترجمہ) صاحب ہدایہ سجود کے مقامات کا (جن میں سورۃ نجم بھی آ جاتی ہے) ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان مقامات پر سجدہ کرنا واجب ہے، تلاوت کرنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی۔ جس نے سننے کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

(فقہ و حدیث ص ۱۱۵)

جواب:

یہاں پر دو مسئلے ہیں ایک یہ کہ سجدہ تلاوت واجب ہے۔ دوسرے سورۃ نجم میں بھی سجدہ ہے۔

فقہ حنفی کے دلائل

سجدہ کی ایات تین قسم کی ہیں پہلی قسم جن میں سجدہ کا امر ہے جیسا کہ واسجد واقترب (العلق) اور مطلق امر وجوب کے لیے ہے۔ دوسری قسم جن میں سجدہ سے کفار کا استنکاف کا ذکر ہے جیسا کہ **واذا قرئ علیهم القرآن لا یسجدون** (انشقاق) کفار کی مخالفت واجب ہے تیسری قسم جن میں انبیاء علیہم السلام کے سجدہ کا ذکر ہے جیسا کہ اس آیت میں ذکر ہے **اِذا تتلی علیهم ایات الرحمن خروا سجدا وبکیا** (مریم) اور انبیاء علیہم السلام کی اقتداء لازم ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے **اولئیك الذین هدی الله فبهداهم اقتده** (انعام آیت نمبر ۹۰ پ ۷)

ترجمہ: وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت دی تھی تو تم انہیں کی ہدایت کی پیروی کرو۔

حدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب بندہ آیت سجدہ تلاوت کرتا اور سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا بھاگتا ہے اور کہتا ہے افسوس ابن آدم کو سجدہ کا حکم گیا اس نے سجدہ کیا تو اس کے لیے جنت ہے اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا میں نے انکار کیا تو میرے لیے دوزخ ہے۔

(ابن ماجہ باب سجود القرآن۔ مسلم ج ا ص ۶۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ابن آدم مامور با سجود ہے اور مطلق امر وجوب کے لئے آتا ہے۔

حدیث ۲:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے والنجم کا سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں اور مشرکوں اور جن اور انس نے سجدہ کیا۔

(بخاری باب سجدۃ النجم ص ۱۴۶ احدیث نمبر ۱۰۷۱ مسلم باب سجود التلاوۃ)

حدیث ۳:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم پڑھی۔ پس آپ نے سجدہ کیا اور اس میں قوم کے ہر شخص نے سجدہ کیا۔ (بخاری باب سجدہ النجم)

حدیث ۴:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آیت سجدہ کو پڑھتے اور ہم آپ کے پاس ہوتے تھے آپ سجدہ کرتے تو ہم بھی سجدہ کرتے پھر رش ہو جاتا حتیٰ کہ کسی کو اپنی پیشانی رکھنے کے لیے جگہ نہ ملتی جس پر وہ سجدہ کرتا۔ (بخاری باب ازدحام الناس اذا قرا الامام السجدۃ)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سجدہ واجب ہے اور سننے والوں پر بھی واجب ہے اسی لیے تو سننے کے بعد تمام لوگ سجدہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سجدہ کے لیے جگہ باقی نہیں رہتی تھی۔

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ لکھتے ہیں تمام شہروں کے فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جب تلاوت کرنے والا آیت سجدہ کی تلاوت کرے تو جو اس کے پاس بیٹھا ہوا آیت سجدہ کو سن رہا ہو، اس پر واجب ہے کہ اس کے سجدہ کے ساتھ وہ بھی سجدہ کرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: جو آیت سجدہ کو سنے اس پر بھی سجدہ کرنا واجب ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۳ ص ۵۹)

ناظرین ہم نے سجدہ کا واجب ہونا بھی ثابت کر دیا اور سورہ النجم میں سجدہ کا ثبوت بھی دے دیا۔ اس مسئلہ کو حدیث کے خلاف کہنا بالکل درست نہیں ہے۔ رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے۔ اس کے کئی جواب ہیں۔

پہلا جواب:

اس روایت میں سورۃ النجم میں سجدہ نہ کرنے کا ذکر ہے مگر دوسری روایات میں جو ہم اوپر نقل کر آئے ہیں ان میں النجم میں سجدہ کرنے کا ذکر موجود ہے۔

دوسرا جواب:

سجدۂ تلاوت فوراً ادا کرنا واجب نہیں بعد میں کرنا بھی جائز ہے اس روایت سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے فوراً سجدہ نہیں کیا۔

تیسرا جواب:

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے حضرت زید بن ثابت نے اس وقت آیت سجدہ پڑھی ہو جس وقت میں سجدہ کرنا جائز نہ ہو اس لیے آپ نے اس وقت سجدہ نہیں کیا۔

چوتھا جواب:

یہ بھی احتمال ہے کہ آپ اس وقت باوضو نہ ہوں۔

لہٰذا اگر یہ تطبیق دے دی جائے تو دونوں قسم کی روایات کا آپس میں جو ٹکراؤ ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ محدثین نے اور بھی کئی جواب دیئے ہیں۔ بہر حال بات یہ ہے کہ حنفی مسلک کسی طرح بھی حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

اعتراض نمبر (۷۷)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: دوران وضو ایک ہی چلو سے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا

حدیث نبوی ﷺ

فمضمض واستنشق من کف واحد۔

(ترجمہ) سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کے طریقہ وضوء کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے کلی اور ناک میں پانی ایک ہی چلو سے ڈالا۔

(مشکوۃ ج ا کتاب الطهارة باب سنن الوضوء الفصل الاول صفحہ: ۴۵)

(صحیح بخاری کتاب الوضوء باب من مضمض واستنشق من غرفة واحدة ج ا صفحہ ۳۱ رقم الحدیث ۱۹۱)

فقہ حنفی

وکیفیتها ان یمضمض ثلاثا. یاخذ لکل مرة ماء جدیدا ثم یستنشق۔ (ھدایہ اولین ج ا کتاب الطہارۃ ص ۱۸)

(ترجمہ) تین بار کی جائے ہر بار نیا پانی لیا جائے گا پھر اسی طرح ناک میں پانی ڈالا جائے گا۔ (فقہ وحدیث ص ۱۱۶)

جواب:

اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں پیر بدیع الدین شاہ راشدی صاحب نے اپنی مرضی کی ایک روایت نقل کر دی اور حنفی مسلک کی دلیل ذکر نہیں کی اور فقہ حنفی کو حدیث کے خلاف کہہ دیا۔ ہم یہاں پر فقہ حنفی کے دلائل نقل کرتے ہیں۔

حنفی مسلک کے دلائل

حدیث نمبر ۱:

عن ابی وائل شقیق بن سلمة قال شهدت علی ابن ابی طالب و عثمان بن عفان رضی الله عنهما توضا ثلاثا ثلاثا و افرد المضمضة من الاستنشاق ثم قالا هكذا راینا رسول الله ﷺ توضا۔ رواه ابن السكن فی صحاحه۔ (تلخیص الحبیر ص ۷۹ جلد نمبر ۱)

(ترجمہ) ابووائل شقیق بن سلمہ نے کہا، میں حضرت علی ابن ابی طالب ؓ اور حضرت عثمان بن عفان ؓ کے پاس حاضر ہوا دونوں نے تین تین بار وضو کیا اور مضمضہ کو استنشاق سے علیحدہ کیا، پھر کہا، ہم نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

اس حدیث کو ابن السکن نے اپنی صحاح میں بیان کیا ہے۔

حدیث نمبر ۲:

عن ابی حیة قال رایت علیا رضی الله عنه توضا فغسل كفيه حتى انقاهما ثم مضمض ثلاثا واستنشق ثلاثا وغسل وجهه ثلاثا وذراعيه ثلاثا ومسح براسه مرة ثم غسل قدميه الى الكعبين ثم قام فاخذ فضل طهوره فشربه وهو قائم ثم قال احببت ان اريكم كيف كان طهور رسول الله ﷺ۔

(ترمذی ابواب الطہارت باب فی وضوء النبی ﷺ کیف کان)

(ترجمہ) ابو حیہ نے کہا، میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے وضو کیا ، پس اپنی دونوں ہتھیلیوں کو دھویا یہاں تک کہ انہیں خوب صاف کیا، پھر تین بار کلی کی اور تین بار ناک میں پانی ڈالا، تین بار چہرہ دھویا، دونوں بازوؤں کو بھی تین بار دھویا اور ایک بار مسح کیا، پھر اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئے، پھر کھڑے ہو کر وضو کا بچا ہوا پانی لے کر اسے کھڑے کھڑے ہی پی لیا، پھر کہا ''میں نے بہتر سمجھا کہ تمہیں دکھاؤں۔ رسول اللہ ﷺ کا وضو کیسا تھا۔''

حدیث نمبر ۳:

وعن ابن ابی ملیکۃ قال رایت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سئل عن الوضوء فدعا بماء فاتی بمیضاۃ فاصغاھا علی یدہ الیمنی ثم ادخلھا فی الماء فتمضمض ثلاثا واستنثر ثلاثا وغسل وجھہ ثلاثا ثم غسل یدہ الیمنی ثلاثا وغسل یدہ الیسری ثلاثا ثم ادخل یدہ فاخذ ماء ا فمسح براسہ واذنیہ فغسل بطونھما و ظھورھما مرۃ واحدۃ ثم غسل رجلیہ ثم قال این اسائلون عن الوضوء ھکذا رایت رسول اللہ ﷺ یتوضا

(ابوداود کتاب الطہارت ص ۱۵ ج ۱ باب صفۃ وضوء النبی ﷺ)

(ترجمہ) ابن ابی ملیکہ نے کہا، میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دیکھا ان سے وضو کے بارہ میں پوچھا گیا، انہوں نے پانی منگایا تو لوٹا پیش کیا گیا۔ انہوں نے اسے اپنے دائیں ہاتھ پر ڈالا، پھر وہ ہاتھ پانی میں داخل کر کے تین بار کلی کی اور تین بار ناک جھاڑا اور تین بار اپنا چہرہ دھویا، پھر اپنا دایاں ہاتھ تین بار اور بایاں ہاتھ تین بار دھویا، پھر اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا پانی لے کر اپنے سر اور کانوں کا مسح کیا، دونوں کانوں کے اندرونی اور بیرونی حصہ کو ایک بار دھویا، پھر اپنے دونوں پاؤں دھوئے اور کہا وضو کے بارے میں پوچھنے والے کہاں گئے؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا۔

حدیث نمبر ۴:

وعن راشد بن نجیح ابی محمد الحمانی قال رایت انس بن مالك بالزاویة فقلت له اخبر نی عن وضوء رسول الله ﷺ کیف کان فانه بلغنی انك کنت توضئه قال نعم فدعا بوضوء فاتی بطست وقدح فوضع بین یدیه فا کفا علی یدیه من الماء وانعم غسل کفیه ثم تمضمض ثلا ثاواستنشق ثلا ثا وغسل وجهه ثلاثا ثم اخرج یده الیمنی فغسلها ثلاثا ثم غسل الیسری ثلاثا ثم مسح براسه مرة واحدة غیرانه امرهما علی اذنیه فمسح علیهما. رواه الطبرانی فی الاوسط وقال الهیثمی اسناده حسن

(المعجم الاوسط ج ۳ ص ۴۲۸ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۳۱)

(ترجمہ) راشد بن نجیح ابو محمد الحمانی نے کہا، میں نے حضرت انس ابن مالک ؓ کو زاویہ میں دیکھا، تو ان سے کہا، مجھے رسول اللہ ﷺ کے وضو کے بارہ میں بتایئے کہ وہ کس طرح تھا؟ تحقیق مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ انہیں وضو کراتے تھے، انہوں نے کہا، ہاں تو انہوں نے پانی منگایا، ایک طشت اور پیالہ لایا گیا (جو کہ چھیلا گیا تھا جیسا کہ چھیلا گیا تھا) ایک نسخہ میں یہ الفاظ زائد ہیں۔ ان کے سامنے رکھ دیا گیا تو انہوں نے اپنے ہاتھوں پر پانی ڈال کر دونوں ہاتھوں کو خوب اچھی طرح دھویا، پھر تین بار کلی کی، تین بار ناک میں پانی ڈالا، اور تین بار چہرہ دھویا، پھر اپنا دایاں ہاتھ ڈال کر اُسے تین بار دھویا، پھر بایاں ہاتھ تین بار دھویا اور اپنے سر کا ایک بار مسح کیا، البتہ انہوں نے ہاتھ اپنے دونوں کانوں پر پھیرے اور ان کا مسح کیا۔

اس حدیث کو طبرانی نے اوسط میں بیان کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

حدیث نمبر ۵:

طلحہ بن مصرف نے روایت کی اپنے باپ سے انہوں نے اپنے دادا سے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا۔ آپ وضو کر رہے تھے اور آپ جدائی کرتے

تھے کلی اور ناک میں پانی ڈالنے میں۔ (ابوداود باب فی الفرق بین المضمضۃ والاستنشاق)

ان پانچ حادیث سے حنفی مسلک ثابت ہوتا ہے۔ رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے ہمارے نزدیک وہ بیان جواز پر محمول ہے۔ سنت نہیں سنت طریقہ فقہ حنفی والا ہی ہے۔

اعتراض نمبر ۷۸

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: اونٹ میں (قربانی کے) دس حصے ہیں۔

حدیث نبوی ﷺ

وفی البعیر عشرۃ۔

(ترجمہ) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اونٹ دس آدمیوں (کی طرف سے قربانی کے لیے) کافی ہے۔

(ترمذي ج۱ ابواب الاضاحي باب في الاشتراك في الاضحيه صفحه: ۲۷۶، رقم الحديث ۱۵۰۱) (مشكوٰة باب الاضحيه فصل الثاني صفه: ۱۲۸ نسائي ج۲ كتاب الضحايا باب ماتجزي عنه البدنة في الضحايا صفحه: ۲۰۴، رقم الحديث ۴۳۹۷) (ابن ماجه ج۲ ابواب الاضاحي باب عن كم تجزئ البدنة والبقرة ص ۲۲۶ م رقم الحديث ۳۱۳۱)

فقہ حنفی

اوبدنۃ عن سبعۃ۔

(هدايه اخيرين ج۴ كتاب الاضحيه صفحه: ۴۴۴)

(ترجمہ) اونٹ کی قربانی صرف سات آدمیوں کی طرف سے ہوسکتی ہے۔

(فقہ وحدیث ص ۱۷۷)

جواب:

اس مسئلہ میں روائتیں دونوں قسم کی ہیں راشدی صاحب نے اپنے مطلب کی روایت نقل کر دی اور دوسری روایات کا ذکر نہ کیا اور فقہ حنفی کے مسئلے کو حدیث کے خلاف کہہ دیا ہم یہاں پر پہلے وہ روایات نقل کرتے ہیں جن پر فقہ حنفی کا عمل ہے۔

فقہ حنفی کے دلائل

حدیث نمبر ا:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کا تلبیہ کہتے ہوئے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے میں سات سات آدمی شریک ہو جائیں۔

(مسلم باب جواز الاشتراک فی الھدی)

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ میں سات آدمی شریک ہونے کا حکم دیا ہے اور راشدی صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے۔ اس میں حکم موجود نہیں ہے اب یہاں پر قول اور فعل کے درمیان تعارض آ گیا اور اصولیین کے نزدیک جب قولی اور فعلی حدیث کے درمیان تعارض آ جائے تو ترجیح قولی کو ہوتی ہے جیسا کہ علامہ نوری شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ تعارض القول والفعل والصحیح حنیئز عنداہ صولیین ترجیہ القول۔ (نووی شرح مسلم ج ا ص ۴۵۳) جب قول اور فعل کا تعارض ہو تو اصولیین کے ہاں صحیح بات یہ ہے کہ ترجیع قول کو دی جاتی ہے۔

حدیث نمبر ۲:

راشدی صاحب نے ترمذی کے جس باب سے اونٹ میں دس آدمی شریک ہونے والی حدیث نقل کی ہے اُسی میں اس حدیث کے فوراً بعد اونٹ میں سات آدمی شریک ہونے والی حدیث بھی موجود تھی جس کا ذکر انہوں نے نہیں کیا وہ یہ ہے۔

روایت ہے جابر سے کہا انہوں نے زبح کیا ہم نے قربانی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے سات آدمیوں کی طرف سے۔

(ترمذی مترجم علامہ بدیع الزماں ج ا ص ۵۶۵)

امام ترمذی کے طرز سے پتہ چلتا ہے کہ دس والی بات پہلے کی ہے اور سات والی بعد کی کیونکہ محدثین کا یہ طریقہ ہے کہ پہلے زمانے کی حدیث پہلے ذکر کرتے ہیں اور ناسخ بعد میں۔ اس اصول سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

حدیث نمبر ۳:

حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا سات آدمیوں کی طرف سے اونٹ کو نحر کیا اور سات آدمیوں کی طرف سے ہی گائے کی قربانی کی۔ (مسلم شریف باب جواز الاشتراک فی الھدی)

حدیث نمبر ۴:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حج اور عمرہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور سات سات آدمی ایک قربانی میں شریک ہو گئے تھے۔ ایک شخص نے حضرت جابر سے دریافت کیا کہ جس طرح قربانی کے اونٹ میں شریک ہو سکتے ہیں کیا اسی طرح بعد کے خریدے ہوئے اونٹ میں بھی شرکت جائز ہے۔ انہوں نے کہا پہلے سے اور بعد میں خریدے ہوئے دونوں اونٹوں کا حکم ایک ہے۔ حضرت جابر حدیبیہ میں موجود تھے حضرت جابر نے کہا کہ ہم نے ستر اونٹ ذبح کیے اور ہر اونٹ میں سات آدمی شریک تھے۔ (مسلم شریف باب اشتراک فی الھدی)

ہم نے فعہ حنفی کے مسئلہ کو چار احادیث سے ثابت کر دیا ہے احادیث اور بھی ہیں مگر ماننے والے کے لیے یہ ہی کافی ہیں۔ رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے پہلے نمبر پر وہ منسوخ ہے اور دوسرے اس کی سند بھی ضعیف ہے چنانچہ امام ترمذی اس کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حسن ہے غریب ہے نہیں پہنچانتے ہم اس کو مگر فضل بن موسیٰ کی روایت سے۔ (ترمذی مترجم علامہ بدیع الزماں غیر مقلد ج۱ ص ۵۶۵)

اعتراض نمبر ⑲

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: پورے گھرانہ کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کفایت کر جائے گی۔

حدیث نبوی ﷺ

عن عطاء بن یسار قال سالت اباایوب الانصاری کیف کانت الضحایا فیکم علی عھد رسول اللہ ﷺ قال کان الرجل فی عھد النبی ﷺ یضحی بشاۃ عنه وعن اھل بیته فیاکلون ویطعمون ثم تباھی الناس فصار کماتری۔

(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں آدمی اپنے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری قربان کرتا تھا۔

(ابن ماجہ ج۲ ابواب الاضاحی باب من ضحی بشاۃ عن اھله ص۲۲۷، رقم الحدیث ۳۱۴۷)

فقہ حنفی

ویذبح عن کل واحد منھم شاۃ۔

(ھدایہ اخیرین ج۴ کتاب الاضحیۃ صفحہ: ۴۴۴)

(ترجمہ) ہر ایک کی طرف سے علیحدہ ایک بکری ذبح کی جائے گی۔

(فقہ وحدیث ص ۱۱۸)

جواب:

فقہ حنفی کا یہ حکم اس وقت ہے جب کہ سب کہ سب اپنے اپنے مال کے مالک ہوں اور سارے صاحب نصاب بھی ہوں اور عموماً ایسا ہوتا ہے۔ مثلاً باپ پر قربانی واجب ہے اور اس کی بیوی کے پاس دونوں طرف کا زیور ہوتا ہے اور بعض ماں کے بچے امیر ہوتے ہیں وہ اپنی ماں کو الگ سے خرچہ دیتے ہیں جس کی وجہ سے ماں خود بھی صاحب نصاب ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں ماں پر الگ قربانی واجب ہوگی اور بیٹوں پر الگ بعض خاندانوں میں بیٹے اپنا اپنا الگ کاروبار کرتے ہیں اور الگ کھاتے پیتے ہیں مگر رہتے ایک ہی گھر میں ہیں۔ اور خود صاحب نصاب بھی ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں ان سب پر اپنی الگ الگ قربانی واجب ہوگی۔ بعض دفعہ بیٹی ماں باپ سے بھی زیادہ امیر ہوتی ہے مگر رہتی ہے باپ کے گھر میں ایسی صورت میں اس پر الگ سے قربانی واجب ہوگی۔

ہاں اگر خاندان کا سربراہ ایک ہو۔ سب کا مال و دولت ایک ہی آدمی کے ہاتھ میں ہو اور سب کا خزانہ اکٹھا ہو۔ بیوی اور بچے صاحب نصاب نہ ہوں تو ایسی صورت میں صرف گھر کے سربراہ پر صاحب مال ہونے کی وجہ سے قربانی واجب ہوئی ہے وہ اپنی طرف سے ایک قربانی کرے گا۔ اور ایسے ایک قربانی وتمام اہل خانہ کی طرف سے قربانی کہہ سکتے ہیں۔

عقلی دلیل:

ہر مسلمان عاقل بالغ پر اسلام کے احکام الگ الگ عائد ہوتے ہیں۔ مثلاً

(۱) نماز۔ سب پر الگ الگ فرض ہے تمام گھر والے اپنی اپنی نماز پڑھیں گے۔

(۲) روزہ۔ بھی سب گھر والوں پر الگ الگ فرض ہے۔

(۳) زکوۃ۔ بھی سب گھر والے اپنی اپنی ادا کریں گے۔ اگر وہ سب مال دار ہیں اور صاحب

نصاب ہیں۔ اسی طرح صدقہ فطر بھی ہر ایک پر الگ الگ واجب ہوگا۔

(۴) حج بھی ہر ایک اپنی طرف سے الگ الگ کرے گا۔

ایسے ہی قربانی بھی ہر مال دار صاحب نصاب اپنی اپنی کرے گا چاہئے وہ ایک ہی گھر میں رہتے ہوں۔ بہت سے گھر اور خاندان ایسے ہیں کہ دادا پڑدادا بھی زندہ ہوتے ہیں اور ان کی اولادیں بھی اسی گھر میں رہتی ہیں تایا چاچا پھوپھی وغیرہ بھی دادا ہی کے مکان میں رہتے ہیں۔ وہ ایک ہی گھر کہلاتا ہے کیا ایسی صورت میں صرف ایک بکری قربانی کر دینے سے سب کی طرف سے ادا ہو جائی گی جبکہ اس گھر میں اکثر صاحب نصاب ہوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

فقہ حنفی کے دلائل

حنفی مسلک کے دلائل میں ایسے تمام دلائل شامل ہیں جن میں قربانی کی اہمیت اور فضیلت کا ذکر ہے۔ اور وہ ہر صاحب نصاب کے لیے ہیں جب تک کوئی ایسی وزنی دلیل ان کو چھوڑنے پر مجبور نہ کرے راشدی صاحب نے جو حدیث بقول کی ہے وہ اس درجہ کی نہیں، ہم پہلے اپنے دلائل نقل کرتے ہیں بعد میں اس حدیث کا جواب عرض کریں گے۔

قرآن حکیم میں اس قربانی کا ذکر کئی مقامات پر آیا ہے۔ پارہ نمبر ۲۳، سورۃ الصفت آیات نمبر ۹۹ تا ۱۰۸ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واقعہ کا ذکر موجود ہے۔ ہم یہاں پر صرف آیات کا ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

> ”اور ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے کہ میں تو اپنے رب کی طرف چلا جاتا ہوں وہ مجھ کو (اچھی جگہ) پہونچا ہی دے گا اے میرے رب مجھ کو ایک فرزند دے سو ہم نے ان کو حلیم المزاج فرزند کی بشارت دی سو جب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ برخوردار میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو (بامر الٰہی) ذبح کر رہا ہوں سو تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ وہ بولے کہ ابا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ (بلا تامل) کیجئے ان شاء اللہ آپ مجھ کو سہار کرنے والوں میں سے دیکھیں گے۔ غرض دونوں نے (خدا کے حکم کو) تسلیم کر لیا۔ اور باپ نے بیٹے کو (ذبح کرنے

کے لیے) کروٹ پر لٹایا اور (چاہتے تھے کہ گلا کاٹ ڈالیں اس وقت) ہم نے ان کو آواز دی کہ اے ابراہیم علیہ السلام (شاباش ہے) تم نے خواب کو خوب سچ کر دیکھایا (وہ وقت بھی عجیب تھا) ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں حقیقت میں یہ تھا وہ بڑا امتحان اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض دے دیا۔ اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات ان کے لیے رہنے دی۔“

دوسری آیت:

ولکل امة جعلنا منسکا لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقھم من بھیمة الانعام

(ترجمہ) اور (جتنے اہل شرائع گذرے ہیں ان میں سے) ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپاؤں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمائے تھے۔

(پارہ نمبر ۱۷ سورۃ الحج آیت نمبر ۳۴)

تیسری آیت:

قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین۔

(ترجمہ) تو کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لیے ہے جو پالنے والا سارے جہان کا ہے۔ کوئی نہیں اس کا شریک اور یہی مجھ کو حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلے فرمابردار ہوں۔

(پارہ نمبر ۸ سورۃ انعام آیت نمبر ۱۶۳)

چوتھی آیت:

انا اعطینک الکوثر ○ فصل لربک وانحر ○

(ترجمہ) بیشک ہم نے دی تجھ کو کوثر سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی کر۔ (پارہ نمبر ۳۰ سورۃ الکوثر آیت نمبر ۱۔۲)

حدیث نمبر ۱

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو قربانی کرنے کی طاقت ہو پھر وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ میں حاضر نہ ہو۔ (سنن ابن ماجہ ابواب الاضاحی اس حدیث پر امام ابن ماجہ نے اس طرح باب باندھا ہے۔ باب الاضاحی واجبة هی ام لا (ترجمہ) قربانی واجب ہونے اور نہ ہونے کا باب۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۱، مستدرک حاکم جلد ۴ ص ۲۳۲) سنن دارقطنی باب الصید الذبائع والاطمعۃ وغیر ذلک)

امام حاکم نے اس حدیث کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی نے ان کی تائید کی ہے ملاحظہ ہو المستدرک ج ۴ ص ۲۳۱ تلخیص مستدرک حافظ ذہبی یہ تلخیص مستدرک کے ساتھ ہی طبع شدہ ہے۔ شیخ البانی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے ملاحظہ فرمائیں صحیح سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۹۹ مولانا شمس الحق عظیم ابادی غیر مقلد نے تعلیق المغنی شرح دارقطنی میں لکھا ہے۔ حدیث ابن ماجہ کے راوی کلھم صحیح بخاری کے راوی ہیں مگر عبداللہ بن عیاش مسلم کا راوی ہے جس کی ایک حدیث مسلم میں ہے۔

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایسے مسلمان شخص کو جو قربانی کی طاقت رکھتا ہو یہ تنبیہ فرمائی ہے۔ جو گھر کے تمام افراد مرد ہو یا عورت بیٹا ہو یا بیٹی سب کو شامل ہے آپ نے کسی کو مستثنیٰ نہیں فرمایا اس لیے یہ حکم عام ہے۔

حدیث نمبر ۲:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتیرہ سے منع فرمایا؟ عتیرہ ایک ذبیحہ تھا جسے لوگ رجب میں ذبح کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عتیرہ سے منع کیا اور انہیں قربانی کرنے کا حکم دیا۔ (مسند بزار، مجمع الزوائد)

حدیث نمبر ۳:

جندب بن سفیان بجلی کہتے ہیں ہم نے ایک عید الاضحیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کی اس دن بعض لوگوں نے نماز عید سے پہلے ہی قربانی کر لی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ کر تشریف لائے تو

دیکھا کہ ان لوگوں نے نماز سے پہلی ہی قربانی کر لی ہے آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے نماز سے پہلے قربانی کی ہو وہ دوبارہ قربانی کرے جس نے قربانی نہ کی ہو وہ اب اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔ بخاری کتاب الذبائح والصید باب قول النبی ﷺ فلیذبح علی اسم اللہ۔ مسلم کتاب الاضاحی باب وقتھا نسائی کتاب الضحایا باب ذبح الضحیۃ قبل الامام۔

حدیث نمبر ۴:

ام بلال رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بھیڑ کے چھ ماہ کے بچے کی قربانی کرنے کا حکم دیا۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۹)

حدیث نمبر ۵:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس دن (بقر عید کے دن) ایسا کوئی عمل نہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک خون بہانے (یعنی قربانی کرنے) سے زیادہ محبوب ہو اور (قربانی کا) وہ ذبح کیا ہوا جانور قیامت کے دن اپنے سینگھ، بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون اس سے پہلے کہ زمین پر گرے یعنی ذبح کرنے کے ارادہ کے وقت ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو جاتا ہے لہٰذا تم اس کی وجہ سے (یعنی قربانی کی وجہ سے) اپنے نفس کو خوش کرو۔

(سنن ترمذی ابواب الاضاحی باب ماجاء فی فضل ال اضحیۃ۔ سنن ابن ماجہ ابواب الاضاحی باب ثواب الاضحیۃ۔ سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۶۱ مستدرک حاکم جلد نمبر ۴ ص ۲۲۱ و ص ۲۲۲ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۲۸، مصنف عبد الرزاق ج ۴ ص ۳۸۸)

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری قربانی کو قبول کرتا ہے اور اس کے بدلے تمہیں بہت زیادہ ثواب سے نوازتا ہے۔ تو قربانی کرنے کی وجہ سے تمہارے اندر کسی قسم کی کوئی تنگی یا کراہت نہیں ہونی چاہیے بلکہ اس عظیم بشارت کی وجہ سے تمہارے نفس کو مطمئین اور تمہارے دل کو خوش ہونا چاہیے۔ (مظاہر حق جدید جلد اول ص ۹۵۴، دار الاشاعت کراچی)

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ صرف ایک گھر میں اگر دس صاحب نصاب بھی ہوں تو صرف ایک ہی بکری کافی ہے۔ تو وہ ان لوگوں کو اس عظیم ثواب سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔

حدیث نمبر ۶:

حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب رضی اللہ عنہم نے سوال

کیا یا رسول اللہ یہ قربانیاں کیا ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں (یعنی ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ پھر اس میں ہمارے لیے کیا ثواب ہے آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے لیے ہر بال کے بدلے نیکی ہے۔ صحابہ کرام نے سوال کیا صوف (یعنی اون والے جانور کا بھی یہ ہی حکم ہے) آپ ﷺ نے فرمایا اون کے ہر بال کے بدلے نیکی ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۸، سنن ابن ماجہ ابواب الاضاحی باب ثواب الاضحیۃ مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۲۸۹ سنن الکبریٰ بیہقی جلد نمبر ۹ ص ۲۶۱۔ طبرانی کبیر حدیث نمبر ۵۰۹۳ ۱ الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۱۵۴، مشکوٰۃ ص ۱۲۹)

حدیث نمبر ۷:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ وہ روپیہ جو بقر عید کے دن قربانی کے لیے خرچ کیا جائے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۰، الترغیب والترہیب ج ۲، ص ۱۵۵، دارقطنی حدیث نمبر ۴۸۱۵ سنن الکبریٰ بیہقی جلد ۹، ص ۲۶۱۔

طبرانی کبیر حدیث نمبر ۱۰۷۳۵)

حدیث نمبر ۸:

حسین بن علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے خوش دلی کے ساتھ ثواب سمجھ کر قربانی کی وہ قربانی اس کے واسطے دوزخ سے حجاب بنے گی۔

(الترغیب والترہیب مترجم جلد اول کا دوسرا حصہ ص ۹۰۱) طبرانی کبیر حدیث نمبر ۲۶۷۰)

حدیث نمبر ۹:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے لوگو قربانی کرو اور ان کے خون بہانے کو ثواب سمجھو اگرچہ خون زمین پر گرتا ہے (یعنی تمہیں زمین پر گرتا ہوا نظر آتا ہے) مگر بے شک وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۰ الترغیب والترحیب مترجم جلد اول کا دوسرا حصہ ص ۹۰۱ طبرانی اوسط حدیث نمبر ۱۵۵۴)

حدیث نمبر ۱۰:

عمران بن حصین ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے بیٹی فاطمہ ؓ اپنی قربانی کے پاس کھڑی ہو اس لیے کہ اس کے خون کا پہلا قطرہ گرنے کے وقت تیرے تمام پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور آپ نے فرمایا اے فاطمہ یہ دعا پڑھو **ان صلاتی و نسکی و محیای ومماتی لله رب العلمين لا شريك له وبذلك امرت وانا اول المسلمين۔**

عمران بن حصین ؓ نے سوال کیا یا رسول اللہ یہ اجر (گناہوں کی تلافی والا) ہمیں بھی ملے گا یا صرف آپ ﷺ کے لیے یا آپ کی اہل بیت کے لیے خاص ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا (یہ اہل بیت کے ساتھ خاص نہیں) بلکہ یہ اجر تمام مسلمانوں کے لیے ہوگا۔

(مستدرک حاکم جلد نمبر ۴ ص ۲۲۲ سنن الکبری بیہقی جلد ۹ ص ۲۸۳ طبرانی کبیر حدیث نمبر ۱۵۰۰۲ طبرانی اوسط حدیث نمبر ۲۶۰۹ مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۰ نصب الرایہ ج ۴ ص ۵۱۴)

حضرت فاطمۃ الزہرا ؓ کے واقعہ والی یہ حدیث حضرت عمران بن حصین کے علاوہ کچھ الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب ؓ، حضرت ابو سعید خدری ؓ سے بھی مروی ہے۔

(دیکھیئے الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۵۴، المستدرک ج ۵ ص ۱۴۷، مجمع الزاوئد ج ۴ ص ۲۰ نصب الرایہ۔ ج ۴ ص ۵۱۴۔ المستدرک ج ۵ ص ۱۴۷، سنن الکبری ج ۹ ص ۲۸۳ کنز العمال ج ۵ ص ۲۲۱)

حدیث نمبر ۱۱:

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کسی چیز میں چاندی خرچ نہیں کی گئی جو اللہ تعالی کو زیادہ پیاری ہو اس قربانی سے جو عید کے دن کی جائے۔

(الترغیب والترھیب مترجم جلد وال کا دوسرا حصہ ص ۹۰۱)

ہم نے قربانی کے فضائل اور اس کی اہمیت قرآن وحدیث سے بیان کر دی ہے جو کہ ہر مسلمان کے لیے ہے جو قربانی کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔ وہ ضرور کرے اور اس اجر عظیم کو حاصل کرے پیسہ آنے جانے والی چیز ہے مگر یہ وقت پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔

حضور اکرم ﷺ نے ہر سال قربانی کی ہے اور صحابہ کرام بھی کربانیاں کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کا عمل مبارک

حدیث نمبر ۱۲:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات اونٹ کھڑے کر کے اپنے ہاتھ سے نحر کیے۔ (بخاری کتاب الحج باب من نحر بیدہ)

اس حدیث میں اکیلے صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سات اونٹ ذبح کرنا ثابت ہوا۔

حدیث نمبر ۱۳:

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ کی ایک لمبی حدیث نقل کی ہے جو مسلم کے باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مذکور ہے اس میں آتا ہے۔

پھر آپ منیٰ گئے اور وہاں تریسٹھ اونٹوں کو اپنے ہاتھوں سے نحر (قربان) کیا پھر باقی اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نحر کے لیے دیئے۔ (سنن ابو داود کتاب المناسک، سنن ابن ماجہ کتاب المناسک)

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ہاتھ سے ۶۳ تریسٹھ اونٹوں کی قربانی کرنا ثابت ہے۔

حدیث نمبر ۱۴:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سو اونٹوں کی قربانی کی آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کے گوشت کو تقسیم کروں پھر مجھے حکم دیا کہ میں ان کی جھولوں اور ان کی کھالوں کو تقسیم کروں۔

(بخاری کتاب الحج باب یتصدق بجلال البدن)

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکیلے سو اونٹ ذبح کرنے کا ذکر ہے۔

حدیث نمبر ۱۵:

حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن حضرت عائشہ کی طرف سے ایک گائے ذبح کی۔ (مسلم مشکوۃ باب الھدی)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قربانی بھی کرتے تھے اور اپنی بیوی کی طرف سے بھی کرتے تھے۔

سارے گھر کی طرف سے ایک قربانی کرنے والی روایت اس صحیح حدیث کے خلاف ہے۔

حدیث نمبر ۱۶:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر

ازواج مطہرات کی طرف سے ایک گائے ذبح کی۔ (مسلم، مشکوۃ باب لھدی)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ اپنی ازواج کی طرف سے قربانی کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۷:

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے زبح کی۔

(بخاری کتاب الاضاحی باب عن ذبح ضحیۃ)

گائے ذبح کرنے کا ذکر کئی احادیث میں آیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

(بخاری ج۱ ص۲۳۱۔ ۲۳۲، مسلم ج۱ ص ۲۴۴، مشکوۃ ص۲۳۱، بخاری ج ۲ ص ۸۳۴ نصب الرایہ جلد نمبر ۴ ص ۵۰۹، مسند احمد ج۷ ص۳۹، ابن ماجہ ص ۲۳۳، ابوداؤد ج۱ ص ۳۴۴، ابوداؤد ج۱ ص ۴۲۴، ابن ماجہ، ص ۲۲۳)

آپ ﷺ کا دو مینڈھوں کی قربانی دینا

حدیث نمبر ۱۸:

حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے دو چت کبرے مینڈھوں کی قربانی دی میں نے دیکھا آپ اپنا پاؤں ان کے منہ کے ایک جانب رکھے ہوئے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر اپنے ہاتھ سے زبح فرمارہے تھے۔

(بخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح الاضاحی بیدہ) (مسلم کتاب الاضاحی باب استحبا الضحیۃ وذبحہا مباشرۃ بلا توکیل)

اس حدیث سے بھی ایک سے زیادہ قربانی کرنا ثابت ہوا۔

حدیث نمبر ۱۹:

حضرت حنش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضرت علی نے دو مینڈھوں کی قربانی کی ایک مینڈھا نبی کریم ﷺ کی طرف سے اور ایک میڈھا اپنی طرف سے اور فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ میں ان کی طرف سے قربانی کروں۔ لہٰذا میں ہمیشہ ان کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ (مسند احمد جلد نمبر ۲، ص ۳۱۶ _ ۳۱۷ حدیث نمبر ۱۲۷۸_ ابوداؤد کتاب الضحایا باب الاضحیۃ عن المیت۔ ترمذی ابواب الاضاحی باب فی الاضحیۃ بکبشین۔ مستدرک حاکم کتاب ال اضاحی)

اس حدیث سے بھی دو قربانیاں کرنا ثابت ہوتا ہے۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے قرآن، سنت صحابہ کرام اور سنو صالحین کے عمل کے خلاف ایک منسوخ اور وہ بھی سخت ضعیف روایت پیش کرنا کوئی دانش مندی نہیں۔

اعتراض نمبر ⑧⓪

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: سفر میں بھی جمع بین الصلاتین کرنا مسنون ہے

حدیث نبوی ﷺ

عن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ یجمع بین صلوۃ الظھر والعصر اذا کان علی ظھیر سیر ویجمع بین المغرب والعشاء

(ترجمہ) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر کی تیاری کے وقت ظہر اور عصر ایک وقت میں، مغرب اور عشاء ایک وقت میں جمع کرتے تھے۔

(بخاري ج۱ ابواب تقصير الصلاة، باب الجمع في السفر بين المغرب والعشاء صفحه ۱۴۹، رقم الحديث ۱۱۰۷)

فقہ حنفی

ولا یجمع فرضان فی وقت بلا حج۔

(شرح الوقاية مع عمدة الرعاية كتاب الصلاة باب المواقيت جلد ۱ ص ۱۳۲، طبع ايچ ايم سعيد كمپني كراچي)

(ترجمہ) دو فرض نمازیں ایک ہی وقت میں جمع کرنا حج کے علاوہ باقی ایام میں جائز نہیں۔ (فقہ وحدیث ص ۱۱۹)

جواب:

دو فرض نمازوں کو جمع کرنے کے دو طریقے ہیں پہلا طریقہ جمع حقیقی دوسرا طریقہ جمع صوری

پھر جمع حقیقی کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: جمع تقدیم:

ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر کو اور مغرب کے وقت میں مغرب اور عشاء کو اکٹھا پڑھ لیا جائے۔

دوسری قسم: جمع تاخیر:

عصر کے وقت میں ظہر اور عصر کو اور عشاء کے وقت میں مغرب اور عشاء کو اکٹھا پڑھ یا جائے۔

ان دونوں صورتوں میں ایک ایک نماز ضرور بے وقت پڑھنی پڑتی ہے۔

جمع صوری:

ظہر کی نماز ظہر کے آخری وقت میں اور عصر کی نماز اس کے اول وقت میں پڑھ لی جائے ۔ اسی طرح مغرب کی نماز آخر وقت میں غروب شفق سے پہلے اور عشاء کی نماز کو اول وقت میں غروب شفق کے فوراً بعد پڑھ لیا جائے اس صورت میں ہر ہر نماز اپنے اپنے وقت میں پڑھی جاتی ہے کوئی نماز بے وقت نہیں پڑھی جاتی اس لیے اس کو جمع حقیقی نہیں جمع صوری کہتے ہیں۔ یہ سفر میں بالاتفاق جائز ہے راشدی صاحب نے جو حدیث بخاری کے حوالے سے نقل کی ہے اس سے یہی جمع صوری مراد ہے۔ اس مسئلہ میں فقہ حنفی کا نظریہ قرآن وسنت کے مطابق ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ حج کے موقع پر مزدلفہ اور عرفات کے سوا، دو نمازوں کو ایک نماز کے وقت میں جمع کر کے پڑھنا درست نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر نماز کا ایک متعین ومحدود وقت مقرر کیا ہے اور اس کا منشا یہی ہے کہ ہر نماز کو اس کے اپنے وقت میں ادا کیا جائے۔

(۱) چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

’’بے شک نماز، مومنوں پر، ایک مقرر وقت کے اندر فرض کی گئی ہے۔‘‘

(سورہ نساء: ۱۰۳)

(۲) صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’کسی نماز کا وقت اس وقت تک داخل نہیں ہوتا، جب تک کہ دوسری نماز کا وقت نکل نہ جائے۔‘‘ (ج ۱، ص ۵۸)

(۳) ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’ظہر کا وقت، اس وقت تک باقی رہتا ہے، جب تک کہ عصر کا وقت نہ آجائے۔‘‘

(ج ۱، ص ۵۸)

(۴) ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور طحاوی میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’نیند کی حالت میں (نماز رہ جانے میں) کوتاہی نہیں ہے...... کوتاہی تو بیداری کی حالت میں ہے کہ آدمی ایک نماز کو دوسری نماز تک موخر کردے۔‘‘

(ابوداؤد ج ۱، ص ۶۳)

(۵) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انبیاء کی نیک اولاد اور پیروکاروں کے گزر جانے کے بعد ایسے لوگ آ گئے کہ جنہوں نے نمازیں ضائع کرنا شروع کر دیں۔ (مریم:۵۹) اس کی تفسیر میں عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ نمازیں ضائع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نمازوں کو اپنے اوقات سے موخر کر کے دوسرے اوقات میں پڑھا کرتے تھے۔

(عمدۃ القاری و معالم التنزیل للبغوی ؒ)

نمازوں کے اوقات کی تعیین وتحدید تواتر سے ثابت ہے اور مندرجہ بالا قطعی دلائل سے ثابت ہے کہ نمازوں کے اپنے اوقات کو چھوڑ کر ان کو دوسری نمازوں کے اوقات تک موخر کرنا بالکل ناجائز ہے۔ اس سے صرف ایک استثناء رسول اللہ ﷺ کی سنت متواترہ سے ثابت ہے کہ حج کے موقع پر عرفات میں عصر کی نماز کو ظہر کے وقت میں اور مزدلفہ میں مغرب کی نماز کو عشاء کے وقت میں جمع کر کے پڑھا جائے۔ اس کے علاوہ کسی موقع پر حضور ﷺ نے دو نمازوں کو جمع نہیں کیا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ، جو آپ ﷺ کے سفر وحضر کے ساتھی اور افقہ الامت کے لقب سے ملقب ہیں، فرماتے ہیں:

"حضور ﷺ نے کوئی نماز اپنے وقت کے علاوہ کسی اور وقت میں نہیں پڑھی، مگر عرفہ اور مزدلفہ میں (حج کے موقع پر)" (نسائی ج۱ص۳۶)

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اُس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے بظاہر یہ نمازیں اکٹھی پڑھی ہیں ہم کہتے ہیں کہ یہ جمع حقیقی نہیں تھیں بلکہ جمع صوری ہیں کیوں کہ حضور ﷺ نے کوئی نماز اپنی وقت سے ہٹ کر نہیں پڑھی، بلکہ آپ ﷺ نے ان نمازوں میں "جمع صوری" کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ظہر کی نماز اس کے بالکل آخری وقت میں اور عصر کی نماز اس کے بالکل ابتدائی وقت میں ادا فرمائی۔ یہی معاملہ مغرب اور عشاء کا ہے۔ اس طرح بظاہر دونوں نمازیں جمع ہو گئیں، لیکن درحقیقت ہر نماز اپنے اپنے وقت میں ادا کی گئی۔ اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ

"میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ کو سفر میں جلدی ہوتی تو آپ مغرب کی نماز کو موخر کر دیتے تھے، یہاں تک کہ مغرب اور عشاء کو جمع کر کے

پڑھتے۔ عبداللہ بن عمر ؓ کے بیٹے سالم بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر ؓ کو بھی جب سفر میں جلدی ہوتی تو وہ بھی ایسے ہی کرتے تھے۔ مغرب کی تین رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیتے، پھر تھوڑا سا ٹھہر کر (تا کہ عشاء کے وقت کا دخول یقینی ہو جائے) عشاء کی نماز ادا کرتے تھے۔" (ج ۱ ص ۱۴۹)

عبداللہ بن عمر ؓ کے اس طریقہ میں جمع صوری پر دلیل ملنے کا حافظ ابن حجر ؒ نے بھی اعتراف کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۴۶۵)

(۲) سنن ابوداؤد میں روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر ؓ کے موذن نے، سفر کے دوران میں ان سے کہا کہ نماز پڑھ لیجئے۔ انہوں نے کہا کہ ابھی چلتے رہو۔ پھر جب شفق غروب ہونے میں کچھ وقت رہ گیا تو انہوں نے اتر کر مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر شفق غروب ہونیکا انتظار کیا اور اس کے بعد عشاء کی نماز ادا کی۔ پھر کہا کہ حضور ﷺ کو جب کسی وجہ سے جلدی در پیش ہوتی تو اسی طرح کرتے تھے جیسے میں نے کیا۔ (ج ۱ ص ۱۷۱)

(۳) صحیح مسلم میں عبداللہ ابن عباس ؓ کی روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ (ظہر وعصر کی) آٹھ رکعتیں اکٹھی اور (مغرب وعشاء کی) سات رکعتیں اکٹھی پڑھی ہیں۔ (راوی کہتے ہیں) میں نے کہا: اے ابوالشعثاء، میں گمان کرتا ہوں کہ حضور ﷺ نے ظہر کی نماز کو موخر کر کے اور عصر کی نماز کو معجّل کر کے پڑھا۔ اسی طرح مغرب کی نماز کو موخر کر کے اور عشاء کی نماز کو معجّل کر کے پڑھا۔ ابوالشعثاء نے کہا، ہاں میرا بھی یہی گمان ہے۔

(ج ۱ ص ۲۴۶)

(۴) موطا امام محمد میں روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب ؓ نے مملکت کے مختلف علاقوں کی طرف خط لکھا اور اس میں لوگوں کو منع کیا کہ وہ دو نمازوں کو جمع کریں، اور ان کو خبر دی کہ دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ (ص ۱۲۹، ۱۳۰)

(۵) عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مغرب اور عشاء کو جمع کیا کرتے تھے، اس طرح کہ مغرب کو اس کے آخری وقت میں جبکہ عشاء کو اس کے اول وقت میں ادا فرماتے۔

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۵۹)

(۶) ابو سعید الخذری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع کیا، اس طرح کہ مغرب کو موخر کیا اور عشاء کو معجل کیا اور اس طرح دونوں کو جمع کر کے پڑھا۔

(مجمع الزوائد، ایضاً)

(۷) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ جب تم میں کسی کو حاجت پیش آ جائے اور وہ چاہے کہ مغرب کو موخر اور عشاء کو معجل کر کے دونوں کو اکٹھا کر کے پڑھے تو وہ ایسے کر سکتا ہے۔ (اخرجہ ابن جریر، کنز العمال ج ۴،ص ۱۱۷)

(۸) امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں یہ معلوم نہیں کہ آپ نے سفر یا حضر میں دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھا ہو مگر (حج کے موقع پر) عرفہ میں، جہاں ظہر اور عصر کو جمع کیا جاتا ہے اور مزدلفہ میں، جہاں مغرب اور عشاء کو اکٹھا پڑھا جاتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲،ص ۴۵۹۔ بیہقی ج ۳،ص ۱۶۹)

یہ روایات جمع بین الصلوتین کی روایتوں کو جمع صوری پر محمول کرنے میں بالکل صریح ہیں۔ علاوہ ازیں ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں کسی خوف یا بارش کی حالت کے بغیر ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع کیا۔ (ج ۱،ص ۲۶) اس مضمون کی روایتیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (مجمع الزوائد ج ۲،ص ۱۶۱) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ (مصنف عبدالرزاق ج ۲،ص ۵۵۶) اور جابر بن عبداللہ (طحاوی ج ۱،ص ۹۷) سے بھی مروی ہیں۔ ان روایات کو تمام اہل علم بالاتفاق جمع صوری پر محمول کرتے ہیں، کیونکہ جن ائمہ کے نزدیک دو نمازوں کو حقیقتاً ایک وقت میں جمع کرنا جائز ہے، ان کے نزدیک یہ اجازت عذر، مثلاً حالت سفر، کے ساتھ مشروط ہے، جب کہ ان روایات میں تصریح ہے کہ مدینہ میں بغیر کسی عذر کے جمع بین الصلوتین کی گئی۔ چنانچہ جب ان روایات کو جمع صوری پر محمول کیا جاتا ہے تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ باقی روایات کو بھی، شریعت کے اصول کلیہ کی روشنی میں جمع صوری ہی پر محمول کیا جائے؟ بالخصوص جبکہ خود روایات ہی میں اس کی صراحت بھی موجود ہے؟

اعتراض نمبر ۸۱

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: قربانی نفل ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

ثلاث هن علی فرائض وهن لکم تطوع الوتر والنحر والضحی۔

(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین کام مجھ پر فرض ہیں اور تمہارے اوپر نفل: (۱) وتر (۲) قربانی اور (۳) صلاۃ الضحیٰ (یعنی چاشت کی نماز)

(رواه الامام احمد في مسنده ج۱ص۲۳۱، رقم الحدیث ۲۰۵۰، طبع مؤسسة قرطبه مصر، ورواه الحاکم في کتاب الوتر ج۱ص۳۰۰، رقم الحدیث ۱۱۱۹، طبع دار الکتب العلمیه بیرت)

(السنن الکبری للبیهقي ج۲ص۴۶۸ رقم الحدیث ۴۲۴۸)

فقہ حنفی

الاضحية وجبة علی کل مسلم۔

(هدایه اخیرین ج۴ کتاب الاضحیة صفحه ۴۴۳)

(ترجمہ) قربانی ہر مسلمان پر واجب ہے۔ (فقہ و حدیث ص ۱۲۰)

جواب:

یہ روایت ضعیف ہے اس کی سند میں ابو جندب یحییٰ بن یحییٰ حیہ ضعیف اور مدلس ہے۔ راشدی صاحب کے نزدیک قربانی کرنا نفلی عبادت ہے جیسا کہ اس مسئلہ کی سرخی جو انہوں نے قائم کی ہے سے ثابت ہوتا ہے۔ غیر مقلدین کو خوش ہونا چاہیے کہ قربانی سے چھٹی ہوگئی۔ کیونکہ نفل عبادت کا انسان کو اختیار ہوتا ہے کہ کرو تو ثواب نہ کرو تو کوئی گناہ نہیں۔

حنفی مذہب کے دلائل

احناف کے ہاں ہر صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے فرض، واجب، رکن، سنت موکدہ، سنت غیر موکدہ، نفل وغیرہ کی اصلاحات فقہاء و محدثین اور اصولین نے وضع کیں ہیں۔ قرآن و سنت اور نبی کریم ﷺ و صحابہ کرام کے عمل مبارک کو دیکھ کر علماء نے آسانی کے لیے ہر ایک عمل کا حکم الگ الگ اپنی کتب میں لکھ دیا ہے۔ اور ان اصطلاحات کا استعمال غیر مقلد بھی کرتے ہیں قربانی کے واجب ہونے کا اقرار خود غیر مقلد علماء نے بھی کیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا محمد یونس دہلوی غیر مقلد لکھتے ہیں۔

کہ علماء کا اختلاف ہے کہ قربانی واجب ہے کہ سنت موکدہ بہت سے علماء قربانی کو واجب بتاتے ہیں اور اس کے وجوب پر آیت فصل لربک والنحر سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن جمہور علماء سنت موکدہ ہونے کے قائل ہیں لیکن جانبین کی دلیلوں پر غور کیا گیا تو معلوم ہوا جو لوگ وجوب کے قائل ہیں ان کے دلائل مستحکم اور مضبوط ہیں۔ بدور الاھلہ میں، طرفین کے دلائل کی خوب تحقیق کی گئی ہے۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ جسے قربانی کا اس قدر مقدور ہو کہ ایک بکرا یا مینڈھا یا بھیڑ خواہ نر ہو یا مادہ خرید سکتا ہے اسے قرانی کرنا واجب ہے۔ (دستور المتقی فی احکام النبی ص ۱۵۶)

امام ابوحنیفہ اور بعض دیگر آئمہ کرام یہ فرماتے ہیں قربانی واجب ہے۔ امام نووی شافعی شرح مسلم ج ۲ ص ۱۳۵ میں اور قاضی شوکانی نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۱۸ میں لکھتے **قال الربيعة والاوزاعى وابو حنيفه والليث هى واجبة على الموسر وبه قال بعض المالكية وقال النخى وجبة على الموسر الا الحاج**۔ علامہ بدر الدین البعلی الحنبلی مختصر الفتاوی المعریہ ج ۱ ص ۵۲۲ میں لکھتے ہیں۔ **وفى وجب الاضحية قولان لا احمد ومالك وغيره هما**۔ الخ

قربانی کے وجوب کے چند دلائل حسب ذیل ہیں

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو قربانی کرنے کا حکم دیا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

فصل لربك والنحر

اپنے رب کے لیے نماز پڑھیئے اور قربانی دیجئے۔ (الکوثر آیت نمبر ۲)

علامہ ابن جوزی نے اللہ تعالیٰ کے فرمان والنحر کی تفسیر میں پانچ اقوال نقل کئے ہیں اور ان میں سے پہلا قول یہ ہے کہ قربانی کے دن جانور ذبح کرو یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، امام عطاء، امام مجاہد اور جمہور علمائے امت کا ہے۔ (زاد المیر فی علم التفسیر جلد نمبر ۹ ص ۲۴۹)

اکثر اصول کی کتابوں میں یہ اصول لکھا ہے والامر للوجوب یعنی جس چیز کا حکم اور امر ہو وہ کم از کم واجب ہوا کرتا ہے لہٰذا قربانی واجب ہوئی۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

قل ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین۔ لا شریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین۔

(ترجمہ) تو کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لیے ہے جو پالنے والا سارے جہان کا ہے۔ کوئی نہیں اس کا شریک اور یہی مجھ کو حکم ہوا ہے۔ اور میں سب سے پہلے فرمانبردار ہوں۔ (پارہ نمبر ۸ سورۃ انعام آیت نمبر ۱۶۳)

اس آیت کریمہ میں بھی قربانی کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس آیت میں امرت کا لفظ ہے جس کا معنی یہی ہے۔ کہ مجھے نماز اور قربانی کرنے کا امر ہوا۔ اور جس کا حکم اور امر ہو وہ اگر فرض نہ ہو تو واجب ہوا کرتا ہے لہٰذا اس سے واضح ہوا کہ قربانی واجب ہے۔

حدیث نمبر ۱:

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں دس سال رہے اور ہر سال قربانی کرتے رہے۔ (ترمذی ابواب الاضاحی ج ا ص ۱۸۲)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ آپ نے قربانی کرنے پر مواظبت کی ہے اور یہ مواظبت وجوب پر دلالت کرتی ہے۔

علامہ ابن رشد مالکی بدایۃ ج ا ص ۴۱۵ میں لکھتے ہیں۔

انہ لم یترک رسول اللہ ﷺ الضحیۃ قط فیما روی عنہ حتی فی السفر

کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے کبھی قربانی ناغہ نہیں کی یہاں تک کہ سفر میں بھی

حدیث نمبر ۲:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص میں طاقت ہو اور پھر وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے پاس نہ آئے۔ (ابن ماجہ باب الاضاحی واجبۃ ھی لا ۲۳۳)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ اس شخص کو تنبیہ فرما رہے ہیں (یعنی ناراضگی اور غصے کا اظہار فرما رہے ہیں) جو قربانی کرنے کی طاقت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرے۔ اتنی سخت تنبیہ نفل چھوڑنے پر نہیں کی جاتی۔ واجب چھوڑنے پر ہوا کرتی ہے تو اس سے روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ قربانی واجب ہے۔

حدیث نمبر ۳:

جندب بن سفیان بجلی کہتے ہیں:

ہم نے ایک عیدالاضحیٰ آنحضرت ﷺ کے ساتھ کی اس دن بعض لوگوں نے نماز عید سے پہلے ہی قربانی کر لی جب آپ ﷺ نماز پڑھ کر تشریف لائے۔ تو دیکھا کہ ان لوگوں نے نماز سے پہلے ہی قربانی کر لی ہے آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے نماز سے پہلے قربانی کی ہو وہ دوبارہ قربانی کرے۔ جس نے قربانی نہ کی ہو وہ اب اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔ (بخاری ج ۲ ص ۸۳۴) کتاب الاضاحی باب من ذبح قبل الصلاۃ اعاد، مسلم ج ۲ ص ۱۰۰ کتاب الاضاحی باب وقتھا) اس روایت میں آنحضرت ﷺ کا واضح حکم ہے قربانی کے اعادہ کا اس شخص کو جس نے نماز سے پہلے قربانی کی تھی۔

عید کی نماز سے پہلے شہر میں قربانی کرنا جائز نہیں تھا۔ آپ ﷺ کا یہ حکم کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قربانی کرنا نفل نہیں بلکہ واجب ہے۔ ورنہ دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دینے کا کوئی معنی نہیں۔

حدیث نمبر ۴:

حضرت انس بن مالک ؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عیدالاضحیٰ کے دن فرمایا جس نے نماز سے پہلے ذبح کر لیا ہو وہ دوسرا جانور ذبح کرے۔ الخ

(بخاری کتاب الاضاحی باب ما یشتھی من اللحم یوم النحر)

اس حدیث میں بھی دوبارہ کرنے کا حکم ہے اگر قربانی نفل ہوتی تو آپ ﷺ دوبارہ کرنے کا حکم نہ دیتے آپ کا دوبارہ حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ قربانی واجب ہے۔

حدیث نمبر ۵:

ام بلال ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بھیڑ کے چھ ماہ کے بچے کی قربانی کرنے کا حکم دیا۔ (مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۱۹)

حدیث نمبر ۶:

روایت ہے عقبہ بن عامر سے کہ رسول اللہ ﷺ نے دیں ان کو بکریاں کہ بانٹ دیویں اس کو حضرت کے صحابہ میں قربانی کے لیے سو باقی رہ گئی اس میں سے ایک عتود یا ایک جدی سو ذکر کیا میں

نے رسول اللہ ﷺ سے سوفرمایا آپ ﷺ نے اس کی تم قربانی کردو۔

(ترمذی ابواب الاضاحی باب فی الجذع من الضان فی الاضاحی)

ہم نے چھ روایات ایسی نقل کی ہیں جن میں امر موجود ہے اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔

علمائے کرام کے حوالہ۔ ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابوبکر جصاص رازی کا حوالہ

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے نسک کو صلوٰۃ کے ساتھ ملا کہ بیان فرمایا تو اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہاں صلوٰۃ سے عید اور قربانی مراد ہے اور اس سے قربانی کا وجوب بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ (وبذالک امرت) موجود ہے اور امر سے وجوب ثابت ہوتا ہے) (احکام القرآن ج ۳ ص ۳۴)

امام شوکانی غیر مقلد رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ

امر مطلق وجوب کے لیے آتا ہے۔ جیسا کہ قاضی شوکانی فرماتے ہیں۔

والامر ظاهر فی الوجوب۔ (نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۱۹)

اعتراض نمبر (۸۲)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: وتر کی تین رکعات کے درمیان سلام پھیرنا

حدیث نبوی ﷺ

عن عبداللہ بن عمر قال کان النبی ﷺ یفصل بین الشفع والوتر بتسلیم یسمعنا۔

(ترجمہ) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ وتر میں دو رکعتیں اور تیسری رکعت کے درمیان سلام سے فاصلہ کرتے تھے۔

(صحیح ابن حبان. کتاب الوتر. ذکر الخبر المصرح بالمفصل بین الشفع والوتر رقم الحدیث ۲۴۳۴، طبع مؤسسہ الرسالہ بیروت)(موارد الظمآن. باب الفصل بین الشفع والوتر رقم الحدیث ۶۷۸. طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)

فقہ حنفی

الوتر ثلاث رکعات لایفصل بینھن بسلام۔

(ھدایہ اولین ج۱ کتاب الصلوۃ باب صلاۃ الوتر صفحہ ۱۴۴)

(ترجمہ) وتر تین رکعتیں ہیں۔ درمیان میں سلام بھی نہیں پھیرا جائے گا۔

(فقہ وحدیث ص ۱۲۱)

جواب:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ وتر کی تین رکعات متعین ہیں، ایک رکعت وتر پڑھنا جائز نہیں۔ اور یہ تین رکعات بھی صرف ایک سلام اور دو تشہدوں کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔ دو رکعتوں پر سلام پھیر کر تیسری رکعت الگ پڑھنا بھی درست نہیں۔ امام صاحب کے مسلک کے دلائل درج ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۱:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔ (نسائی ج۱ ص ۲۴۸، مستدرک حاکم ج۱ ص ۳۰۴۔ امام حاکم اور امام ذہبی نے اس حدیث کو بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے)

حدیث نمبر ۲:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کے بعد گھر تشریف لاتے۔ پھر (رات کو) دو رکعتیں پڑھتے، پھر دو رکعتیں پڑھتے۔ پھر تین رکعات وتر ادا کرتے اور ان تین رکعتوں میں فصل نہیں کرتے تھے (یعنی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے) مسند احمد بحوالہ تلخیص الحبیر ج۱ ص ۱۱۶ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ شافعی نے اس پر سکوت کیا ہے۔

حدیث نمبر ۳:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعات وتر پڑھتے تھے اور سب سے آخری رکعت میں سلام پھیرتے تھے۔

(مستدرک حاکم ج۱ ص ۳۰۴ اس روایت کو حاکم اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔)

حدیث نمبر ۴:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی کتنی رکعات پڑھتے تھی تو انہوں نے فرمایا کہ کبھی چار رکعات (تہجد) اور تین رکعت (وتر) کبھی چھ اور تین، کبھی آٹھ اور تین اور کبھی دس اور تین۔ (طحاوی ج۱ ص ۱۶۸، سنن الکبری بیہقی ج ۳ ص ۲۸)

حدیث نمبر ۵:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ تین رکعات وتر پڑھتے تھے اور ان میں سے پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ دوسری میں سورۃ الکافرون اور تیسری میں سورۃ الاخلاص پڑھتے تھے۔

(مستدرک حاکم ج ۲ ص ۵۲۔ امام حاکم اور ذہبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔)

حدیث نمبر ۶:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات وہ حضور اکرم ﷺ کے ہاں سوئے۔ رات کو آنحضرت ﷺ نے تہجد کی نماز پڑھی اور آخر میں تین رکعات وتر پڑھیں۔

(مسلم ج ا ص ۲۶۱)

حدیث نمبر ۷:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وتر کی تین رکعات ہیں جیسے نماز مغرب کی تین رکعات ہیں۔ (طحاوی ج ا ص ۱۷۳، موطا امام محمد ص ۱۴۶)

حدیث نمبر ۸:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ وتر کی پہلی رکعت میں سورہ اعلیٰ، دوسری میں سورہ کافرون اور تیسری میں سورہ اخلاص پڑھتے اور ان کی صرف آخری رکعت میں سلام پھیرتے تھے۔

(نسائی ج ا ص ۲۴۹، اس کی سند کو امام عراقی نے حسن قرار دیا ہے: نیل الاوطار ج ۲ ص ۷۹، دار قطنی ج ا ص ۱۷۵)

حدیث نمبر ۹:

مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے تین رکعات وتر پڑھیں اور صرف آخری رکعت میں سلام پھیرا۔ (طحاوی ج ا ص ۱۷۳)

حدیث نمبر ۱۰:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے تین رکعات وتر پڑھیں اور صرف آخری رکعت میں سلام پھیرا۔ (طحاوی ج ا ص ۱۷۶، ابن حجر عسقلانی شافعی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے: (درایہ ص ۱۱۵)

حدیث نمبر ۱۱:

حضرت عبداللہ بن عمر سے وتر کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ کیا تم دن کی نماز وتر کو جانتے ہو؟ سائل نے کہا ہاں نماز مغرب ہے تو فرمایا تم نے سچ کہا۔

(طحاوی ج ۱ ص ۱۶۴۔ حافظ ابن حجرؒ نے درایہ میں اس پر سکوت کیا ہے ص ۱۱۳)

حدیث نمبر ۱۲:

ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ (یہ جلیل القدر تابعی ہیں) سے وتر کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے ہمیں وتر کی نماز مغرب کی نماز کی طرح سکھائی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہم وتروں کی تیری رکعت میں بھی قرأت کرتے ہیں۔ گویا یہ رات کے وتر ہیں اور وہ دن کے۔

(طحاوی ج ۱ ص ۱۷۳)

حدیث نمبر ۱۳:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وتر کی کم از کم رکعات تین ہیں۔

(موطا امام محمد ۱۴۱)

حدیث نمبر ۱۴:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تین رکعت وتر چھوڑ دوں اور مجھے سرخ اونٹ مل جائیں۔ (موطا امام محمد ص ۱۴۱)

حدیث نمبر ۱۵:

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وتر مغرب کی نماز کی طرح ہیں۔ (موطا امام محمد ص ۱۴۱)

حدیث نمبر ۱۶:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کے وتر تین ہیں، جیسے دن کے وتر یعنی نماز مغرب تین ہیں۔ (دارقطنی ج ۱ ص ۱۷۳ ایسی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے)

حدیث نمبر ۱۷:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ مجھ سے زیادہ قابل اعتماد آدمی کوئی نہیں بتا سکتا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رکعات وتر پڑھیں اور سب سے آخری رکعت میں سلام پھیرا۔ (کنز العمال ج ۴ ص ۱۹۶)

حدیث نمبر ۱۸:

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ وتر تین رکعات ہیں ان کی صرف آخری رکعت میں سلام پھرا جائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

حدیث نمبر ۱۹:

تابعین کے دور میں مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ سعید بن المسیب عمروہ بن زبیر قاسم بن عبدالرحمن خارجہ بن زید عبید اللہ بن عبداللہ سلیمان بن یسار کا اتفاق ہے کہ وتر کی تین رکعات ہیں اور ان کی صرف آخری رکعت میں سلام پھیرا جائے گا۔ (طحاوی ج ۱ ص ۱۷۵)

حدیث نمبر ۲۰:

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دم کٹی نماز سے منع فرمایا کہ آدمی ایک رکعت وتر پڑھے۔ (التمہید الا بن عبدالبر، معارف السنن ج ۴ ص ۲۳۷ ۱اعلاء السنن ج ۶ ص ۵۳ ـ ۵۴)

ان واضح اور صریح دلائل کے پیش نظر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ و مقلدین فرماتے ہیں کہ جن روایات سے ایک وتر پڑھنا یا تین رکعات دو سلاموں کے ساتھ پڑھنا معلوم ہوتا ہے۔ وہ ابتدائی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور منسوخ ہیں۔

اعتراض نمبر ۸۳

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: سلام پھیرے بغیر نماز مکمل نہیں ہوگی

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی فی الصلاۃ) تحریمها التکبیر و تحلیلها التسلیم۔

(ترجمہ) سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز کے بارے میں) فرمایا کہ نماز میں تکبیر سے ہی دخل اور سلام سے ہی خارج ہوا جا سکتا ہے۔

(ترمذي ج ۱ ابواب الطهارة باب ماجاء مفتاح الصلاة الطهور صفحه ۲، رقم الحديث ۳)

فقہ حنفی

وان تعمد الحدث فی ھذہ الحالۃ او تکلم او عمل عملا ینافی الصلاۃ تمت صلاتہ۔

(ھدایہ اولین ج۱ کتاب الصلوٰۃ باب الحدث فی الصلاۃ صفحہ ۱۳۰)

(ترجمہ) سلام کے عوض کوئی بھی کام کیا جو نماز کے منافی تھا یا بات چیت کی یہاں تک کہ جان بوجھ کر وضو توڑ دیا تو اس کی نماز مکمل ہو گئی۔

(فقہ وحدیث ص ۱۲۲)

جواب:

احناف کے ہاں نماز کے کچھ واجبات ہیں۔ جو ہماری نماز کی اردو کتب میں بھی موجود ہیں۔ ان واجبات میں سے ایک واجب لفظ سلام سے نماز سے نکلنا بھی ہے فقہ حنفی کے دلائل درج ذیل ہیں۔

(۱) مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی حنفی نے اپنی کتاب نماز مسنون کلاں کے ص ۳۰۳ پر سرخی قائم کی ہے واجبات نماز پھر صفحہ ۳۰۳ سے لیکر صفحہ ۳۰۹ تک نماز کے تیرہ (۱۳) واجبات ذکر کئے ہیں نمبر ۱۱ ص ۳۰۸ پر ''لفظ سلام سے نکلنا'' کی سرخی لگائی ہے پھر لکھتے ہیں۔ لفظ سلام کے ساتھ نماز سے نکلنا واجب ہے ہدایہ ج۱ ص ۷۳ شرح نقایہ ج۱ ص ۷۰ کبیری ص ۲۶۸ پھر ترمذی ص ۲۷ ابوداؤد ج۱ ص ۹۱ کے حوالہ سے حضرت علی کی یہ حدیث نقل کی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نماز کی چابی طہارت ہے۔ (طہارت ہی سے آدمی نماز میں داخل ہو سکتا ہے) اور نماز کا تحریمہ (یعنی تمام چیزوں کا اس حالت میں ممنوع ہو جانا) تکبیر ہے اور نماز سے باہر آنا جس میں تمام حلال چیزیں اس کے لیے حلال ہو جاتی ہیں وہ سلام ہے۔

حضرت صوفی صاحب کے اس حوالہ سے حنفی مسلک آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا۔ ہماری نماز پر لکھی ہوئی کتابیں موجود ہیں تقریباً سب میں لکھا ہے کہ دونوں طرف سلام پھیرے۔

(۲) رسول اکرم ﷺ کا طریقہ نماز ص ۲۰۲۔ ۲۰۳ میں لکھا ہے:

یہ دعا پڑھ کر سلام پھیرے۔ پہلے دائیں جانب منہ پھیر کر کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ پھر

بائیں جانب منہ پھیر کر کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ دونوں طرف سلام پھیرتے ہی نماز ختم۔

اس عبارت کے بعد عامر بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت مسلم ج ا ص ۲۱۶ سے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترمذی ج ا ص ۳۹ نسائی ج ا ص ۱۹۴ سے نقل کیں ہیں۔

(۳) نماز مدلل ص ۱۳۲ میں لکھا ہے، نماز کے آخری میں دائیں بائیں منہ پھیر کر سلام کہنا پھر مسلم ج ا ص ۲۱۶ مشکوۃ ص ۸۷ کے حوالہ سے حضرت سعد بن ابی وقاص کی حدیث نقل کی ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ابوداؤد ج ا ص ۱۵۰ مشکوۃ ص ۸۸ سے نقل کی ہے۔

(۴) مولانا ابوضیا عبداللہ ہزاروی حنفی اپنی کتاب صفۃ صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صفحہ ۱۸۳ پر لکھتے ہیں۔ سلام۔ جب نماز ختم ہو تو پہلے دائیں جانب السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے اور پھر بائیں جانب کہہ کر نماز سے فارغ ہو جائے۔

(۵) حکیم محمود احمد ظفر الکتاب المقبول فی صلوٰۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ص ۴۲۲ پر لکھتے ہیں۔ نماز کا اختتام جب درود کے بعد دعا پڑھ لے تو دائیں جانب منہ پھیر کر کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور پھر بائیں جانب منہ پھیر کر کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ اس طرح دونوں طرف منہ پھیر کر سلام پڑھنے سے نماز کا اختتام ہو گیا۔

پھر سیدنا علقمہ بن وائل کے حدیث ابوداؤد سے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترمذی وغیرہ سے نقل کی ہے اور ان کے علاوہ کافی دلائل ذکر کئے ہیں آخر میں لکھتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر سلام پھیر کوئی شخص نماز سے الگ نہیں ہو سکتا۔ (الکتاب المقبول ص ۴۲۳)

(۶) مولانا محمد امان اللہ لکھتے ہیں، نماز کا خاتمہ سلام پھیرنے کے ساتھ کرے۔

(دلائل السنیۃ ص ۸۰)

(۷) ڈاکٹر محمود الحسن عارف نے نماز حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں ص ۹۵ تا ص ۹۸ تک نماز کے واجبات کا ذکر کیا ہے۔ ص ۹۸ نمبر ۱۲ پر لکھتے ہیں۔ نماز سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر فارغ ہونا۔ پھر ص ۱۰۹ پر لکھتے ہیں۔ اور پھر دونوں طرف سلام پھیر دیں۔

(۸) مولانا ارشاد احمد فاروقی احکام وآداب طہارت وضو و نماز کے ص ۱۲۱ پر لکھتے ہیں۔ (۸۷) لفظ سلام کا کہنا واجب ہے۔ (کذا فی المتون)

(۹) مولانا مفتی محمد ارشاد القاسمی صاحب لکھتے ہیں۔

اور دائیں جانب اور بائیں جانب رخ کر کے دو مرتبہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنا مطلب یہ ہے کہ دعا سے فارغ ہو کر پہلے دائیں جانب رخ کرتے ہوئے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے پھر اسی طرح بائیں جانب۔ (نماز سنت کے مطابق پڑھیے ص ۱۱۵)

(۱۰) مولانا محمد الیاس گھمن صاحب نماز اہل السنۃ والجماعت ص ۹۵ پر لکھتے ہیں نماز کا اختتام سلام پر ہے پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مسلم ج ۱ ص ۱۹۵ سے نقل کی ہے۔

پھر لکھتے ہیں: الفاظ سلام۔ سرخی کے بعد ترمذی ج ۱ ص ۶۵ شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۹۰ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل فرمائی ہے۔

(۱۱) علامہ بدرالدین عینی حنفی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۲۴ میں بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے نام لکھے ہیں جن سے نماز کے آخر میں دو سلاموں کی احادیث مروی ہیں آپ فرماتے ہیں۔ پس یہ بیس (۲۰) صحابہ رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ نمازی اپنی نماز کے آخر میں دو سلام کہے قارئین کرام ہم نے حنفی مسلک واضح کر دیا ہے کہ ہمارے ہاں سلام کہہ کر نماز ختم کرنا واجب ہے راشدی صاحب نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے اس پر ہمارا عمل ہے یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے ۔ (دیکھیے مسلم ج ۱ ص ۱۹۵ باب مایجمع صفۃ الصلوۃ و مایفتتح بہ و یختم بہ)۔

راشدی صاحب نے دھوکہ دیا کہ احناف کے مذہب میں سلام نہیں ہے۔ اور حدیث میں سلام ہے۔ اب ضرورت تو نہیں ہے کہ ہم اس عبارت کا جواب دیں کیونکہ جو حنفی مذہب ہے وہ تو ہم نے لکھ دیا ہے۔ مگر پھر بھی قارئین کی تسلی کے لیے کچھ وضاحت کرتے ہیں۔

راشدی صاحب نے ہدایہ سے وہ مسئلہ نہیں لکھا جہاں پر سلام کا ذکر تھا۔ ہدایہ میں ہے۔

ثم یسلم عن یمینه فیقول السلام علیکم ورحمة الله وعن یساره مثل ذلك لماروی ابن مسعود رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یسلم عن یمینه حتی یری بیاض خده الایمن وعن یسارہ حتی یری بیاض خداه الایسر

> پھر اپنی دائیں جانب سلام پھیرے اور السلام علیکم ورحمۃ کہے اور بائیں جانب بھی ایسا ہی کرے اس حدیث کی وجہ سے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دائیں جانب سلام پھیرتے تھے حتیٰ کہ آپ کے دائیں رخسار کی سفیدی دیکھ لی جاتی تھی اور بائیں جانب سلام پھیرتے تھے حتیٰ کہ بائیں رخسار کی سفیدی دیکھ لی جاتی تھی۔

(احسن الهدایہ ترجمہ وشرح اور ہدایہ جلد ۲ ص ۷۳۔ ۷۴ باب صفتہ الصلاۃ)

قارئین کرام آپ نے دیکھ لیا جس ہدایہ سے راشدی صاحب یہ مسئلہ نقل کر رہے ہیں اُسی ہدایہ میں یہ مسئلہ بھی لکھا ہوا ہے۔ راشدی صاحب نے جان بوجھ کر غلط بیانی کی ہے اللہ اسے معاف فرمائے۔

راشدی صاحب نے ہدایہ کی جو عبارت نقل کی ہے وہ بھی پوری نقل نہیں کی شروع اور آخر کی عبارت چھوڑ دی ہے۔ جو کہ ایک صریح خیانت ہے۔ اس مقام پر صورت مسئلہ یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے دو صورتیں نقل کی ہیں اور دونوں کا حکم الگ الگ لکھا ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ کسی بے اختیار اور مجبور شخص سے مجبوری کے عالم میں ایسی بات سرزد ہوگئی جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے جو اسے نماز میں نہیں کرنی چاہئے تھی۔ پھر صاحب ہدایہ نے اس کی مثالیں دیں ہیں غیر مقلد ان مثالوں میں سے صرف ایک مثال کا ذکر کرتے ہیں باقیوں کا نہیں پھر دوسری صورت بتائی اور اس کا حکم بھی بتایا دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے آخری قعدہ میں تشہد مکمل پڑھ لیا اب اس کو درود اور دعا پڑھ کر سلام پھیرنا تھا۔ مگر اس نے یہ نہیں کیا اور اس نے کسی وجہ سے یا بغیر وجہ کے بغیر سلام پھیرے نماز کو ختم کر دیا۔ ایسی صورت میں اس شخص کی نماز کا کیا حکم ہے۔ وہ نماز دوبارہ پڑھے گا یا نہیں اس کی یہ نماز ادا ہوئی یا اس کی ذمہ باقی ہے۔ یہ ہے صورت اصل مسئلے کی۔ صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ کا جو حل پیش کیا ہے اس پر اعتراض ہے اگر راشدی صاحب زندہ ہوتے تو ہم ان سے عرض کرتے مگر وہ تو اب دنیا میں نہیں رہے ہم موجودہ غیر مقلدین سے کہتے ہیں کہ وہ ایسی صورت میں مسئلہ کا کیا حل بتاتے ہیں۔ فقہاء کرام نے تو جو حدیث میں حکم تھا اس سے مسئلے کا حل بتا دیا۔ مگر غیر مقلد نہ فقہاء کی مانتے ہیں اور نہ حدیث کی۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ پہلے قرآن پاک سے خاص اس مسئلے کا حل بتائیں پھر سنت کی تین مشہور قسموں میں سے بتائیں کہ کس قسم (قولی۔ فعلی۔ تقریری) کی سنت سے ثابت ہے۔ اصل مسئلے کا خلاصہ ہم نے عرض کر دیا ہے۔ اب آپ کو ہدایہ کی عبارت سمجھنی آسان ہو جائے گی۔ ملاحظہ فرمائیں ہدایہ کی مکمل عبارت۔

وان سبقه الحدث بعد التشهد توضأ وسلم

۱۰ اور اگر حدث لاحق ہو گیا تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد تو وضو کرے گا اور سلام کرے گا۔

تشریح: تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد بخود حدث ہو گیا تو تشہد کی مقدار بیٹھنا آخری فرض تھا جو پورا ہو گیا لیکن ابھی سلام کرنا جو واجب ہے وہ باقی ہے اس لیے اس کو دوبارہ وضو کر کے نماز پر نباء کرنا چاہئے اور سلام کرنا چاہیے۔

لان التسليم واجب فلا بد من التوضى لياتى به

اس لیے کہ سلام واجب ہے اس لیے وضو کرنا ضروری ہے تا کہ سلام پھیر سکے۔

تشریح: تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد خود بخود حدیث ہو گیا تو نماز ابھی منقطع نہیں ہوئی ہے اس لیے اس پر نباء کر سکتا ہے اور سلام جو واجب ہے وہ باقی ہے اس لئے وضو کر کے نباء کرے اور اسلام پھیرے۔

نوٹ: یہ پہلی صورت کا حل ہے۔ جو صاحب ہدایہ نے نقل کیا۔

جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ ایسا مجبور شخص دوبارہ ضو کر کے وہاں سے دوبارہ نماز شروع کرے جہاں سے چھوڑی تھی اور اپنی بقایا نماز کو مکمل کرے اور اپنے نماز کے واجبات کو پورا کرے جو اس کے ذمہ ہے یعنی سلام پھیر کر نماز ختم کرے۔

اب آگے دوسری صورت کا حل بتا رہے ہیں۔

وان تعمد الحدث فى هذه الحالة او تكلم او عمل عملا ينا فى الصلاة

تمت صلا ته اور اگر اس حالت میں (بعد التشہد) نمازی نے جان بوجھ کر حدیث کر دیا یا اس نے بات کی یا کوئی منافی نماز عمل کر لیا تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔

نوٹ: اس عبارت پر راشدی صاحب کو اعتراض ہے جو اس نے اپنی کتاب ص ۱۲۲ پر نقل کیا ہے۔

تشریح: اوپر والے اور اس مسئلے میں فرق یہ ہے کہ اوپر خود بخود حدث ہوا تھا اس لئے پہلی نماز پر نباء کر سکتا تھا اس لئے وضو کر کے نباء کرے گا اور سلام پھیرے گا اور اس مسئلے میں یہ ہے کہ نمازی نے جان بوجھ کر حدث کیا ہے اس لیے اس کی اس غلط حرکت کی وجہ سے اس کی نماز ٹوٹ گئی۔ اس لیے اب وہ بناء نہیں کر سکتا اور وضو کر کے سلام نہیں پھیر سکتا۔ اور چونکہ صرف اس کے ذمہ سلام واجب ہے اس

لیے یوں کہا جائے گا کہ نقص کے ساتھ نماز پوری ہوگئی لیکن یہ شخص بالقصد ایسا کرنے پر گہنگار ہوگا کیونکہ اس نے نماز جیسی شان والی عبادت کو اس کے مخصوص طریقہ کے خلاف ختم کیا اور سلام جو واجب تھا اس کا بھی بالقصد ترک کیا۔ لہٰذا یہ نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوگی۔

ہدایہ میں تمت صلاتہ کا جو ذکر ہے وہ فرضیت کی تمامیت کا ذکر ہے۔ کہ اس شخص کے ذمہ نماز کے فرضوں میں سے کوئی فرض باقی نہیں ہے۔ لیکن ترک واجب کی وجہ سے وجوب کی تمامیت باقی رہ گئی ہے۔ جس کی تکمیل بلا اعادۂ نماز ممکن نہ ہوگی۔ اور گناہ جو ہوگا وہ الگ ہے۔ (فتاوی شامی ج ۱ ص ۱۴۵)

یہ ہے حنفی مسلک ہمارا یہ مسئلہ نہ قرآن کے خلاف ہے' ورنہ حدیث کے اگر غیر مقلد اس کو قرآن کے خلاف کہتے ہیں تو قرآن کو کوئی ایسی آیت پیش فرمائیں جس میں یہ مسئلہ ہو۔ اگر حدیث کے خلاف کہتے ہیں تو حدیث پیش فرمائیں۔ اس مسئلہ میں جہاں تک احادیث کا تعلق ہے وہ احناف کی تائید کرتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۱:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جب امام نماز پوری کرلے اور قعدہ اخیرہ میں بیٹھ جائے پھر حدث کردے قبل اس کے کہ کلام کرے تو اس کی نماز مکمل ہوگئی اور اس شخص کی بھی نماز مکمل ہوگئی جس نے اس کے پیچھے پوری نماز پڑھی۔

ابوداؤد ج ۱ ص ۱۰۷ باب الامام یحدث بعد مایرفع راسه من اخر ركة ترمذی مترجم ج ۱ ص ۱۸۵ باب ماجاء فی الرجل۔ یحدث بعد التشهد (دار قطنی مترجم ج ۲ ص ۵۲۵ باب من احدث قبل التسليم فی اخر صلوته او احدث قبل تسليم الامام فقد تمت صلوته)

اس حدیث میں امام کے حدث کردینے (بالقصد وضو توڑ دینے پر) امام اور مقتدیوں کی نماز کے تمام ہونے کا حکم بیان کیا گیا ہے حالانکہ امام لفظ سلام سے سلام پھیر کر نماز سے نہیں نکلا معلوم ہوا کہ لفظ سلام فرض نہیں جبکہ خروج بصنعہ فرض ہے۔

خروج بصنعہ کا مطلب یہ ہے کہ نمازی ''قعدہ'' اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد کسی اپنے فعل کے ذریعے قصداً نماز سے نکلے۔ یہ ارادۃً اور قصداً نکلنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض ہے۔ اور سلام کے ذریعہ نکلنا یہ واجب ہے اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ متعدد احادیث میں مقدار تشہد کے بعد بغیر سلام کسی اور طریقے سے بھی نماز سے نکلنے پر نماز کی تمامیت کا حکم لگایا گیا ہے۔ جیسا کہ اوپر حدیث میں گذرا۔

تشہد کے بعد نماز کے فرائض کا پورا ہونا

حدیث نمبر ۲:

قاسم بن مخیمرہ سے روایت ہے کہ علقمہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا عبداللہ بن مسعود ؓ نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن مسعود ؓ کا ہاتھ پکڑا اور ان کو تشہد پڑھنا سکھایا بعد اس کے فرمایا جب تو یہ پڑھ چکا (یعنی تشہد) تو تیری نماز پوری ہوگئی۔ اب چاہیے اُٹھ کھڑا ہو اور چاہیے بیٹھا رہ۔ (ابوداؤد مترجم جلد اول ص ۳۷۲ باب التشہد طحاوی ج ۱ ص ۱۸۹ مسند احمد ج ۱ ص ۴۲۲)

حدیث نمبر ۳:

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں تشہد سے فارغ ہوتے تھے تو ہماری طرف متوجہ ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو شخص جان بوجھ کر بے وضو ہو جائے تشہد سے فارغ ہونے کے بعد تو اس کی نماز مکمل ہوگئی۔ (امام ابونعیم اصفہانی حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۷۷)

حدیث نمبر ۴:

حضرت عطاء بن ابی رباح ؒ سے بھی اس مفہوم کی روایت حلیۃ الاولیاء میں موجود ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۱۷)

حدیث نمبر ۵:

حضرت حکم اور حماد سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص تشہد پڑھتا ہے یا تشہد کی مقدار تک بیٹھتا ہے تو اس کی نماز مکمل ہو جاتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۹۰)

اگر کسی کو اس مسئلہ کی زیادہ تفصیل دیکھنا ہو تو ملاں علی قاری حنفی صاحب مرقات شرح کا رسالہ تشیع الفقہاء الحنفیہ اور علامہ عبدالحی الکھنوی کا حاشیہ عمدۃ الرعایۃ شرح قایہ کا ص ۱۱۵ دیکھ لے۔

غیر مقلدین کا مذہب

علامہ وحید الزماں غیر مقلد کنز الحقائق ص ۲۴ میں لکھتے ہیں۔ کہ اگر ایک شخص نے نماز پڑ اور سلام کے بعد اعلان کیا کہ میں نے نماز بے وضو پڑھائی ہے تو نماز ہوگئی لوٹانے کی ضرورت نہیں

نواب سید صدیق حسن خاں نے غیر مقلد ہونے کے باوجود اپنی کتاب کشف الاقتبار اس اعتراض کا رد کیا ہے جو دیکھنا چاہئے دیکھ لے۔ قارئین آپ راشدی صاحب کے علم اور تعصب کا اند کریں کہ ہوا نکالنے کو سلام کے قائم مقام سمجھتے ہیں۔

اعتراض نمبر (۸۴)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: زبردستی کی وجہ سے نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ غلام آزاد ہوگا۔

حدیث نبوی ﷺ

عن عائشة قالت سمعت رسول الله ﷺ يقول لا طلاق ولا عتاق فی اغلاق.

(ترجمہ) سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ زبردستی نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ غلام آزاد ہوگا۔

(ابوداؤد ج ا کتاب الطلاق باب في الطلاق علي غلط صفحہ ۳۰۵، رقم الحديث ۲۱۹۳)

(ابن ماجہ ابواب الطلاق باب طلاق المكره والناسي صفحہ ۱۴۷، رقم الحديث ۲۰۴۶)

فقہ حنفی

وان اکرہ علی طلاق امراته او عتق عبده ففعل وقع ما اکرہ علیه۔

(ھدایہ آخیرین ج ۳ کتاب الاکراہ صفحہ ۳۵۰)

(ترجمہ) زبردستی طلاق بھی واقع ہو جائے گی اور غلام بھی آزاد ہو جائے گا۔

(فقہ و حدیث ص ۱۲۳)

جواب:

اس مسئلہ میں احادیث مختلف ہیں پیر بدیع الدین شاہ راشدی غیر مقلد نے صرف اپنے مطلب کی حدیث نقل کی ہے اور دوسری نقل نہیں کی۔ ہم یہاں پر پہلے وہ احادیث نقل کریں گے جو فقہ حنفی کی تائید کرتی ہیں بعد میں راشدی صاحب کی نقل کردہ حدیث کا جواب بھی عرض کریں گے۔

فقہ حنفی کے دلائل

حدیث نمبر ۱:

حضرت صفوان بن غزوان الطائی سے روایت ہے کہ ایک آدمی سویا ہوا تھا اس کی بیوی اٹھی اور اس نے چھری پکڑی اور اپنے خاوند کے سینے پر بیٹھ گئی اور چھری اس کے حلق پر رکھ دی اور کہنے لگی

مجھے تین طلاقیں دو ورنہ میں تجھے ذبح کر دوں گی تو اس کے خاوند نے اس کو اللہ کا وسطہ دیا لیکن اس کی بیوی نے انکار کر دیا تو اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں پھر وہ آدمی آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور سارا معاملہ آپ ﷺ کے سامنے بیان کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا لا قیلولۃ فی الطلاق۔ کہ طلاق میں کوئی قیلولہ نہیں ہے۔ یعنی طلاق واقع ہوگئی ہے۔

(المحلی فی الطلاق جلد نمبر ۱۰ ص ۲۰۳ نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۲۲)

امام شمنی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام عقیل نے بھی اپنی کتاب میں نقل کی ہے۔ :

حدیث نمبر ۲:

حضرت عبداللہ بن عمر بھی مکرہ کی طلاق کو جائز قرار دیتے تھے۔

(الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی ج ۷ ص ۳۵۸ نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۲۲)

حدیث نمبر ۳:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کل طلاق جائز الا طلاق المحتوہ المغلوب علی عقلہ

سب طلاقیں پڑ جاتی ہیں مگر طلاق محتوہ نہیں پڑتی۔ معتوہ کا مطلب ہے جس کی عقل جاتی رہی ہو۔

اس حدیث سے جہاں معتوہ کی طلاق کا عدم وقوع سمجھ میں آیا ہے وہاں یہ بات بھی واضح ہوگئی ہے کہ معتوہ کے علاوہ ہر بالغ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے جس میں مکروہ طلاق بھی شامل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ معتوہ یعنی دیوانے سے ایسا دیوانہ مراد ہے جس کی عقل نہ رہی ہو اور اگر ایسا دیوانہ ہو جو کبھی کبھی ہوش میں بھی آتا ہو اور وہ طلاق دیوے ہوش کی حالت میں تو ایسی طلاق واقع ہوتی ہے۔

حدیث نمبر ۴:

حدثنا وکیع عن الاعمش عن ابراھیم عن عابس بن ربیعۃ عن علی قال کل طلاق جائز إلا طلاق المعتوہ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳ باب ما قالوا فی طلاق المعتوہ)

حضرت علی نے فرمایا ہر ایک طلاق پڑ جائے گی۔

حدیث نمبر ۵:

قال علی وکل طلاق جائز الا طلاق المعتوہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہر ایک طلاق پڑ جائے گی مگر دیوانے کی (یعنی دیوانے کی طلاق نہیں پڑتی)

(بخاری کتاب الطلاق باب الطلاق فی الاغلاق والکرہ (تعلیقاً) جلد ۲ ص ۷۹۳)

حدیث نمبر ۶:

روایت ہے ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ہیں کہ اس میں سچ مچ کہنا اور خوش طبعی سے کہنا دونوں برابر ہے ایک نکاح دوسرے طلاق تیرے رجعت (یعنی طلاق کے بعد رجوع کرنا) (ترمذی ابواب الطلاق باب ماجآء فی الجد والھزل فی الطلاق)

اس حدیث میں ہازل کی طلاق ہونے کا ذکر ہے ہازل اپنے اختیار سے طلاق کا حکم ہولتا ہے مگر وہ وقوع طلاق سے راضی نہیں ہوتا اس کے باوجود طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اس میں معلوم ہوا کہ اپنے اختیار سے طلاق کا تکلم کیا جائے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ گو متکلم وقوع طلاق سے راضی نہ ہو اور مکرہ طلاق میں بھی یہی صورت حال ہے۔ ظاہر ہے کہ اکراہ سے اختیار تو سلب نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ رضا مفقود ہوتی ہے۔ لہٰذا ہازل کی طرح یہاں بھی طلاق واقع ہونی چاہیے۔

حدیث نمبر ۷:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوۂ بدر میں شرکت سے مجھے کوئی چیز مانع نہیں تھی بلکہ میں اپنے والد حسیل کے ساتھ نکلا تھا لیکن راستے میں ہمیں کفار قریش نے پکڑ لیا اور کہنے لگے کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا رہے ہو؟ ہم نے کہا کہ ہمارا ارادہ تو صرف مدینہ منورہ جانے کا ہے۔ انہوں نے ہم سے یہ وعدہ اور مضبوط عہد لیا کہ ہم مدینہ جا کر لڑائی میں ان کا ساتھ نہیں دیں گے۔ ہم نبی علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور ساری بات بتادی نبی علیہ السلام نے فرمایا تم دونوں واپس چلے جاؤ ہم ان کا وعدہ وفا کریں گے اور ان کے خلاف اللہ سے مدد مانگیں گے۔ (مسند احمد مترجم جلد ۱۰ ص ۷۹۶) متدرک کم جلد ۳ ص ۳۰۱ وجلد ۵ ص ۳۹۶۔ متدرک حاکم مترجم جلد ۴ ص ۳۸۸ کتاب معرفۃ الصحابہ، طحاوی ج ۲ ص ۴۹) مسلم کتاب الجہاد والیسر باب الوفاء بالعھد۔ نیل الاوطار جلد ۷ ص ۲۳۶)

امام شوکانی فرماتے ہیں۔ جو فقہاء جبری قسم کے جواز کے قائل ہیں وہ اس بارے میں اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ (نیل الاوطار اردو جلد نمبر ۴ ص ۲۸۰)

امام طحاوی فرماتے ہیں:

قالوا فلما منعهما رسول الله ﷺ من حضور بدر لاستحلاف المشركين القاهرين لهما على ما استحلفوهما عليه ثبت بذالك ان الحلف على الطواعية والاكراه سواء كذالك الطلاق والعتاق۔

(طحاوی جلد ۲ ص ۴۹)

علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں:

بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہ وتابعین کا مسلک بھی یہی ہے کہ طلاق مکرہ واقع ہو جاتی ہے۔ مثلاً حضرت عمر، ابن عمر، عمر بن عبدالعزیز، شعبی، ابوقلابہ، سعید بن المسیب، شریح، زہری، قتادہ، سعید بن جبیر، نخعی وغیرہ۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۲۰ ص ۲۵۰ و نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۲۲)

قارئین کرام آپ نے حنفی مذاہب کے دلائل ملاحظہ فرمائے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مجبوری کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ان کا ذکر راشدی صاحب نے نہیں کیا۔ اب رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے۔ اس کے کئے جواب ہیں۔ احناف کا طریقہ اکثر جگہ پر یہ ہوتا ہے کہ جن روایات میں بظاہر تعارض نظر آئے ان میں ایسی تطبیق دی جائے جس سے تعارض خود بخود ختم ہو جائے۔ لہٰذا یہاں پر بھی اس حدیث کا ایسا مطلب بیان کرنا چاہیئے جس سے تعارض ختم ہو جائے۔ وہ مطلب یہ ہے کہ اغلاق سے مراد یہاں اغلاق الفہم ہے۔ یعنی کسی شخص کا منہ جبراً اس طرح سے بند کر دیا جائے کہ وہ طلاق اور عتاق کے الفاظ کے ایسے تکلم پر قادر نہ رہے جیسا تکلم طلاق اور عتاق کے حکم واقع ہونے کے لیے ضروری ہے۔ اس اکراہ کی صورت میں طلاق کا عدم وقوع متفق علیہ ہے۔ جبکہ اغلاق کا معنی صرف اکراہ ہی متعین نہیں ہے۔ بلکہ اس کے معنی میں اور احتمالات بھی ہیں اور معانی کے احتمال ہوتے ہوئے یہ حدیث قابل استدلال نہیں جیسا کہ اصول ہے۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

دوسرا جواب:

اس بات پر اجماع ہے کہ قتل خطاء میں دیت ہے ہاں گناہ نہیں ہے یہی حال یہاں بھی ہے کہ طلاق واقع ہو جاتی ہے گو اس کا گناہ نہیں ہوتا۔

اعتراض نمبر ۸۵

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: ریشمی کپڑے کا استعمال کسی طور جائز نہیں۔

حدیث نبوی ﷺ

عن حذیفة قال نهانا رسول الله ﷺ عن لبس الحرير والديباج وان نجلس عليه۔

(ترجمہ) سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ریشم اور دیباج کا لباس پہننے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔

(بخاري ج۲ كتاب اللباس باب افتراش الحرير واللفظ له صفحه۸۶۸، رقم الحديث۵۸۳۷)

اور ابوداؤد میں ہے:

لاتركبوا الخز

(ترجمہ) (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ) ریشم کے کپڑے پر نہ بیٹھو۔

(كتاب اللباس باب في جلود النمور كتاب اللباس صفحه۲۱۶ عن معاويه رقم الهديث۴۱۲۹)

فقہ حنفی

ولا باس بتوسده والنوم عليه عند ابى حنيفة۔

(هدايه آخيرين ج۴ كتاب الاكراهيه فصل في اللبس صفحه۴۵۶)

(ترجمہ) ابوحنیفہ کے نزدیک ریشمی تکیہ پر ٹیک لگانے اور ریشمی بستر پر سونے میں کوئی حرج نہیں۔ (فقہ وحدیث ص ۱۲۴)

جواب:

فقہ حنفی میں مردوں کے لیے ریشم حرام ہے راشدی صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے احناف کا اُسی پر عمل ہے ہدایہ کی عبارت اگر راشدی صاحب مکمل نقل کر دیتے تو مسئلہ صاف ہو جاتا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ حنفی مذہب میں فتوی صاحبین کے قول پر ہے راشدی صاحب نے ہدایہ کی مکمل عبارت نقل نہیں کی شروع کی اور آخر کی عبارت چھوڑ دی ہے اور درمیاں سے عبارت کا کچھ حصہ نقل کر دیا ہے آپ پہلے ہدایہ کی مکمل عبارت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں فصل فی اللبس۔ یہ فصل کپڑا پہننے کے احکام کے بیان میں ہے۔ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مردوں کے لیے ریشم پہننا حلال نہیں ہے۔ البتہ عورتوں

کے لیے حلال ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ نے ریشم اور دیباج کے پہننے سے منع فرمایا ہے اور یوں فرمایا کہ انہیں وہی شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ ایک دوسری حدیث کی رو سے ریشم صرف عورتوں کے لیے حلال ہے اور وہ حدیث چند صحابہ کرام رضی اللہ علیہم سے مروی ہے جن میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ہیں کہ آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ کے ایک ہاتھ میں ریشم اور دوسرے ہاتھ میں سونا تھا آپ نے فرمایا یہ دونوں چیزیں میری اُمت کے مردوں پر حرام اور عورتوں کے لیے حلال ہیں۔

نیز۔ فرماتے ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ریشم کا تکیہ لگانے اور اس پر سونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

راشدی صاحب نے امام صاحب سے لیکر کوئی حرج نہیں تک عبارت لکھی ہے۔ اس عبارت کے آگے آتا ہے

> وقالا یکرہ وفی الجامع الصغیر ذکر قول محمد وحدہ ولم یذکر قول ابی یوسف وانما ذکرہ القدوری وغیرہ من المشایخ رحمہم اللہ اجمعین۔
>
> حضرت صاحبین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مکروہ ہے جامع صغیر میں صرف امام محمد کا قول مذکور ہے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا تذکرہ نہیں ہے ان کا قول امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مشائخ نے بیان کیا ہے۔

ہم نے ہدایہ کی مکمل عبارت نقل کر دی ہے جس میں واضح طور پر مردوں پر ریشم حرام ہونے کا ذکر موجود ہے باقی رہا ریشم کے تکیہ کا مسئلہ اس میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے صاحبین تکیہ کے استعمال اور اس پر سونے کو بھی مکرو فرما رہے ہیں اور احناف کا مذہب صاحبین والا ہے۔ ہدایہ کی مکمل عبارت ملاحظہ کرنے کے بعد مسئلہ واضح ہو گیا کہ حنفی مسلک حدیث کے خلاف نہیں ہے اب مزید وضاحت کی ضرورت تو نہیں مگر ہم عوام کے لیے نقل کر رہے ہیں۔

امام صاحب جو تکیہ کے جواز کے قائل تھے ان کے پاس بھی دلائل موجود ہیں۔ مگر احناف کا مذہب بالکل منع کا ہے۔

(فقہ حنفی کی کتاب تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق مراد ہے۔) (کنز الدقائق)

(۱) مولانا محمد حنیف گنگوہی لکھتے ہیں حقائق میں ہے کہ ہمارے اکثر مشائخ نے قول صاحبین کو لیا ہے اس لیے کہ راشد کا اثر مذکور صحیح بھی ہو تب بھی یہ حدیث حذیفہ سے معارض ہے کہ: حضور علیہ السلام نے

حریر پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے: اس کی صحت اعلیٰ درجہ پر ہے تو ایسی صورت میں ارشاد نبوی کے علاوہ کسی کا قول وفعل نہیں لیا جائے گا۔ (طلوع النیر بن شرح اردو ہدایہ آخیرین ج ۴ ص ۲۸_۲۹)

(۲) درمختار میں ہے:

> یحرم لبس الحریر ولو بحائل بینه وبین بدنه علی المذهب الصحیح
>
> صحیح مذہب میں ریشم کا مرد کے لیے پہننا حرام ہے خواہ کپڑے پر ہی کیوں نہ ہو۔

(۳) علامہ شامی فرماتے ہیں:

> انه مخالف لما فی المتون الموضوعة لنقل المذهب فلا یجوز العمل والفتوی به
>
> یہ روایت متون معتبرہ کے خلاف ہے جو کہ (امام اعظم کے) مذہب کی نقل کے لیے وضع کئے گئے ہیں تو اس پر عمل اور فتویٰ جائز نہیں۔

(۴) نواب قطب الدین محدث دہلوی حنفی (مظاہر حق شرح مشکوۃ ج ۴ ص ۱۶۵ میں) اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

تشریح: سونے چاندی کے برتنوں وغیرہ میں کھانے پینے اور ریشمی کپڑے پہننے کے بارے میں پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔

فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ ریشمی کپڑے کا استعمال جس طرح مردوں کے لیے حرام ہے اسی طرح اس کو بچوں کو بھی پہنانا حرام ہے اور پہنانے والوں کو گناہ ہوتا ہے۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ریشمی کپڑے کو بچھونے میں استعمال کرنا اور اس پر سونا کوئی مضائقہ نہیں رکھتا۔ اسی طرح اگر تکیہ کے غلاف اور پردے ریشمی کپڑے کے ہوں تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں جب کہ حضرت امام ابویوسف رضی اللہ عنہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب کو مکروہ کہا ہے حاصل یہ ہے کہ (حدیث میں مردوں کے لیے ریشمی کپڑے پہننے اور ریشمی کپڑے پر بیٹھنے کی جو ممانعت منقول ہے اس میں پہننے کی ممانعت تو متفقہ طور پر سب کے نزدیک تحریم پر محمول ہے لیکن ریشمی کپڑے پر بیٹھنے کی) ممانعت صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو تحریم ہی پر محمول ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک تنزیہ پر محمول ہے کیونکہ ابھی اوپر ان کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ وہ ریشمی کپڑے کو بچھونے وغیرہ میں استعمال کرنے کے مسئلہ میں یہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان

چیزوں میں ریشمی کپڑے کا استعمال بہر حال احتیاط وتقویٰ کے خلاف ہے۔ کیوں کہ کسی عمل کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کے کرنے میں "کوئی مضائقہ نہیں ہے" اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ ہونے کے شک سے بچنے کے لیے اس عمل کو نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ پرہیز گار ومتقی شخص اسی کو کہتے ہیں جو اس کام کو بھی چھوڑ دے جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہو کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس خوف کے سبب کہ شاید اس میں کوئی مضائقہ ہو اور یہ ہی معنی اس مشہور حدیث کے بھی ہیں۔

دع ما یریبك الی ما لا یریبك یعنی اس کام کو چھوڑ دو جس میں شک ہو اور اس کام کو اختیار کرو جس میں شک نہ ہو۔ بہر حال حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کو چونکہ ایسی کوئی دلیل قطعی حاصل نہیں ہوئی جس کی بنیاد پر ریشمی کپڑے پر بیٹھنے یا سونے کو حرام قرار دیا جا سکے اور کپڑے پہننے کی ممانعت میں جو صریح نصوص (یعنی اس کی حرمت کے واضح احکام) منقول ہیں ان کے دائرہ حکم میں ریشمی کپڑے پر بیٹھنے کا مسئلہ نہیں آتا۔ کیونکہ پہننا اور بیٹھنا دو الگ الگ چیزیں ہیں کہ پہننے کا اطلاق بیٹھنے پر نہیں ہو سکتا اس لیے انہوں نے اس حدیث میں (ریشمی کپڑے پر بیٹھنے کی) ممانعت کو نہی تنزیہہ پر محمول کیا ہے۔

(۵) مولانا محمد منظور نعمانی حنفی معارف الحدیث جلد نمبر ۶ ص ۲۹۲ میں لکھتے ہیں۔

مردوں کے لیے وہ کپڑا حرام وناجائز ہے جو خالص ریشم سے بنایا گیا ہو یا اس میں ریشم غالب ہو۔

(۶) موطا امام محمد مترجم ص ۴۷۲ تا ۴۷۵ باب مایکرہ من لبس الحریر والدیباج میں ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کسی مسلمان مرد کے لیے روا نہیں کہ وہ ریشم، ریشمی کپڑا یا سونا پہنے۔ یہ تمام چیزیں چھوٹے بڑے مردوں کے لیے ناجائز ہیں عورتوں کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح حربی مشرک کو بطور تحفہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں البتہ ہتھیار یا زرہ دینا جائز نہیں۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔

(۷) مولانا حبیب اللہ مختار حنفی نے المختار شرح کتاب الاثار کے مختلف مقام پر مردوں کے لیے ریشم کا استعمال ناجائز لکھا ہے۔ دیکھئے ص ۶۰۸ ص ۶۰۹ - ۶۱۰ وغیرہ۔

صفحہ ۶۱۱ پر لکھتے ہیں بچوں کو سونا چاندی یا ریشم پہننا نا مکروہ ہے اس لیے کہ جب مردوں کے لیے اس کا پہننا منع ہے تو اس کا پہنانا بھی منع ہے۔ جیسے شراب پینا پلانا دونوں حرام ہیں بچہ غیر مکلف ہے اسے پہنانے والے کو گناہ ہوگا۔

قارئین کرام حوالے تو بہت ہیں مگر ہم یہاں پر ختم کرتے ہیں امید ہے کہ آپ کو مسئلہ سمجھ آ گیا ہوگا اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تکیہ استعمال کرنے اور بیٹھنے کے متعلق جو یہ کہا ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کی تفصیل قاضی خاں کے حوالہ سے مظاہر حق میں گذر چکی ہے۔ کہ امام صاحب کے نزدیک بھی ان دونوں چیزوں کا استعمال بہتر نہیں ہے۔ آپ صرف ان کے استعمال کو قطعی حرام نہیں کہتے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ احادیث اس مسئلہ میں مختلف ہیں ملاحظہ فرمائیں بعض احادیث

مردوں کے لیے سرخ کپڑا پہننے کا حکم

حدیث نمبر ۱:

مشکوۃ شریف میں حدیث موجود ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن ایک شخص دو سرخ کپڑے پہنے ہوئے گذرا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ یہ حدیث صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مرد کو سرخ کپڑا پہننا جائز نہیں۔ اب آپ اس کے معارض یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۲:

حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق کے غلام کا نام عبداللہ تھا، وہ عطاء کے لڑکے کے ماموں تھے وہ کہتے ہیں کہ حضرت اسماء نے مجھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور یہ کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ تین چیزوں کو حرام کہتے ہیں۔ کپڑوں کے نقش ونگار کو، سرخ گددں کو اور ماہ رجب کے تمام روزے رکھنے کو، حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا آپ نے جو رجب کے متعلق ذکر کیا ہے تو جو شخص دائمی روزے رکھتا ہو (وہ رجب کے روزوں کو حرام کیسے کہہ سکتا ہے) باقی رہا کپڑں کے نقش ونگار کا مسئلہ تو بات یہ ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ریشم کو صرف وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور مجھے یہ خدشہ تھا کہ نقش ونگار بھی شاید ریشم سے بنائے جاتے ہیں۔ رہا سرخ گدا تو عبداللہ بن عمر کا گدا بھی سرخ رنگ کا ہے۔ راوی کہتے ہیں میں یہ جوابات لے کر حضرت اسماء رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان کو وہ جوابات بتلائے، حضرت اسماء نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے انہوں نے ایک طیالسی کسروانی جبہ نکالا جس کی آستینوں اور گریبان پر ریشم کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے حضرت اسماء نے کہا یہ جبہ حضرت عائشہ کی وفات تک ان کے پاس تھا اور جب

ان کی وفات ہوئی تو پھر میں نے اس پر قبضہ کر لیا نبی ﷺ اس جبہ کو پہنتے تھے ہم اس جبہ کو دھو کر اس کا پانی بیماروں کو پلاتے ہیں اور اس جبہ سے ان کے لیے شفاء طلب کرتے ہیں۔

(مسلم شریف کتاب اللباس والزینۃ باب تحریم استعمال)

اس حدیث سے کئی باتیں ثابت ہوتیں۔

(۱) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس رسول اللہ ﷺ کا ایک کسروانی جبہ تھا جس کی آستینوں اور گریبان پر ریشم کے بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ اس حدیث سے فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ کپڑے پر چار انگل ریشم کا کام بنوانا جائز ہے۔

(۲) سرخ رنگ کے گدے کا استعمال جائز ہے۔ ہمارا استدلال اصل میں اس بات سے ہے کہ پہلے جو حدیث نقل کی اس میں سرخ رنگ کے کپڑے مردوں کو پہننا درست نہیں تھا مگر اس مسلم کی حدیث سے سرخ رنگ کے گدے کا استعمال کرنا جائز ثابت ہو رہا ہے۔ اسی طرح ریشم کے کپڑے حرام اور تکیہ کا استعمال مباح ہو سکتا ہے۔

(۳) اس حدیث سے بزرگوں کے تبرکات کا ثبوت بھی ہو رہا ہے۔ اور ان سے بیماروں کو شفاء بھی ہوتی ہے یہ شرک نہیں۔

(۴) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی کپڑے پر اگر تھوڑی مقدار میں ریشم لگا ہو تو جائز ہے شریعت میں صرف خالص ریشم کا کپڑا بنا ہوا پہننا حرام ہے۔ ہاں اگر کسی کپڑا پر ریشم لگا ہو۔ اور ہو بھی تھوڑی مقدار میں تو وہ کپڑا استعمال کرنا جائز ہے۔ کیونکہ وہ بالتبع ہوا۔

حدیث نمبر ۳:

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام کو ایک سفر میں ریشم پہننے کی اجازت دی کیونکہ ان کو خارش یا کوئی اور تکلیف لاحق ہو گئی تھی۔ (مسلم کتاب اللباس والزینۃ)

حدیث نمبر ۴:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے جوؤں کی شکایت کی تو آپ نے ان کو جنگ کے دنوں میں ریشم پہننے کی اجازت دے دی۔

(مسلم کتاب اللباس والزینۃ)

حدیث نمبر ۵:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ریشم کی ایک قبا ہدیہ میں دی گئی آپ نے اس کو پہن کر نماز پڑھی پھر کراہت کے ساتھ اس کو زور سے کھینچ کر اتارا پھر فرمایا کہ یہ متقیوں کے لیے مناسب نہیں ہے۔ (مسلم کتاب اللباس والزینۃ)

حدیث نمبر ٦:

ابو عثمان بیان کرتے ہیں کہ جس وقت ہم آزربائیجان میں تھے حضرت عمر نے ہمیں لکھا اے عتبہ بن فرقد تمہارے پاس جو مال ہے اس میں تمہاری کوشش کا دخل ہے نہ تمہارے باپ کی کوشش کا دخل ہے نہ تمہاری ماں کی کوشش کا دخل ہے سو مسلمانوں کو ان کے گھروں پر ان چیزوں سے پیٹ بھر کر کھلاؤ جن سے تم اپنے گھر پر پیٹ بھر کر کھاتے ہو اور تم عیش وعشرت، مشرکین کے لباس، اور ریشم پہننے سے بچتے رہنا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے۔ مگر ریشم کی اتنی مقدار جائز ہے یہ فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیاں درمیانی انگلی اور انگشت شہادت ملا کر بلند فرمائیں زہیر نے بھی اپنی انگلیاں بلند کیں۔ (مسلم)

حدیث نمبر ۷:

ابو عثمان کہتے ہیں ہم عتبہ بن فرقد کے ساتھ تھے کہ ہمارے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مکتوب آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ریشم کو صرف وہی شخص پہنے گا جس کو آخرت میں کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ البتہ ریشم کی اتنی مقدار جائز ہے۔

ابو عثمان نے اپنے انگوٹھے کے ساتھ ملی ہوئی دو انگلیوں کے ساتھ اشارہ کیا پھر جب میں نے طیالسہ کی چادر کو دیکھا تو ان انگلیوں کو طیالسی کی چادر میں دیکھا۔ (مسلم)

حدیث نمبر ۹:

ابو عثمان نہدی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس حضرت عمر کا مکتوب آیا دراں حالیکہ اس وقت ہم آزربائیجان میں عتبہ بن فرقد کے پاس تھے یا شام میں تھے۔ اس میں یہ لکھا تھا کہ رسول اللہؐ نے ریشم پہننے سے منع یا ہے لیکن دو انگلیوں کی مقدا کا استثناء کیا ہے ابو عثمان نے کہا ہم نے اس سے نقش و نگار سمجھے۔ (مسلم کتاب الالباس والزینۃ)

حدیث نمبر ۹:

حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب نے جابیہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے البتہ دو یا تین یا چار انگلیوں کا استثناء فرمایا ہے۔

(مسلم کتاب اللباس والزینۃ)

ان روایات میں نقش ونگار کے لیے چار انگلیوں تک ریشم لگانے کی مرد کو اجازت مل گئی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ کو بھی لگا ہوا تھا۔ حرام اور ناجائز ہونے کے باوجود چار انگلیوں کی مقدار کپڑے پر لگا کپڑا استعمال کرنے کی اجازت شریعت میں موجود ہے۔

امام صاحب کے خیال میں یہ چار انگلیاں کی اجازت بھی بالتبع ہوئی ہے ویسے نہیں آپ کے نزدیک کسی نہ کسی صورت میں ریشم بالتبع کا استعمال کرنے کا جواز ان روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ اور تکیہ اور گدا بھی بالتبع ہی میں شامل ہے کیونکہ یہ شخص ریشم کو براہ راست پہن نہیں رہا۔ جب کے اس کی تجارت جائز ہے۔ اگر دوسرے کو تحفہ اور ہدیہ دینا جائز ہے مشرک کو دینا جائز ہے۔ بیماری میں بطور علاج اس کا استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ جیسا کہ احادیث میں موجود ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خنزیر یا شراب کی طرح کا حرام نہیں ہے ان دلائل کی وجہ سے امام صاحب نے یہ کہہ دیا کہ اگر کوئی استعمال کرلے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ یہاں یہ یاد رہے کہ عام حالات میں امام صاحب ریشم استعمال کرنے کا حکم نہیں دے رہے۔ صرف ان دو چیزوں میں تھوڑی نرمی کی ہے اور ہماری سمجھ میں تو یہ بات آتی ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ تابعین عظام کے متعلق بعض روایات میں جو آتا ہے کہ انہوں نے کسی نہ کسی شکل میں ریشم کا استعمال فرمایا ہے۔ روایات کی پوزیشن کیسی بھی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بطور احتیاط ان شخصیات کو بچانے کی کوشش کی ہے۔ باقی آپ کے فرمان کی صحیح توجیہ قاضی خاں نے فرمادی ہے جس سے تمام اشکالات ختم ہوجاتے ہیں اگر پھر بھی کسی کی تسلی نہیں ہوتی تو اس کی مرضی۔ ہم تو ایسے مقام پر یہ کہیں گے کہ آپ مجتہد ہیں اگر واقعۃً آپ سے کہیں غلطی ہو ہی گئی تو پھر بھی آپ کو ایک اجر تو ملتا ہی ہے۔ اسی لیے علمائے احناف نے بطور احتیاط فتوی امام محمد اور امام یوسف کے قول پر ہی دیا ہے۔ باقی یہ سوچنے کی بات ہے کہ امام صاحب نے بھی صرف تکیہ اور

گدے کے استعمال کے متعلق کہہ دیا کہ کوئی مضائقہ نہیں اور کسی چیز کے متعلق کیوں نہیں کہا۔

جب ہم ہدایہ کی شروحات کو دیکھتے ہیں تو ان میں ایسی حدیث موجود ہیں جن سے ان دو چیزوں کا کچھ نہ کچھ جواز نکلتا ہے۔ (دیکھیے طوع النیرین شرح ہدایہ آخرین ج۔ ۶ ص ۲۸)

اعتراض نمبر (۸۶)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: صدقہ فطر کی ادائیگی صرف مسلمان پر ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی ﷺ بعث منادیا فی فجاج مکة الاان صدقة الفطر واجبة علی کل مسلم ذکر او انثی حر او عبد صغیر او کبیر۔

(ترجمہ) نبی ﷺ نے مکے کی گلیوں میں ندا کروائی کے صدقہ فطر ہر مسلمان مرد و عورت، آزاد و غلام چھوٹے اور بڑے پر واجب ہے۔

(ترمذي ج۱ باب ماجاء في صدقة الفطر صفحه: ۱۴۶، رقم الحديث ۶۷۴)

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال فرض رسول الله ﷺ زکوة الفطر صاعا من تمر او صاعا من شعیر علی العبد والحر والذکر والانثی والصغیر والکبیر من المسلمین

(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر ایک صاع کھجور یا جو کا مقرر کیا ہر مسلمان پر وہ غلام ہو یا آزاد، مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا۔

(بخاري كتاب الزكاة باب فرض صدقة الفطر صفحه ۲۰۴ واللفظ له، رقم الحديث ۱۵۰۴)

(مسلم ج۱ كتاب الزكاة باب صلوة الفطر صفحه ۳۱۷، رقم الحديث ۲۲۷۸)

فقہ حنفی

یؤدی المسلم الفطرة عن عبده الکافر۔

(هدايه اولين ج۱ كتاب الزكاة باب صدقة الفطر صفحه ۲۰۹)

(ترجمہ) مسلمان صدقہ فطر ادا کرے گا اپنے کافر غلام کی طرف سے بھی۔

(فقہ و حدیث ص ۱۴۵)

جواب:

راشدی صاحب نے جن دو حدیثوں کا حوالہ دیا ہے ان میں یہ خاص بات کہیں نہیں کہ مسلمان آقا اپنے کافر غلام کی طرف سے صدقۃ الفطر نہ دے۔ جس سے ثابت ہوا کہ فقہ حنفی کا یہ مسئلہ ان احادیث کے خلاف نہیں ہے۔ فقہ حنفی میں اس مسئلہ کی بنیاد کیا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔

فقہ حنفی کے دلائل

حدیث نمبر ۱:

امام بخاری نے ج ۱ ص ۲۰۵ کتاب الزکوۃ میں ایک باب یوں قائم کیا ہے۔

باب صدقة الفطر على الحر والمملوك

باب آزاد اور غلام پر صدقہ فطر کا واجب ہونا

امام بخاری کے اس باب سے پتہ چلتا ہے کہ غلام مسلمان ہو یا کافر اس پر صدقہ فطر واجب ہے۔ اس باب کے تحت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے جو روایت امام بخاری نے درج کی ہے اس میں بھی مسلمان اور کافر کا فرق موجود نہیں ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ آنحضرت ﷺ نے فطر کا صدقہ یا یوں فرمایا رمضان کا صدقہ مرد عورت اور آزاد اور غلام ہر ایک پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو کا فرض کیا۔ الحدیث

حدیث نمبر ۲:

اس باب کے بعد پھر ایک نیا باب امام بخاری نے قائم فرمایا ہے باب صدقة الفطر على الصغير والكبيری باب چھوٹے اور بڑے سب پر صدقہ فطر واجب ہے اس کے تحت بھی ابن عمر کی روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

آنحضرتؐ نے صدقہ فطر ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور چھوٹے بڑے آزاد غلام سب پر فرض کیا۔

اس میں بھی سب غلام آ گئے چاہئیں وہ کافر ہو یا مسلمان کیونکہ آپ ﷺ نے مطلق والحر والمملوك فرمایا ہے۔ (بخاری کتاب الزکوۃ)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غلام اور باندیاں تو کسی چیز کے مالک نہیں ہوتے ان پر صدقہ فطر کیسے واجب کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا مالک ان کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرے گا۔

حدیث نمبر ۳:

مسلم شریف ج ۱ ص ۳۱۶ کتاب الزکوۃ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

قال لیس فی العبد صدقة الا صدقة الفطر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلام پر زکوۃ (ادا کرنا واجب) نہیں ہے۔ مگر صدقہ فطر (ادا کرنا واجب) ہے۔ اس حدیث میں بھی مسلمان کی قید موجود نہیں۔

حدیث نمبر ۴:

جعفر بن محمد (یعنی امام جعفر صادقؒ بن امام محمد باقرؒ) اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے اور بڑے اور آزاد اور غلام غرض ہر اس شخص سے جو تمہاری عیال داری میں ہوں صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم کیا ہے۔ (تلخیص الحبیر) (مسند امام شافعی مترجم جلد ۲ ص ۴۰۷)

احناف کے نزدیک ہر قسم کے مملوک کی طرف سے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر صدقہ فطر ادا کرنا مالک کے ذمے ضروری ہے جس پر وہ روایات دال ہیں جن میں عن المسلمین کا لفظ نہیں)

حدیث نمبر ۵:

حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ فطر ہر چھوٹے اور بڑے مذکر اور مؤنث یہودی اور عیسائی (غلام) آزاد اور غلام کی طرف سے ادا کیا جائے گا جو گندم کا نصف صاع ہوگا یا کھجور کا ایک صاع ہوگا یا جو کا ایک صالح ہوگا۔

(سنن دارقطنی مترجم جلد ۵ ص ۳۵۴ کتاب زکوۃ الفطر)

اگرچہ اس حدیث کے ایک راوی سلام طویل پر کچھ جرح بھی موجود ہے۔ مگر اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ کافر غلام کی طرف سے صدقہ الفطر ادا کرنا چاہیے۔

حدیث نمبر ۶:

مصنف ابن ابی شیبة ج ۲ ص ۳۹۹ میں ایک حدیث ہے جس میں آتا ہے۔ ماقلوافی

العبد النصرانی یعطی عنه۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ یہودی ہو یا نصرانی ہو اس مملوک کا صدقۃ الفطر واجب ہے۔

حدیث نمبر ۷:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر کو فرض کیا ایک صاع جو سے یا ایک صاع کھجور سے چھوٹے اور بڑے پر اور آزاد اور غلام پر۔

(بخاری کتاب الزکوۃ باب صدقۃ الفطر علی الصغیر والکبیر ج۔ ا ص ۲۰۵)

اس حدیث میں والمملوک مطلق ہے۔ یعنی کافر اور مسلمان دونوں قسم کے غلاموں پر صدقۃ الفطر واجب ہے۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کے جواب کی کوئی خاص ضرورت نہیں رہی راشدی صاحب کا استدلال مسلمین کے لفظ سے ہے۔ مگر ایسی بہت سی روایات بھی مروی ہیں جن میں مسلمین وغیرہ کے الفاظ نہیں ہیں۔ جب احناف کے پاس مستقل دلائل موجود ہیں تو پھر یہ کہنا کہ احناف کا مذہب حدیث کے خلاف ہے غلط ہے۔ (تفصیل کہ لیے دیکھئے۔ درس ترمذی ج ۲ ص ۵۰۴ تا ۵۰۹)

اعتراض نمبر ⑧⑦

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: اگر ظہر پانچ رکعت پڑھا دیں تو دو سجدے سہو کافی ہوں گے۔

حدیث نبوی ﷺ

عن عبداللہ بن مسعود ان رسول اللہ ﷺ صلی الظهر خمسا فقیل له ازید فی الصلاۃ قال وما ذالك قالوا صلیت خمسا فسجد سجدتین۔

(ترجمہ) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پانچ رکعتیں پڑھائیں پھر آپ ﷺ کو کہا گیا کہ کیا نماز زیادہ ہوگئی ہے۔ فرمایا کیوں؟ بتایا گیا کہ آپ (ﷺ) نے پانچ رکعتیں پڑھائیں ہیں۔ تب آپ ﷺ نے دو سجدے کئے۔

(بخاري ج ا كتاب التهجد باب اذا صلي خمسا صفحه ۱۶۳، رقم الحديث ۱۲۲۶)

(مسلم ج ا كتاب المساجد باب السهو في الصلاة والسجود صفحه ۲۱۲، رقم الحديث ۱۲۸۱)

فقہ حنفی

وان قيد الخامسة بسجدة بطل فرضه عندنا

(ھدایہ اولین ج۱ صفحہ: ۱۵۹ کتاب الصلاۃ باب سجود السھو)

(ترجمہ) پانچویں رکعت پڑھ لی تو ہم (احناف) کے نزدیک اس کی پوری فرض نماز باطل ہوگئی۔

(فقہ وحدیث ص ۱۲۶)

جواب:

اس بات پر اجماع ہے کہ نماز میں آخری قعدہ میں بیٹھنا فرض ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ فرض کے چھوٹ جانے سے نماز نہیں ہوتی، اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ چوتھی رکعت میں قعدہ کے لیے بیٹھے بغیر پانچویں رکعت میں کھڑے ہو جانے سے فرض نماز ادا نہیں ہوگی۔ کیونکہ آخری قعدہ جو کہ فرض ہے فوت ہو گیا ہے بلکہ اس صورت میں یہ نماز نفل ہو جائے گی۔ جب یہ دونوں قاعدے مسلم ہیں تو فقہی نقطہ نظر سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے۔ کہ روایت میں مذکور واقعہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چوتھی رکعت میں قعدہ کے لیے نہیں بیٹھے تھے۔ جب یہ روایت اس بارے میں خاموش ہے اور بیٹھنے یا نہ بیٹھنے سے کسی قسم کی بھی تصریح نہیں کرتی تو ایک محتمل امر کی بنا پر امام ابوحنیفہ کے فقہ وروایت کے لحاظ سے مضبوط مسلک پر اعتراض کرنے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔

اعتراض نمبر (۸۸)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: نفل پڑھنے والے کی اقتداء، فرض پڑھنے والے کے لیے جائز ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عن جابر قال كان معاذ يصلي مع النبي صلی اللہ علیہ وسلم ثم ياتي قومه فيصلي بهم.

(ترجمہ) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کرتے، پھر اپنی قوم میں جاتے اور ان کو نماز پڑھاتے، (یعنی دوسری نماز معاذ رضی اللہ عنہ کے لیے نفلی ہوتی اور دوسری جماعت کے لیے فرض۔)

(بخاری ج ۱ کتاب الاذان باب اذا صلی ثم ام قوما صفحہ ۹۸، رقم الحدیث ۷۱۱، مسلم ج ۱ کتاب الصلاۃ باب القرأۃ فی العشاء صفحہ ۱۸۷، رقم الحدیث ۱۰۴۰)

فقہ حنفی

ولا یصلی المفترض خلف المتنفل

(ھدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلاۃ باب الامامۃ صفحہ ۱۲۷)

(ترجمہ) فرض نماز پڑھنے والا نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے (نماز) نہیں پڑھ سکتا۔

(فقہ و حدیث ص ۱۲۷)

جواب:

راشدی صاحب نے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ بات موجود نہیں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کس نیت سے پڑھتے تھے کیونکہ نیت تو ایک باطنی امر ہے اس پر کوئی دوسرا مطلع نہیں ہو سکتا جب تک نیت کرنے والا خود نہ بتائے۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نفل کی نیت سے نماز پڑھتے ہوں تا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کا طریقہ سیکھ سکیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ کر برکت حاصل کر سکیں اور پھر اپنی قوم کے پاس جا کر فرض نماز پڑھاتے ہوں جب اس بات کا بھی احتمال ہے تو دوسرے حضرات کا استدلال درست نہ ہوگا۔

اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے فعل کو ایسے معنی پر محمول کرنا جو متفق علیہ ہے زیادہ بہتر ہوگا ایک ایسے معنی پر محمول کرنے سے جو مختلف فیہ ہے چنانچہ نفل نماز کی نیت کے ساتھ اس امام کے پیچھے نماز پڑھنی جو فرض نماز پڑھا رہا ہو بالاتفاق سب کے نزدیک جائز ہے۔ لیکن نفل نماز پڑھانے والے کے پیچھے فرض والے کی نماز میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے۔ احناف، مالکیہ، حنابلہ اس کے قائل نہیں ہیں۔

اگر غیر مقلدین اس بات پر ہی بضد ہوں کہ وہ فرض نماز ہی پڑھ کر جاتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اس عمل کا علم ہوا آپ علیہ السلام نے منع فرما دیا۔

جیسا کہ مسند احمد کی روایت میں آتا ہے

عن معاذ بن رفاعة عن سلیم رجل من بنی سلمة قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یا معاذ بن جبل لا تکن فتانا اما ان تصلی معی و اما ان تخفف علی قومك۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۷۴)

(ترجمہ) آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے معاذ بن جبل !یا تو تم میرے ساتھ نماز پڑھو اور یا پھر اپنی قوم کے ساتھ ہلکی نماز پڑھو۔

اس کا معنی یہی ہے کہ یا تو تم فرض نماز میرے ساتھ پڑھو اور اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ فرض نہ پڑھو، اور یا میرے ساتھ فرض نہ پڑھو تاکہ وہ تمہارا انتظار نہ کریں۔

چنانچہ امام عبدالسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ جو اکابر حنابلہ میں سے ہیں (صاحب منتقی) کہتے ہیں۔

وقد احتج به بعض من منع اقتداء المفترض بالمتنفل قال لانه يدل على انه متى صلى معه امتنعت امامته وبالاجماع لاتمتنع صلاة النفل معه فعلم انه اراد بهذا القول صلاة الفرض وان الذى كان يصلى معه كان ينويه نفلا۔ (منتقی مترجم ج ۱ ص ۵۷۸)

(ترجمہ) جو نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز کو درست نہیں قرار دیتے، اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اس حدیث میں دلالت ہے اس بات پر کہ فرض پڑھنے والے کی اقتداء نفل پڑھنے والے کے پیچھے نہیں ہوتی کیونکہ جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو پھر ان کی امامت ممنوع ہوگی حصر والی تقسیم کا یہی مقتضی ہے۔

اور یہ بات بالاجماع ثابت ہے، اگر وہ آپ کے پیچھے نفل کی نیت سے نماز پڑھیں تو پھر ان کی امامت ممنوع نہ ہوگی۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ معاذ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے مامور تھے، کہ وہ اپنی قوم کو امامت کرائیں تو ظاہر ہے وہ فرض نماز یقیناً اپنی قوم کے ہمراہ جماعت کے ساتھ ہی ادا کرتے تھے۔

(شرح نقایہ ج ۱ ص ۸۸)

اس حدیث میں یہ نہیں آیا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ کام حضور اکرم ﷺ کی اجازت سے کیا ہو اور حضور اکرم ﷺ نے آپ کو اجازت دی ہو کہ فرض میرے پیچھے پڑھ لیا کرو۔ اور نفل کی نیت سے اپنے مقتدیوں کو پڑھا دیا کرو۔ زیادہ سے زیادہ یہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا عمل تھا مگر جب حضور اکرم ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو منع فرما دیا۔

اعتراض نمبر (۸۹)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: نماز میں شک میں مبتلا ہونے والا یقین پر بناء کرتے ہوئے نماز مکمل کر کے سجدۂ سہو کر لے۔

حدیث نبوی ﷺ

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ﷺ اذا شك احد کم فی صلاتہ ولم یدر کم صلی ثلاثا ام اربعا فلیطرح الشك ولیبن علی ما استیقن ثم لیسجد سجدتین قبل ان یسلم۔

(ترجمہ) سیدنا ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی ایک کو اپنی نماز کے بارے میں شک ہو اور اس کو پتہ نہ چلے کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار تو اس کو چاہیے کہ شک کو دور کرے اور یقین پر بنا کرتے ہوئے سلام سے قبل سجدہ سہو کرے۔)

(مسلم ج۱ کتاب المساجد باب السھو فی الصلوۃ صفحہ ۲۱۱، رقم الحدیث ۱۲۷۲)

فقہ حنفی

ومن شك فی صلوتہ فلم یدر اثلاثا صلی ام اربعا وذلك اول ما عرض استانف

(ھدایہ اولین ج۱ کتاب الصلاۃ باب السجود صفحہ ۱۶۰)

(ترجمہ) یعنی جس کو اپنی نماز میں شک ہو اور اس کو پتہ نہ چل سکے کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار اور یہ کیفیت نماز کے شروع میں ہو تو اس کو چاہیے کہ نماز توڑ دے اور نئے سرے سے نماز شروع کرے۔ (فقہ وحدیث ص ۱۲۸)

جواب:

پیر بدیع الدین شاہ راشدی صاحب غیر مقلد نے فقہ حنفی کا پورا مسئلہ نقل نہیں کیا آپ نے جو عبارت ہدایہ کی نقل کی ہے وہ بھی پوری نقل نہیں کی۔

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ ؒ کا صحیح مسلک کیا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔

نواب قطب الدین محدث دہلوی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

اس مسئلہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک کا ماحصیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو نماز میں شک ہو جائے کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تو اگر اس شخص کی عادت شک کرنے کی نہ ہو تو اس کو چاہیئے کہ پھر نئے سرے سے نماز پڑھے اور اگر اسکو شک ہونے کی عادت ہو تو اپنے غالب گمان پر عمل کر لے جتنی رکعتیں اس کو غالب گمان سے یاد پڑھیں تو اسی قدر رکعتیں سمجھے کہ پڑھ چکا ہے اور اگر غالب گمان کسی طرف نہ ہو تو کمتر عدد کو اختیار کرے مثلاً کسی کو ظہر کی نماز میں شک ہوا کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار اور غالب گان کسی طرف نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ تین رکعتیں شمار کرے۔

ایک رکعت اور پڑھ کر نماز پوری کر لے پھر سجدہ سہو کر لے۔

اتنی بات سمجھ لیجئے کہ غالب گمان پر عمل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں غالب گمان کو اختیار کرنے کی اصل موجود ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ نماز پڑھنا چاہے جہاں اسے قبلہ کی سمت معلوم نہ ہو سکے تو اس کے لیے حکم ہے کہ وہ جس سمت کے بارہ میں غالب گمان رکھے کہ ادھر قبلہ ہے اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے اس کی نماز ہو جائے گی۔

غالب گمان کو اختیار کرنے کے سلسلہ میں احادیث بھی ملتی ہیں چنانچہ صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک واقع ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ صحیح رائے قائم کر کے (یعنی کسی ایک پہلو پر غالب گمان کر کے) نماز پوری کر لے'' اس حدیث کو شمنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شرح نقایہ میں نقل کیا ہے۔ نیز جامع الاصول میں بھی نسائی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک حدیث تحری (غالب گمان) پر عمل کرنے کے صحیح ہونے کے بارہ میں منقول ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب موطا میں تحری کی افادایت کے سلسلہ میں یہ کہتے ہوئے کہ تحری کے سلسلہ میں بہت آثار وارد ہیں بڑی اچھی بات یہ کہی ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جائے: یعنی تحری کو قابل قبول نہ قرار دیا جائے تو شک اور سہو سے نجات ملنی بڑی مشکل ہو گی اور ہر شک وشبہ کی صورت میں اعادہ بڑی پریشانیوں کا باعث بن جائے گا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر مسئلہ مذکور کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا

ہے کہ اس موقع پر حاصل کلام یہ ہے کہ اس مسئلہ کے سلسلہ میں تین احادیث منقول ہیں پہلی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں جب بھی کسی کو شک واقع ہو جائے تو وہ نماز کو ازسرنو پڑھے۔ دوسری حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ جب کسی کو نماز میں شک واقع ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ صحیح بات کو حاصل کرنے کے لیے تحری کرے یعنی غالب گمان پر عمل کر لے۔ تیسری حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب نماز میں شک واقع ہو تو یقین پر عمل کرنا چاہیے۔ یعنی جس پہلو پر یقین ہو اسی پر عمل کیا جائے‘‘۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان تینوں حدیثوں کو اپنے مسلک میں جمع کر دیا ہے اس طرح کہ انھوں نے پہلی حدیث کو تو پہلی مرتبہ شک واقع ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے۔

دوسری حدیث کو کسی ایک پہلو پر غالب گمان ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے اور تیسری حدیث کو کسی بھی پہلو پر غالب گمان نہ ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی کمال جامعیت اور انتہائی محقق ہونے کی دلیل ہے۔ (مظاہر حق شرح مشکوۃ جلد اول ص ۶۷۱ و ص ۶۷۲)

قارئین کرام ہم نے مسئلہ کو واضح کرنے کے لیے مظاہر حق سے کافی لمبی عبارت نقل کر دی ہے۔ اب زیادہ ضرورت تو نہیں کہ ہم کچھ مزید عرض کریں مگر ہمیں واسطہ ایسے لوگوں سے پڑا ہے جو ضدی قسم کے ہیں۔ اس لیے ہم ایسی تینوں قسم کی روایات کا بحوالہ ذکر بھی کر دیتے ہیں جن کا ذکر شیخ عبدالحق نے فرمایا ہے۔ اور وہ تینوں قسم کی روایات ہدایہ میں بھی موجود ہیں۔

پہلی قسم کی حدیث:

اگر کسی شخص کو پہلی بار اپنی نماز میں شک ہوا ہو تو ایسا شخص نماز ازسرنو پڑھے مولانا راشدی صاحب نے ہدایہ کی جو عبارت نقل کی ہے اس کے آگے صاحب ہدایہ نے حدیث سے اس مسئلہ کی دلیل بھی نقل کی تھی جو مولانا نے نقل نہیں کی۔ اگر نقل کر دیتے تو اعتراض خود ہی ختم ہو جاتا۔ ہم یہاں پر ہدایہ کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں جس سے مولانا راشدی صاحب کی خیانت کا علم بھی ہو جائے گا اور حدیث کا پتہ بھی چل جائے گا ہدایہ کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

ومن شك في صلاته فلم يدر اثلاثا صلى؟ ام اربعا وذلك اول ما عرض له. استانف لقوله علیہ السلام إذا شك احدكم في صلاته انه كم صلى فليستقبل الصلاة

(ترجمہ) اور جس شخص کو اپنی نماز میں شک ہو گیا۔ چنانچہ اسے یہ نہیں معلوم کہ اس نے تین رکعات پڑھی یا چار اور یہ شک اسے پہلی مرتبہ عارض ہوا ہے تو وہ شخص از سر نو نماز پڑھے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب تم میں سے کسی شخص کو اس کی نماز میں شک ہو جائے کہ اس نے کتنی رکعات پڑھی ہے تو وہ از سر نو نماز پڑھے۔ (ہدایہ باب سجود السہو)

یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے۔ علامہ زیلعی حنفی نے نصب الرایہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے درایہ میں اور ہدایہ کی دیگر شروحات میں اس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔ علاہ انور شاہ کشمیری نے العرف الشذی شرح ترمذی ج ۲ ص ۳۴۰ میں بھی نقل کی ہے۔

اس حدیث کے علاوہ بھی متعدد روایات سے یہ مفہوم نکلتا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۱:

ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے مصنف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اس قسم کی روایت نقل کی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

عن ابن عمر فی الذی لا یدری ثلاثا صلی او اربعا قال: یعید حتی یحفظ

(مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۲۸ ج ۲ باب من قال اذا شک فلم یدر کم صلی اعاد)

(ترجمہ) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں جو شخص یہ نہ جانے کہ تین پڑھیں یا چار وہ اعادہ کرے یہاں تک کہ ٹھیک یاد ہو۔

حدیث نمبر ۲:

عن ابن سیرین عن ابن عمر قال: اما انا فاذا لم ادر کم صلیت فانی اعید

(مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۲۷۔ ۲۸ ج ۲ باب من قال اذا شک فلم یدر کم صلی اعاد)

(ترجمہ) ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب میں شک کرتا ہوں کہ میں نے کتنی رکعتیں پڑھی تو اعادہ کر لیتا ہوں۔

ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر، ابن الحنفیہ اور قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی روایت کیا ہے۔

(دیکھیے: مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ باب من قال اذا شک فلم یدر کم صلی اعاد)

علامہ کاسانی بدائع الصنائع میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت ابن عباس اور عبداللہ بن عمرو بن العاص سے بھی یہی مروی ہے۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ اور امام طاوس رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہ ہی منقول ہے۔

ان دلائل سے اتنی بات تو ثابت ہوگئی کہ امام صاحب کے حوالہ سے صاحب ہدایہ نے جو بات ذکر کی اس کی کچھ نہ کچھ اصل روایات میں موجود ہے۔ اور امام صاحب بھی جس شخص کو زندگی میں صرف پہلی بار شک ہوا ہو اس کے متعلق یہ کہتے ہیں ہر شک والے کا یہ حکم نہیں۔ دوسری بات احناف کے ہاں اس طرح کرنا یعنی از سرنو نماز پڑھنا کوئی ضروری نہیں نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت صرف جواز کی حد تک ہے اور وہ بھی اس مسئلہ میں وارد ان احادیث وآثار مذکورہ کی وجہ سے امام ترمذی نے بھی یہ بات نقل کی ہے آپ فرماتے ہیں اور کہا بعض علماء نے جب شک کرے نماز میں تو پھر دوبارہ پڑھے۔

(ترمذی باب فیمن یشک فی الذیادۃ والنقصان)

دوسری قسم کی حدیث

صاحب ہدایہ اس عبارت کے آگے لکھتے ہیں (ترجمہ ملاحظہ فرمائیں) اور اگر مصلی کو زیادہ شک پیش آتا ہو تو وہ اپنی اکبر رائے کے مطابق بناء کرلے اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جس شخص کو اس کی نماز میں شک ہو جائے وہ درستگی کی تحری کرے (یعنی غالب گمان کرے۔ پھر جس طرف اس کا غالب گمان ہو اس پر عمل کرے)

یہ اس مسئلے کا دوسرا اجزاء ہوا اور صاحب ہدایہ نے اس کی دلیل بھی ساتھ نقل کردی ہے وہ مکمل حدیث اس طرح ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھائی ابراہیم نے کہا مجھے پتا نہیں اس نماز میں آپ ﷺ نے کچھ زیادتی کی یا کمی کی پس جب اپ نے سلام پھیرا تو آپ سے کہا گیا یا رسول اللہ کیا نماز میں کوئی نیا حکم نازل ہوا ہے آپ ﷺ نے پوچھا اس کا کیا مطلب ہے صحابہ نے کہا آپ نے اس طرح اور اس طرح نماز پڑھی ہے آپ نے اپنے پیر موڑے اور قبلہ کی طرف منہ کیا اور دو سجدے کیے پھر سلام پھیرا۔ پھر ہماری طرف منہ کر کے فرمایا اگر نماز میں کوئی نیا حکم نازل ہوتا تو میں تمہیں اس کی خبر دیتا لیکن میں صرف تمہاری مثل بشر ہوں میں اس طرح بھولتا ہوں میں جس طرح تم بھولتے ہو پس جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دلایا کرو اور جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو جائے تو اسے غور کر کے صحیح بات معلوم کرنی چاہیے (واذا شك احد كم في الصلوة

فلیتحری الصواب) پھر اپنی نماز پوری کرنی چاہیے پھر سلام پھیر کر دو سجدے کرنے چاہئیں۔

(بخاری کتاب الصلوٰۃ باب التوجہ نحو القبلۃ حیث کان حدیث نمبر ۴۰۱)

بخاری میں اس باب کے علاوہ بھی چار اور مقامات پر یہ حدیث امام بخاری نے نقل کی ہے۔

یہ حدیث مسلم، ابوداؤد، نسائی ابن ماجہ، مصنف ابن ابی شیبہ، سنن الکبری بیہقی، المنتقی ابن جارود، صحیح ابن خزیمہ، دارقطنی، مسند احمد، جامع المسانید ابن جوزی وغیرہ میں موجود ہے۔ اس حدیث سے احناف کا مذہب تحری کرنا ثابت ہوتا ہے۔

اس حدیث کے علاوہ بھی تحری کرنے کی احادیث مروی ہیں بعض کا ذکر مظاہر حق کی عبارت میں گذر چکا ہے۔ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ امام قدوری فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب یعنی امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کا قول ہے کہ شک کرنے والا تحری کرے اور اس میں کوئی تفصیل نہیں فرمائی اور یہی اصول کی روایت ہے۔ (عینی شرح ہدایہ)

تیسری قسم کی حدیث

اس مسئلہ کا تیراجزیہ ہے کہ جس پر یقین ہو اس پر عمل کرے یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب اس کی تحری کسی بات پر نہ جمے یعنی غلبہ ظن حاصل نہ ہو تو کیا کرے۔ اس کے متعلق صاحب ہدایہ آگے فرماتے ہیں۔

اور اگر اس کی کوئی رائے نہ ہو تو یقین پر بناء کرے اس لیے کہ آپ۔ نے فرمایا کہ جسے اپنی نماز میں شک ہو گیا اور وہ یہ نہیں جانتا کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہے یا چار تو وہ شخص اقل پر بنا کرے۔

یہ حدیث ترمذی کتاب الصلاۃ باب فیمن شک فی الزیادۃ والنقصان میں حضرت عبدالرحمن بن عوف سے اس طرح مروی ہے۔

روایت ہے عبدالرحمن بن عوف سے کہا سنا میں نے نبی ﷺ سے فرماتے تھے جب بھول جاوے کوئی شخص نماز میں اور نہ جانے کہ دو پڑھیں یا ایک یعنی رکعتیں تو ایک قرار دے اور اگر نہ جانے کہ دو پڑھیں یا تین تو دو قرار دے اور اگر نجانے کہ تین پڑھیں یا چار تو تین قرار دے اور جو باقی ہو سو پڑھ کر آخر میں دو سجدے کرے قبل السلام کے۔

دوسری حدیث:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کو نماز میں شک ہو جائے اور پتہ نہ چلے کہ اس نے تین رکعت پڑھی ہے یا چار تو شک کو ساقط

کر دے اور جتنی رکعات کا یقین ہو اس کے مطابق نماز پڑھے اور سلام سے پہلے دو سجدے کر لے اور اگر اس نے (واقع میں) پانچ رکعت پڑھی ہیں تو ان دو سجدوں کے ساتھ چھ رکعات ہو جائیں گی۔ اور اگر چار رکعات پڑھی ہیں تو یہ دو سجدے شیطان کی ذلت کا سبب ہو جائیں گے۔

(مسلم باب السهو فی الصلوۃ والسجود)

ہم نے تینوں قسم کی احادیث نقل کر دی ہیں۔ اس لئے کہ کسی کے خیال میں آئے کہ شیخ عبدالحق نے یہ کہا ہے مگر نقل نہیں کیں۔ ویسے ہمیں تو اول قسم کی ضرورت تھی کیونکہ مولانا راشدی صاحب کو صرف اسی پر اعتراض تھا۔

رہی وہ روایت جو راشدی نے نقل کی ہے ہم اس کے مخالف نہیں ہم اس کا وہ مفہوم لیتے ہیں جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی نے بیان کیا ہے۔

اعتراض نمبر ۹۰

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: سجدہ میں پیشانی اور ناک دونوں کو زمین پر ٹکانا ضروری ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

سیدنا ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی "صفة الصلوة النبويه" والی حدیث میں ہے کہ: ثم سجد فامكن انفه وجبهته الارض۔

(ترجمہ) پھر آپ نے سجدہ کیا اور سجدہ میں اپنی ناک اور اپنی پیشانی کو زمین پر ٹکایا۔

(ابوداؤد ج۱ کتاب الصلاۃ باب افتتاح الصلاۃ صفحہ ۱۱۴، رقم الحدیث ۷۳۴)

لا صلاة لمن لم يمس انفه للارض۔

(مستدرک حاکم کتاب الصلوۃ ج۱ ص ۲۷۰، رقم الحدیث ۹۹۷۔ طبع دار الفکر بیروت)

(ترجمہ) جس نے سجدہ میں اپنی ناک کو زمین پر نہ لگایا تو اس کی نماز نہیں ہے۔

(فقہ و حدیث ص ۱۲۹)

فقہ حنفی

فان اقتصر على احدهما جاز عند ابی حنيفة

(ہدایہ اولین ج۱ کتاب الصلاۃ باب صفة الصلاۃ صفحہ ۱۰۸)

(ترجمہ) جس نے ان دونوں (ناک اور پیشانی) میں سے کسی ایک کو زمین پر رکھا تو ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔ (فقہ و حدیث ص ۱۲۹)

جواب:

راشدی صاحب نے احناف کا مسلک صحیح نقل نہیں کیا ہمارا صحیح مسلک ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حنفی لکھتے ہیں:

اس بات پر اتفاق ہے کہ سجدہ سات اعضاء پر ہوتا ہے۔ یدین۔ رکبتین قدمین اور وجہ، پھر وجہ میں تفصیل ہے اس پر تو اتفاق ہے کہ پشانی اور ناک دونوں کا ٹیکنا مسنون ہے۔

(درس ترمذی جلد دوم ص ۵۱)

(۲) مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

صحیح بات یہی ہے کہ انف وجبہۃ دونوں پر سجدہ ضروری ہے۔ (خزائن السنن ج ۲ ص ۱۱۳)

(۳) مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمۃ اللہ علیہ حنفی لکھتے ہیں۔

(۱) مسائل سجدہ۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جبہہ (پیشانی) اور ناک دونوں پر سجدہ کرنا فرض ہے۔

(نماز مسنون کلاں ص ۳۶۷)

(۲) مسئلہ بلا عذر صرف ناک پر سجدہ کرنے سے نماز ادا نہ ہوگی اور پیشانی پر اکتفاء مکروہ تحریمی ہے۔

(نماز مسنون کلاں ص ۳۶۷)

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث کے مطابق ہے نہ کے مخالف ہدایہ کی عبارت کی تشریح فقہ کی دیگر کتابوں میں موجود ہے۔ وہاں پر دیکھ لیں تسلی ہو جائے گی۔

اعتراض نمبر (۹۱)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: کھجور کی بیع کھجور کے ساتھ کمی بیشی کے ساتھ سود ہے

حدیث نبوی ﷺ

عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله ﷺ الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء يدا بيد.

(ترجمہ) سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سونا، چاندی، گندم، جو کھجور، نمک، ان سب کا لین دین جنس کے بدلے جنس کیساتھ نیز برابری کیساتھ اور ہاتھوں ہاتھ کیا جائے۔

(مسلم ج۲ کتاب المساقاۃ والمزارعۃ باب الصرف وبیع الورق نقداً صفحہ ۲۵، رقم الحدیث ۴۰۶۳)

فقہ حنفی

ویجوز بیع البیضۃ بالبیضتین والتمرۃ بالتمرتین

(ہدایہ اخیرین ج۳ کتاب البیوع باب الربو اصفحہ ۸۱)

(ترجمہ) ایک انڈے کی دو انڈوں کے ساتھ اور ایک کھجور کی دو کھجور کے ساتھ بیع کرنا جائز ہے۔ (فقہ وحدیث ص ۱۳۰)

جواب:

فقہ حنفی میں سود قطعی طور پر حرام ہے علمائے احناف کی تمام قرآن کی تفاسیر یں، احادیث کی شروحات کتب فقہ کی تشریحات پر مشتمل کتابیں اس کی شاہد ہیں نیز تقریباً تمام فتاوٰجات اور اس کے علاوہ علمائے احناف نے حرمت سود پر مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔ اگر کوئی شخص صرف مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ حنفی دیوبندی کی کتاب مسئلہ سود پڑھ لے تو اس کی تسلی ہو جائے گی۔ اس کتاب میں ایسی تمام آیات جن کا تعلق مسئلہ سود سے ہے سب کا ترجمہ وتفسیر بیان کی گئی ہے۔ پھر حرمت سود پر مکمل چالیس احادیث ترجمہ وتشریح کے ساتھ لکھی ہیں۔ پھر ان کے بیٹے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی نے تجارتی سود پر بہترین کتاب تالیف فرمائی۔ مفتی تقی عثمانی نے حرمت سود را یک فیصلہ بھی لکھا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی کئی کتابیں مارکیٹ میں موجود ہیں جن میں سود کو حرام کہا گیا ہے۔ علمائے احناف سود کو قطعی طور پر حرام کہتے ہیں مندرجہ ذیل دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۷۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

بیع اور ربو میں بڑا فرق ہے کہ بیع کو حق تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور سود کر حرام۔ (تفسیر عثمانی ص ۵۹)

(۲) علامہ شبیر احمد عثمانی سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۳۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

اول تو سود مطلقاً حرام وقبیح اور یہ صورت تو بہت ہی زیادہ شنیع وقبیح ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۸۶)

(۳) ہدایہ شریف میں بھی سود کو حرام لکھا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

قال الربا محرم فی کل مکیل اوموزون اذا بیع بجنسه متعاضلا. فالعلة عندنا الکیل مع الجنس .اوالوزن مع الجنس قال رحمة الله علیه ویقال القدر مع الجنس وهو اشمل والا صل فیه الحدیث المشهور وهو قوله علیہ السلام وعد الاشیاء الستة الحنطة والشعیر والتمر والملح والذهب والفضة .الخ

(ترجمہ) فرماتے ہیں کہ ہراس چیز میں ربوا (سود) حرام ہے جو مکیلی یا وزونی ہے بشرطیکہ اسے اس کی ہم جنس کے عوض زیادتی کے ساتھ بیچا جائے چنانچہ ہمارے یہاں ربوا (سود) کی علت کیل مع الجنس یا وزن مع الجنس ہے۔ (صاحب ہدایہ فرماتے ہیں) کہ قدر مع الجنس کو بھی علت قرار دیا جاتا ہے اور یہ زیادہ شامل ہے۔

اور اس سلسلے میں اصل وہ حدیث مشہور ہے جس میں آپ ﷺ نے الحنطة بالحنطة الخ کا مضمون بیان فرمایا ہے اور آپ ﷺ نے چھ چیزیں شمار فرمائیں ہیں (۱) گیہوں (۲) جو (۳) کھجور (۴) نمک (۵) سونا (۶) چاندی

اور حدیث دو طرح سے مروی ہے ایک رفع کیساتھ یعنی مثل اور ایک نصب کیساتھ یعنی مثلاً۔ اول کے معنی یہ ہیں کہ کھجور کی بیع برابر ہے اور ثانی کے معنی یہ ہیں کہ کھجور کو کھجور کے عوض برابر سرابر بیچو، اور حکم باجماع مجتہدین علت کیساتھ ہے لیکن ہمارے نزدیک علت وہ ہے جو ہم نے بیان کی۔

ہدایہ کی اس عبارت سے سود کا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور جن چھ چیزوں کا ذکر راشدی صاحب نے کیا ہے ان ہی کا صاحب ہدایہ نے بھی کیا ہے۔

(۴) مفتی عبدالحلیم قاسمی حنفی نے ہدایہ کا ترجمہ وشرح احسن الہدایہ کے نام سے کیا ہی وہ ہدایہ کی اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں۔

علت ربوا کے سلسلے میں معتمد اور بنیاد وہ حدیث شریف ہے جس میں آپ ﷺ نے چھ چیزوں کو شمار فرما کر انہیں برابر برابر اور ہاتھ در ہاتھ بیچنے کو جائز قرار دیا ہے۔ اور کمی اور زیادتی کو آپ نے ربوا سے تعبیر کیا ہے۔ لہٰذا ان چھے چیزوں کی علت جہاں بھی موجود ہوگی وہاں کمی بیشی ربوا ہوگی اور حرام وناجائز ہوگی۔

کتاب میں تو حدیث پاک کا ایک ٹکڑا موجود ہے لیکن کتب حدیث میں تقریباً ۱۶ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس مضمون کی حدیث وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ ترمذی وغیرہ میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

> قال قال النبی ﷺ الذهب بالذهب مثلاً بمثل والفضة بالفضة مثلاً بمثل والتمر بالتمر مثلاً بمثل وابر بالبر مثلاً بمثل، والملح بالملح مثلا بمثل والشیعر بالشعیر ثلاً بمثل فمن راداؤ استزاد فقد اربی وبیعوا البر بالشعیر کیف شئتم یدا بیدا۔

(احسن الہدایہ جلد ۸ ص ۳۰۴)

(۵) مظاہر حق شرح مشکوۃ جو حنفیوں کی مشہور اردو شرح ہے۔ اس میں بڑی تفصیل سے سود کی حرمت بیان کی گئی ہے۔ جو حدیث تعارض کے طور پر راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کی شرح میں سود کی حرمت پر کافی بحث موجود ہے۔ (دیکھئے: جلد نمبر ۳ ص ۶۸ تا ۷۰)۔

ان حوالہ جات سے واضح ہوتا ہے کہ حنفی اس حدیث کو مانتے ہیں راشدی صاحب کا یہ کہنا کہ حنفی مذہب اس حدیث کے خلاف ہے بالکل جھوٹ ہے۔

اب اس عبارت کا جواب ملاحظہ فرمائیں جو راشدی صاحب نے پیش کی ہے۔

ہدایہ کی مکمل عبارت اس طرح ہے۔

> اور جائز ہے ایک انڈے کی بیع دو انڈوں کے عوض اور ایک کھجور کی بیع دو کھجوروں کے عوض اور ایک آخروٹ کی بیع دو آخروٹ کے عوض۔ کیونکہ معیار مفقود ہے تو ربوا محقق نہ ہوگا۔

اس کی شرح میں مولانا محمد حنیف گنگوہی لکھتے ہیں:

ایک انڈے کی بیع دو انڈوں کے عوض جائز ہے۔ کیونکہ معیار شرعی مفقود ہے یعنی اشیاء مذکورہ نہ کیلی ہیں نہ وزنی لہذا ربوا محقق نہ ہوگا۔ (طلوع النیرین ج ۱ ص ۳۲۶)

کیلی کا مطلب ہے ناپنے والی اشیاء اور وزنی کا مطلب ہے تولنے والی اشیاء شریعت میں ناپ نے والا پیمانہ یعنی برتن سب سے کم درجے کا جو ہوتا ہے وہ مد ہوتا ہے مد سے کم کوئی پیمانہ نہیں۔ جب آپ کسی سے ناپ کا معاملہ کریں گے تو کم از کم ایک مد کے کیل کا اعتبار کریں گے۔ اگر اس کا اعتبار

نہ کیا جائے تو حدیث میں مدا بمدا کی جو صراحت ہے وہ بے فائدہ ہو جاتی ہے جب ان کیلی اشیاء میں جنس کے ساتھ کم از کم ایک مد کیل کا اعتبار ہے تو جو اس اس معیار سے کم ہے یعنی ایک مد سے کم ہے یا جو جنس ہونے کے باوجود کیلی یا وزنی نہیں تو ان میں سود کی علت نہیں پائی جاتی اس لیے ان میں سود کا حکم نہیں پایا جاتا اس بات کو صاحب ہدایہ نے یہاں بیان کیا ہے۔

راشدی کو یا تو ہمارے مسلک کی واقعی خبر نہیں یا پھر انہوں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے میرے خیال میں تو جان بوجھ کر وہ ایسا کرتے ہیں حنفی مذہب میں فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

> معلی نے امام محمد سے بھی یہ ہی روایت کیا ہے کہ ان کے نزدیک بیع تمر بالتمر تین مکروہ ہے۔ نیز امام محمد کا قول ہے کہ جو شئ کثیر میں حرام ہے وہ اس کے قلیل میں بھی حرام ہے شیخ کمال الدین نے فتح القدیر میں امام محمد کے قول کی تصحیح نقل کی ہے۔
>
> (طلوع النیر بین شرح ہدایہ آخرین ج ا ص ۳۲۶).

مولانا ظفر احمد عثمانی حنفی لکھتے ہیں۔

ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک لپ (گندم وغیرہ) دولپ کے بدلہ میں اور ایک کھجور کی دو کھجوروں کے بدلہ میں بیع سے بچنا بہتر ہے۔ یہ اس لیے نہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ دلیل کے لحاظ سے کمزور ہے۔ بلکہ خلاف سے نکلنے کے لیے ہے۔ (اعلاء السنن جلد ۱۴ ص ۲۶۴ بحوالہ انکشاف حقیقت ص ۳۳۵)

(تفصیل کے لیے دیکھئے الشرح ثمیری علی المختصر للقدوری ج ۲ ص ۷۲ تا ۸۳ باب الربو).

اعتراض نمبر (۹۲)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: جمع بین الصلاتین میں ایک اذان اور دو اقامتیں ہوں گی۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حجۃ الوداع کے قصے میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مزدلفہ پہنچے:

فجمع بها المغرب والعشاء بأذان واقامتين۔

(الصحيح المسلم كتاب الحج باب حجة النبي صلی اللہ علیہ وسلم ج ا ص ۳۹۴، رقم الحديث ۲۹۵۰)

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع کیا مغرب اور عشاء کو ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ۔ (فقہ و حدیث ص ۱۳۱)

فقہ حنفی

ویصلی الامام بالناس المغرب والعشاء باذان واقامة واحدة

(ھدایہ اولین ج۱ کتاب الحج باب الاحرام صفحہ ۲۴۷)

(ترجمہ) امام نماز پڑھائے لوگوں کو مغرب اور عشاء ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ۔

جواب:

اس مسئلہ میں احادیث مختلف ہیں کسی میں آتا ہے کہ ہر نماز کے لیے اذان بھی دی جائے گی اور اقامت بھی کہی جائے گی۔ اور کسی میں آتا ہے ایک اذان اور دو تکبیروں سے دونوں نمازیں پڑھیں گے اور کسی روایت میں آتا ہے کہ ایک اذان اور ایک ہی تکبیر سے دونوں نمازیں پڑھیں گے راشدی صاحب نے صرف دو تکبیروں والی روایت نقل کر دی اور ایک تکبیر والی کا ذکر نہیں کیا فقہ حنفی کا عمل ایک تکبیر والی احادیث کے مطابق ہے۔

فقہ حنفی کے دلائل

حدیث نمبر ۱:

روایت ہے عبداللہ بن مالک سے کہ البتہ ابن عمر ؓ نے نماز پڑھی مزدلفے میں اور ملا کر پڑھیں دو نمازیں ایک تکبیر سے اور فرمایا دیکھا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا ہی کرتے ہوئے اس مکان میں۔ (ترمذی مترجم جلد اول ص ۳۳۵ ترجمہ علامہ بدیع الزماں غیر مقلد ابواب الحج باب ماجآء فی الجمع بین المغرب والعشآء)

حدیث نمبر ۲:

حضرت ابن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز جمع کر کے پڑھی۔ آپ نے مغرب کی تین رکعات اور عشاء کی دو رکعات ایک اقامت کے ساتھ پڑھیں۔ (مسلم کتاب الحج باب الافاضۃ من عرفات الی المزدلفۃ)

حدیث نمبر ۳:

حضرت سعید بن جبیر ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عمر ؓ کے ساتھ گئے حتی کہ

مزدلفہ پہنچے وہاں انہوں نے ہمیں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اقامت کے ساتھ پڑھائیں پھر واپس لوٹے اور کہا رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ اسی طرح ہمیں نماز پڑھائی تھی۔

(مسلم کتاب الحج باب الافاضۃ من عرفات الی المزدلفہ)

حدیث نمبر ۴:

عبداللہ بن مالک سے روایت ہے کہ میں نے مغرب کی تین رکعتیں اور عشاء کی دو رکعتیں عبداللہ بن عمر کے ساتھ پڑھیں تو ملک بن الحارث نے ان سے کہا یہ کس طرح کی نماز ہے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان دونوں نمازوں کو اسی جگہ پڑھا تھا ایک تکبر سے۔

(ابو داؤد اور کتاب المناسک باب الصلوۃ بجمع)

حدیث نمبر ۵:

سعید بن جبیر و عبداللہ بن مالک سے روایت ہے کہ ہم نے عبداللہ بن عمر کے ساتھ مزدلفے میں نماز مغرب اور عشاء پڑھی ایک تکبیر سے۔ (سنن ابوداؤد کتاب المناسک باب الصلوۃ بجمع)

حدیث نمبر ۶:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ ملا کر پڑھیں اور ان کے درمیان کسی قسم کی نماز نہیں پڑھی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ بحوالہ نصب الرایہ ج ۳ ص ۶۸)

حدیث نمبر ۷:

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مغرب کی تین رکعات اور عشاء کی دو رکعات ایک اقامت کے ساتھ ملا کر پڑھیں۔ (نصب الرایہ ج ۳ ص ۶۹)

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو عشاء کے وقت میں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ پڑھے اور مغرب اور عشاء کے درمیان کسی قسم کی نفل نماز نہ پڑھی جائے حضور اکرم ﷺ کا یہی عمل ہے۔ اور احناف کا بھی یہی مختار مسلک ہے۔ باقی رہی وہ حدیث جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے وہ اس صورت پر محمول ہے کہ اگر مغرب اور عشاء کے درمیان کسی قسم کا وقفہ کر دیا جائے مثلاً کھانا کھانے کا یا اونٹ وغیرہ بٹھانے کا تو پھر عشاء کی نماز کے لیے دوبارہ اقامت

کہی جائے تا کہ جو لوگ ادھر اُدھر ہو چکے ہیں وہ نماز کے لیے حاضر ہو جائیں صاحب ہدایہ نے ایک عقلی دلیل بھی نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عشاء اپنے وقت پر پڑھی جا رہی ہے اس لیے الگ سے اقامت کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ لوگ تو عشاء کے لیے پہلے سے منتظر ہی ہیں اس کے برخلاف عرفہ میں عصر کی نماز اپنے وقت سے پہلے پڑھی جا رہی ہے اس لیے لوگوں کو مزید بتلانے کے لیے کہ عصر کی نماز ابھی ہی ہو رہی ہے عصر کے لیے الگ سے اقامت کہی جائے گی۔

اعتراض نمبر ۹۳

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: زندہ جانور کے بدلے گوشت کی بیع ممنوع ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

عن سعید بن المسیب ان رسول اللہ ﷺ کان ینھی عن بیع اللحم بالحیوان.

(ترجمہ) سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ ﷺ زندہ جانور کے بدلے گوشت کی بیع سے روکتے تھے۔

(سنن الکبری للبیھقی کتاب البیوع باب بیع اللحم بالحیوان (۵۲۹۶-۲۹۷) طبع نشر السنہ ملتان) (سنن الدارقطني کتاب البیوع ج۲ ص۶۷۵، رقم الحدیث ۳۰۲۲ طبع دار المعرفۃ بیروت) (مؤطا امام مالک ج۲ ص۶۵۵ رقم الحدیث ۱۳۲۵، طبع دار الحیاء التراث العربي) (شرح السنۃ للبغوي کتاب البیوع باب بیع اللحم بالحیوان ج۸ ص۷۶ رقم الحدیث ۲۰۷۶، طبع المکتب الاسلامي بیروت)

فقہ حنفی

ویجوز بیع اللحم بالحیوان

(ھدایہ اخیرین ج۳ کتاب البیوع باب الربوا صفحہ ۸۱)

(ترجمہ) زندہ جانور کے بدلے گوشت کی بیع جائز ہے۔

(فقہ وحدیث ص ۱۳۲)

جواب:

راشدی صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے اس کی شرح میں نواب قطب الدین خان محدث دہلوی حنفی لکھتے ہیں:

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ معاملہ جائز ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس معاملہ (یعنی گوشت کہ اس کا لین دین وزن کے ذریعہ ہوتا ہے) کا تبادلہ ایک غیر موزون چیز (یعنی جانور کا اس کا لین دین وزن کے ذریعہ نہیں ہوتا) کے ساتھ کیا جاتا ہے جس میں دونوں طرف کی چیزوں کا برابر برابر ہونا ضروری نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ لین دین اور خرید وفروخت کی یہ صورت جائز ہے ہاں اس صورت میں چونکہ لین دین کا دست بدست ہونا ضروری ہے اس لیے حدیث میں مذکور بالا ممانعت کا تعلق دراصل گوشت اور جانور کے باہم لین دین کی اس صورت سے ہے جبکہ لیکن دین دست بدست نہ ہو بلکہ ایک طرف تو نقد ہو اور دوسری طرف وعدہ یعنی ادھار ہو۔ (مظاہر حق شرح مشکوۃ ج ۳)

قاری عبدالحلیم قاسمی بستوی احسن الہدایہ ترجمہ وشرح ہدایہ میں اس مسئلہ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ تحقیق ربو کے لیے دو علتوں کا پایا جانا ضروری ہے اور یہاں دونوں علتیں محدوم ہیں۔ اس لیے کہ گوشت موزون ہے اور حیوان غیر موزون (عددی) ہے کیونکہ حیوان کو عرف عام میں نہ تو وزن کیا جاتا ہے اور نہ ہی وزن سے اس کی مقدار معلوم ہو سکتی ہے کیونکہ کبھی تو وہ خود کو ہلکا کر لیتا ہے اور کبھی سانس وغیرہ بھر کے خود کو بت بھاری بنا لیتا ہے لہٰذا ان مین اتحاد وقدر نہیں پایا گیا۔ اور صاحب کفایہ کی وضاحت کے مطابق یہاں اتحاد جنس بھی نہیں ہے۔ اس لیے کہ حیوان متحرک اور حساس ہوتا ہے جب کہ گوشت حرکت وحس سے عاری ہوتا ہے۔ تو جب حیوان اور گوشت میں ربوا کی دونوں علتیں معدوم ہیں۔ تو انہوں نے ایک دوسرے کے عوض فروخت کرنا دوست اور جائز ہوگا خواہ برابری کے ساتھ ہو یا کمی اور بیشی کے ساتھ ہو۔ (احسن الہدایہ جلد ۲ ص ۳۲۹)

اعتراض نمبر ۹۴

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: تازہ کھجور کی بیع خشک کھجور کے ساتھ برابری پر بھی جائز نہیں۔

حدیث نبوی ﷺ

عن سعد بن ابی وقاص قال سالت رسول الله ﷺ عن شری التمر بالرطب فقال اینقص الرطب اذا یبس قال نعم فنھی عن ذلک

(ترجمہ) سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے سوال کیا سوکھی کھجور کو تازہ کھجور کے بدلے خریدنے کے بارے میں، تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ تازہ کھجور جب خشک ہو جائے تو کم ہو جاتی ہے؟ کہا ہاں، تو آپ نے اس سے منع فرما دیا۔

(نسائي ج ۲ كتاب البيوع باب اشترآء التمر بالرطب صفحه ۲۱۸، رقم الحديث ۴۵۵۰) (ابوداؤد ج ۲ كتاب البيوع باب في التمر بالتمر صفحه ۱۲۱، رقم الحديث ۳۳۵۹) (ترمذي ج ۱ ابواب البيوع باب ماجاء عن النهي عن الماحاقلة والمزابنة صفحه: ۲۳۲، رقم الحديث ۱۲۲۵) (ابن ماجه ج ۱ ابواب التجارات باب بيع الرطب بالتمر صفحه: ۱۶۴، رقم الحديث ۲۲۶۴)

فقہ حنفی

يجوز بيع الرطب بالتمر مثلا بمثل

(هدايه اخيرين ج ۳ كتاب البيوع باب الربوا صفحه ۸۴)

(ترجمہ) تازہ کھجور کی بیع خشک کھجور کے ساتھ، بطور برابری کے جائز ہے۔

(فقہ وحدیث ص ۱۳۳)

جواب:

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خشک کھجوروں اور تر کھجوروں کی بیع آپس میں جائز ہے بشرطیکہ دونوں طرف سے کھجوریں بالکل برابر ہوں اور سودا نقد ہو، کسی طرف سے بھی ادائیگی ادھار نہ ہو۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ اس معاملے میں دو ہی باتیں کہنا ممکن ہے یا تو خشک کھجور اور تر کھجور کی جنس الگ الگ ہے یا پھر ایک ہی جنس ہے اگر دونوں ایک ہی جنس ہوں تو حدیث میں بصراحت مذکور ہے کہ کھجور کے بدلے کھجور کو برابری اور نقد سودا ہونے کی شرط پر بیچنا جائز ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵)

اور اگر دونوں ایک جنس نہیں بلکہ الگ الگ اجناس ہیں تو بھی حدیث ہی میں آیا ہے کہ جب تم مختلف اجناس کی آپس میں بیع کرو تو کمی بیشی کی بھی اجازت ہے بشرطیکہ سودا نقد ہو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵)

گویا جو بھی صورت اختیار کی جائے خشک کھجور اور تر کھجور کی آپس میں بیع کو ممنوع نہیں قرار دیا جا سکتا۔ تاہم چونکہ یہ بالکل واضح ہے کہ خشک کھجور اور تر کھجور کی جنس ایک ہی ہے۔ اس لیے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ان کی آپس میں بیع ان دو شرطوں کے مطابق ہی درست ہوگی جو احادیث میں صراحتاً مذکور ہیں یعنی یہ کہ کھجوریں دونوں طرف سے برابر ہوں اور سودا نقد ہو۔

رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے۔ اس کے کئی جواب ہیں

(۱) حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی خود اسی روایت کے بعض طرق میں صراحت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہی ادھار بیچنے سے کی تھی۔ چنانچہ سنن اکبری بیہقی ج ۵ ص ۲۹۴ اور طحاوی ج ۲ ص ۱۶۱ میں حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کی جو روایت آئی ہے اس میں حضرت سعد فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خشک کھجوروں کے بدلے میں تر کھجوروں کو ادھار کر کے بیچنے سے منع فرمایا۔ اور اس صورت میں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس بیع کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روایت کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایات میں بھی نہی وارد ہے۔ ان روایات میں جو نہی مذکور ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ درحقیقت بیع مزابنہ کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ (مزابنہ کا مطلب ہے درختوں پر لگی کھجوروں کا اندازہ کر کے انہیں کٹی ہوئی معلوم المقدار کھجوروں کے بدلے بیچنا) اس کی دلیل یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت مسلم میں مکمل آئی ہے اور اس میں صراحت ہے کہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا اور مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر لگی کھجوروں کو کٹی ہوئی کھجوروں کے ساتھ ماپ کر اور میوے کو (درخت پر لگے) انگوروں کے ساتھ ماپ کر بیچا جائے۔

(مسلم ج ۲ ص ۹)

(۲) مزابنہ سے نہی کی علت یہ ہے کہ اس میں کمی بیشی کا احتمال قوی موجود ہے جبکہ زیر بحث مسئلہ میں کھجوروں کی مقدار دونوں طرف سے مساوی ہے اس لیے مزابنہ کا حکم اس پر جاری نہیں ہوسکتا۔

(امام ابوحنیفہ اور عمل بالحدیث ص ۱۸۱ تا ۱۸۳)

اعتراض نمبر ۹۵

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: بیع عرایا (اندازہ کر کے بیع کرنا) کی رخصت ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص فی بيع العرايا بخرصها من التمر فی مادون خمسة اوسق او فی خمسة اوسق شك داؤد بن الحصين

(ترجمہ) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے بارے میں بیع عرایا کی رخصت دی۔ جب وہ (کھجور) پانچ وسق تک پہنچ جائے۔

(بخاری ج۱ کتاب البیوع باب بیع التمر علی رؤس النخل بالذهب والفضة ص ۲۹۲، رقم الحدیث ۲۱۹۰، بلفظ مختلفة) (مسلم ج۲ کتاب البیوع باب تحریم بیع الرطب بالتمر الا فی العرایا صفحہ ۹، رقم الحدیث ۳۸۹۲)

فقہ حنفی

فلا یجوز بطریق الخرص۔

(ھدایہ اخیرین کتاب البیوع باب بیع الفاسد ج۳ صفحہ ۵۳)

(ترجمہ) اندازے (عرایا) کے طریق پر بیع کرنا جائز نہیں ہے۔

(فقہ وحدیث ص ۱۳۴)

جواب:

راشدی صاحب نے یہاں پر ہدایہ کی مکمل عبارت نقل نہیں کی اگر وہ مکمل عبارت نقل کر دیتے تو مسئلہ خود ہی صاف ہو جاتا تھا۔ ہدایہ میں اصل مسئلہ بیع مزابنہ اور بیع عرایا کا چل رہا ہے۔ کہ یہ جائز ہے یا نہیں۔

یہاں پر اصل مسئلہ یہ ہے کہ درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو خشک کھجوروں کے ساتھ اندازہ کر کے بیچنا درست ہے یا نہیں۔

احناف کہتے ہیں کہ درست نہیں کیونکہ یہ بیع مزابنہ ہے اور شریعت میں بیع مزابنہ منع ہے۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مخابرہ، محاقلہ اور مزابنة سے منع فرمایا۔ محاقلہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنا کھیت سو فرق گندم کے عوض بیچے اور مزابنة یہ ہے کہ درخت میں لگی کھجوروں کو سو فرق کے عوض بیچنا اور مخابرہ زمین کو کرایہ پر دینا ہے تہائی یا چوتھائی پر (مشکوۃ باب المنھی عنہا من البیوع) اس حدیث کے علاوہ بھی اور بہت سی احادیث میں بیع مزابنہ سے آپ نے منع فرمایا ہے۔ اس لئے امام ابوحنیفہ بھی منع فرماتے ہیں۔

قارئین آپ کے علم میں اب مسئلے کی صحیح صورت آ گئی ہوگی اس اجازت کا نام ہی بیع عرایا ہے۔

عرایا کا مطلب

عرایا عریة کی جمع ہے کسی شخص کو کھجور کے درخت کے پھلوں کا عطیہ دیا جائے نہ کہ اس کے درخت کا۔ تو اس کو عریة کہتے ہیں عرب میں جب خشک سال ہوتا تو جن کے پاس کھجوروں کے درخت

ہوتے تو وہ خوشی سے ان لوگوں کو عاریۃً کھجوریں دیتے جن کے پاس کھجوریں نہیں ہوتی تھیں۔

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ اصل درختوں کا مالک نہیں بنایا گیا صرف درختوں پر جو کھجوریں ہیں وہ ان غریب لوگوں کو کھانے کے لیے کہا تھا کہ یہ دو یا تین درختوں کی کھجوریں کھا سکتے ہیں جن لوگوں کو یہ عاریۃ

اب آئیے اصل مسئلے کی طرف

ایک شخص نے اصحاب عرایا کو اجازت دے دی مگر بعد میں وہ شخص کسی وجہ سے تازہ کھجوریں خود رکھنا چاہتا ہے اور اسے خشک کھجوریں دینا چاہتا ہے۔ تو اس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف پانچ وسق سے کم میں اجازت دی ہے۔ مسئلے کی اس شکل کو غیر مقلد بیع کہتے ہیں۔ جب کہ احناف اس کو بیع نہیں کہتے۔ اگر اس کو بیع کہا جائے تو یہ مزابنہ کی صورت بنتی ہے جو منع ہے۔ البتہ اس کو ہبہ کہنا درست ہے اور ایسی شکل میں فقہائے احناف بیع العرایا کے جواز کے قائل ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ عریہ درحقیقت عطیہ ہے اور اس پر بیع کا اطلاق صورۃً کیا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۱ص ۴۳۲)

اس اعتراض کے جواب میں امام ابوحنیفہ اور عمل بالحدیث میں لکھا ہے۔

البتہ اس معاملے میں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صورت یعنی ''عرایا'' کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جس کا ذکر اوپر اعتراض کے ضمن میں منقول حدیث میں ہے ''عرایا'' کا معنی ہے۔ ''ہبہ کیئے ہوئے درخت'' اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے باغ کے کچھ درخت کسی محتاج کو ہبہ کر دے۔ پھر بعد میں وہ کسی وجہ سے اسے درخت پر لگے ہوئے پھل دینے کے بجائے کٹے ہوئے پھل اس آدمی کو دے دے۔ اس صورت میں اگر چہ، بظاہر مزابنہ کی صورت پائی جاتی ہے لیکن اس کو اس لئے جائز قرار دیا گیا ہے کہ درحقیقت اس میں وہ علت نہیں پائی جاتی جس کی وجہ سے مزابنہ کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ مزابنہ میں ممانعت کی علت یہ ہے کہ اس میں اندازے کے ساتھ ایک جنس کی اشیاء کا باہمی تبادلہ کیا جاتا ہے اور اس میں کمی بیشی کا احتمال پایا جاتا ہے جو کہ شریعت میں ممنوع ہے۔ جبکہ عرایا میں سرے سے تبادلہ ہی نہیں پایا جاتا یعنی یہاں صورت یہ نہیں ہے کہ موہوب لہ (جس آدمی کو ہبہ کیا گیا ہے) سے درخت پر لگے ہوئے پھل لے کر ان کے بدلے میں اسے کٹے ہوئے پھل دیئے جا رہے ہیں بلکہ صورت یہ ہے کہ ہبہ کرنے والے نے ایک چیز ہبہ کرنے کے بعد موہوب لہ کے قبضے میں جانے سے پہلے ہی واپس

لے لی اور اس کی جگہ دوسری چیز ہبہ کر دی۔ چونکہ پہلی چیز موہوب لہ کے قبضے میں نہیں گئی اس لیے اس پر اس کی ملکیت ثابت نہ ہو سکی اس طرح ہبہ کرنے والے نے جب پہلی چیز واپس لی تو وہ اس کی اپنی ہی مملوکہ چیز تھی نہ کہ موہوب لہ کی۔ پس جب اس نے اپنی ہی چیز ایک چیز کی جگہ دوسری چیز دی ہے تو تبادلہ نہیں پایا گیا۔ اس لیے کمی بیشی بھی ناجائز نہ رہی۔ (امام ابوحنیفہ اور عمل بالحدیث ص ۲۰۰)

ہمارے نزدیک یہ شکل جس کو غیر مقلدین نے بیع عرایا کا نام دیا ہے جائز ہے۔ راشدی صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے اس کی شرح میں نواب قطب الدین محدث دہلوی حنفی لکھتے ہیں۔

پانچ وسق سے کم کی قید اس لئے ہے کہ اس اجازت کا تعلق احتیاج اور ضرورت سے ہے اور احتیاج و ضرورت پانچ وسق سے کم ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ عرایا کہ پھلوں کی مذکورہ بیع وتبادلہ پانچ وسق سے کم میں سب ہی علماء کے نزدیک جائز ہے۔ (مظاہر حق ج ۳ ص ۹۵)

اس بات میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ اس اجازت کا تعلق صرف محتاجوں ہی سے ہے یا اغنیاء بھی اس اجازت کے دائرہ میں آتے ہیں چنانچہ زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ یہ اجازت دونوں کے لئے ہے۔ (مظاہر حق ص ۹۵ جلد سوم)

اعتراض نمبر (۹۶)

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: کسی بھی صورت میں وقف، وقف کرنے والے کی ملکیت سے نہیں نکل سکتا۔

حدیث نبوی ﷺ

عن ابن عمر انه اصاب ارضا بخیبر فاتی النبی ﷺ فقال یا رسول الله ﷺ وانی اصبت ارضا بخیبر لم اصب مالا قط انفس عندی منه فما تأمرنی به قال ان شئت حبست اصلها وتصدقت بها فتصدق بها عمر انه لایباع اصلها ولا یوهب ولا یورث وتصدق بها فی الفقراء وفی القربی وفی الرقاب وفی سبیل الله وابن السبیل والضعیف لاجناح علی من ولیها ان یأکل منها بالمعروف اویطعم صدیقا غیر متمول فیه۔

(ترجمہ) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ میرے نزدیک نفیس ترین مال وہ زمین ہے جو مجھے خیبر میں ملی، اس کے بارے میں آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو چاہے (تو یہ کر سکتا ہے کہ) اس کی ملکیت اپنے پاس رکھے اور اس کی پیداوار صدقہ کردے، اس لیے کہ ملکیت کو (یعنی وہ چیز جس کو وقف کر دیا جائے اس کو) نہ بیچا جا سکتا ہے، نہ وہ ورثہ میں دی جا سکتی ہے، ہاں اس کی پیداوار فقراء میں، قریبی رشتہ داروں میں، غلام آزاد کرنے میں، اللہ کے رستے میں، مسافر اور مہمان کو دینے میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور جو اس کا سنبھالنے والا ہے اس کو معروف طریقے سے کھانا چاہیے تو کھا سکتا ہے۔

(بخاري كتاب الوصايا باب الوقف وكيف يكتب صفحه ۹۹-۳۹۸، رقم الحديث ۲۷۷۲)

(مسلم ج۲ كتاب الوصية باب الوقف صفحه ۴۱، رقم الحديث ۴۲۲۴)

فقہ حنفی

قال ابو حنيفة لايزول ملك الواقف عن الوقف الا ان يحكم به الحاكم۔

(هدایه اولین ج۲ کتاب الوقف صفحه ۶۳۶)

(ترجمہ) جب تک حاکم فیصلہ نہیں دیتا تب تک وہ وقف کرنے والے کی ملکیت ہی رہے گی۔ (فقہ و حدیث ص ۱۳۵)

جواب:

اس مسئلے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں کچھ تفصیل ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ کسی چیز کو وقف کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اصل چیز ہی کو وقف کردے۔ مثلاً کوئی جگہ مسجد یا مدرسہ یا ہسپتال وغیرہ کے لئے وقف کردے۔ اس صورت میں ایک دفعہ وقف کر دینے کے بعد یہ چیز وقف کرنے والے کی ملکیت سے نقل جاتی ہے اور وقف لازم ہو جاتا ہے۔ اب یہ شخص اس وقف شدہ چیز کو واپس نہیں لے سکتا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی اصل چیز کو وقف نہ کرے بلکہ اس سے حاصل ہونے والی

آمدنی کو وقف کرے مثلاً کسی باغ کا پھل، یا کسی دوکان کا کرایہ، کسی کام کے لیے وقف کردے اور اصل چیز اپنے قبضے ہی میں رکھے۔

اس صورت میں آدمی کو یہ وقف واپس کرنے کا اختیار ہے اور اگر وہ مرجائے تو اس کے ورثاء اس چیز کو واپس لے کر آپس میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ اس دوسری صورت میں وقف صرف اس شکل میں لازم ہوگا جب حکومت اسے لازم قرار دے یا وقف کرنے والا بطور وصیت یہ کہے کہ میرے مرنے کے بعد یہ چیز وقف ہوگی یا وقف تو اپنی زندگی ہی میں کردے لیکن اس وقف کو ہمیشہ کے لیے لازم قرار دے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ وقف کی دوسری صورت میں جس میں اصل چیز کے بجائے اس سے حاصل ہونے والی آمدنی وقف کی جاتی ہے اصل چیز واقف کی ملکیت میں رہتی ہے۔ اس لیے اس کے انتظام وانصرام کا حق واقف کو ہوتا ہے اور اس کی آمدنی کو مختلف مدوں میں خرچ کرنے کی صوابدید اس کے پاس ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ کسی چیز سے متعلق جتنے مالکانہ حقوق ہو سکتے ہیں وہ سب اس شخص کو حاصل رہتے ہیں۔ پس جب یہ چیز اس کی اپنی ملکیت میں ہے۔ اس کی آمدنی کو وہ بطور صدقہ خرچ کر رہا ہے تو بالکل بدیہی بات ہے کہ اس کے وقف کو واپس لینے اور اسے بیچنے یا دیگر تصرفات کرنے کا حق بھی اس کو حاصل ہوگا۔ اسی طرح اگر واقف (وقف کرنے والا) مرجائے اور اس نے وقف شدہ چیز کو دائمی طور پر موقوف قرار نہ دیا ہو تو ظاہر ہے، اس کی ملک میں ہونے کی وجہ سے یہ چیز اس کے ورثاء کا حق ہوگی اور انہیں اختیار ہوگا کہ وہ اسے وقف کی صورت سے نکال کر آپس میں تقسیم کرلیں۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مسلک بالکل فقہی اور اصولی ہے اور احادیث میں اس کے خلاف کوئی دلیل پیش نہیں کی جاسکتی۔ راشدی صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقف کی جو روایت نقل کی ہے اس سے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف تو کیا استدلال ہوتا الٹا ان کے موقف کی تائید ہی ہوتی ہے۔

چنانچہ بخاری کی روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ حضور اکرمؐ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ:

یہ زمین اس طرح صدقہ کرو کہ اس کو نہ بیچا جاسکے نہ ہبہ کی جاسکے اور نہ وراثت میں تقسیم کی جاسکے۔ لیکن اس کا پھل خرچ کیا جائے۔ (فتح الباری شرح بخاری ج ۵ ص ۳۹۲)

راشدی صاحب کی نقل کردہ روایت میں صاف موجود ہے کہ انہوں نے وقف کرتے ہوئے یہ قید لگائی تھی کہ۔

اصل زمین نہ بیچی جاسکے گی نہ کسی کو ہبہ کی جاسکے گی اور نہ وراثت میں تقسیم ہوگی۔

یہ صراحت امام ابوحنیفہ کے مسلک کے بالکل مطابق ہے۔ کیونکہ اگر واقف وقف شدہ چیز کے بارے میں خود ایسی صراحت کردے یا حاکم وقت اس کو ابدی قرار دے دے تو پھر امام صاحب کے نزدیک بھی اس کو بیچا یا وراثت میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا اس لیے امام صاحب کا مسلک حضرت عمر کے وقف کے روایت کے خلاف نہیں بلکہ اس کے عین مطابق ہے۔

(بحوالہ امام ابوحنیفہ اور عمل بالحدیث ترمیم و اضافے کے ساتھ ص ۷۵ تا ص ۷۷)

اعتراض نمبر ⑨⑦

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: شراب کی بیع ہر صورت میں حرام ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

عن جابر انه سمع رسول الله ﷺ يقول عام الفتح وهو بمكة ان الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والاصنام

(ترجمہ) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ میں فرمارہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے شراب، مردار خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا ہے۔

(بخاري ج١ كتاب البيوع باب بيع الميتة والاصنام صفحه: ٢٩٨، رقم الحديث٢٢٣٦)

(مسلم ج٢ كتاب المساقات والمزارعة باب تحريم بيع الخمر والميتة الخ صفحه: ٢٣، رقم الحديث٤٠٤٨)

فقہ حنفی

واذا امر المسلم نصرانيا ببيع خمر او بشراءها ففعل ذلك جاز عند ابي حنيفة۔

(هدايه آخرين ج٣ كتاب البيوع باب بيع الفاسد صفحه٥٨)

(ترجمہ) اگر مسلمان عیسائی کو شراب کی خرید و فروخت کا حکم دے تو ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔ (فقہ و حدیث ص ۱۳۶)

جواب:

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ اس حدیث کے مطابق ہے جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے۔ چنانچہ مشکوۃ کی شروحات میں لکھا ہے۔

پتلی نشہ آور چیز خواہ شراب انگوری ہو یا کھجور وغیرہ کی یا تاڑی یا کوئی اور چیز مطلقاً حرام ہے نشہ دے یا نہ دے اس پر فتوی ہے۔ ان سب کی تجارت بھی حرام ہے۔ خشک نشہ آور چیزیں جیسے بھنگ افیون وغیرہ کا استعمال نشہ کے لیے حرام ہے اور دواؤں میں جبکہ یہ نشہ نہ دیں تو حلال، لہٰذا ان کی بیع حلال ہے کہ ان سے انتفاع حلال بھی ہے۔ مردار وہ مرا ہوا جانور ہے جو بغیر ذبح کھایا نہیں جاتا لہٰذا مری مچھلی کی تجارت درست ہے۔ بتوں کی تجارت خواہ فوٹو کی شکل میں ہوں یا مجسم حرام جیسے ہنومان۔ بھوانی رام چندر وغیرہ کے مجسمے یا فوٹو ان کی تجارت حرام ہے۔

آگے مزید لکھتے ہیں:

مراد کی چربی کا استعمال حرام ہے احناف کے ہاں مردار کی چربی صابن۔ چراغ یا چمڑوں میں استعمال کرنا حرام ہے نیز لکھتے ہیں نجس تیل کا چراغ مسجد میں جلانا منع ہے۔

(خلاصہ لمعات التنقیح شرح مشکوۃ المصابیح واشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ۔ یہ دونوں کتابیں شیخ عبدالحق محدث حنفی دہلوی کی ہیں)

نواب قطب الدین حنفی لکھتے ہیں:

عطاء نے لکھا ہے کہ شراب وغیرہ کے مذکورہ بالا حکم میں باجا بھی داخل ہے کہ اس کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں ہے۔ (مظاہر حق ج ۳ ص ۳۹)

راشدی صاحب نے ہدایہ کی عبارت پوری نقل نہیں کی کیونکہ پتہ چل جاتا تھا کہ صاحبین منع کرتے ہیں اور فقہ حنفی میں فتوی بھی صاحبین کے قول پر ہی ہے۔ اور امام صاحب کی اجازت بھی سخت تر کراہت یعنی مکروہ تحریمی کے ساتھ گویا ان کے نزدیک بھی ناجائز ہی ہوا۔ ہدایہ کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

امام محمدؒ نے ذکر فرمایا کہ اگر مسلمان نے کسی نصرانی کو شراب بیچنے یا شراب خریدنے کا وکیل کیا اور وکیل نے یہ کام کیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ مسلمان پر نہیں جائز ہے۔ اور سور کی خرید فروخت کی وکالت میں بھی ایسا ہی اختلاف ہے اور صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ موکل خود یہ کام نہیں کہ سکتا ہے تو بجائے اپنے دوسرے کو وکیل بھی نہیں کر سکتا ہے اور اس لیے کہ جو حکم وکیل کے وسطے ثابت ہوتا ہے وموکل کے طرف منتقل ہوتا ہے تو ایسا ہوا کہ گویا موکل نے خود یہ کام کیا جائز نہ ہوگا اور ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ وکیل اپنی لیاقت ولایت سے خود عقد کرنے والا ہے اور موکل کی طرف ملکیت کا منتقل ہونا ایک امر حکمی ہے تو اسلام لانے سے یہ ممتنع نہ ہوگا جیسے مسلمان نے شراب یا سور کو میراث پایا پس اگر شراب ہو تو اس کو سرکہ کر لے اور اگر سور ہو تو اس کو ذبح کر دے۔ (عین الہدایہ جلد سوم ص ۱۰۱ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

قارئین کرام آپ نے ہدایہ کی پوری عبارت کا ترجمہ ملاحظہ فرما لیا اس میں واضح طور پر موجود ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ایسا کرنا درست نہیں ہے اور حنفی مذہب میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے تو حنفی مذہب میں ایسا کرنا منع ہوا۔

امام ابوحنیفہ کے ہاں بھی ایسا کرنے کا حکم نہیں امام صاحب نے تو مسئلہ کا حل بتایا ہے کہ اگر کسی مسلمان نے ایسا کام کر لیا تو وہ اب کیا کرے۔

اس کے متعلق امام صاحب نے وہ بات فرمائی جو راشدی صاحب نے نقل کی مگر آگے کی عبارت چھوڑ دی۔

غایۃ الاوطار اردو ترجمہ در مختار جلد نمبر ۳ ص ۹۵ ناشر ایچ۔ ایم سعید کمپنی کراچی میں ہے۔

یا جسے امر کیا مسلم نے یعنی وکیل کیا مسلم نے زمی کو شراب یا سور کے بیچنے یا خرید کرنے کے واسطے یا محرم نے غیر محرم سے کہا اپنے شکار کے بیچنے کے واسطے یعنی یہ توکیل اور بیع اور شراء امام کے نزدیک صحیح ہے نہایت کراہت کے ساتھ (عندالامام مع اشد کراہتہ) جیسے ضمانت سابقہ صحیح ہے اس واسطے کہ عاقد یعنی زمی وکیل پہلی صورت میں اور غیر محرم وکیل دوسری صورت میں تصرف کرتا ہے بیع اور شراء میں اپنی اہلیت سے نہ موکل کی اہلیت سے اور انتقال ملک کا موکل کی طرف امر حکمی ہے۔

اس عبادات کے آگے لکھا ہے۔

اور صاحبین نے کہا کہ بیع مذکور صحیح نہیں۔

یعنی باطل ہے اور یہی قول ظاہر تر ہے۔ کذا فی البشر نبلالیہ عن عن البرھان۔

آگے مترجم کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں۔

جب امام کے نزدیک جواز بیع اشد کراہت کے ساتھ ہوا تو مسلم کو واجب ہے کہ درصورت خرید شراب کو سرکہ بنا دے یا اس کو زمین پر بہا دے اور سور کو چھوڑ دے۔ اور درصورت بیع اس کے ثمن کو تصدق کرے (یعنی اس کی رقم کو صدقہ کر دے) کذا فی الطحاوی عن الحموی۔ (غایۃ الاوطار ج ۳۔ ۹۵)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ حنفی مذہب کیا ہے راشدی نے حنفی مذہب صحیح نقل نہیں کیا۔

اعتراض نمبر ۹۸

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: صدقۂ فطر کے لیے نصاب زکوۃ فرض نہیں

حدیث نبوی ﷺ

عن عبداللہ بن ابی صعیر عن ابیہ قال قال رسول اللہ ﷺ

اما فقیر کم فیرد علیہ اکثر مما اعطاہ

(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے فقیروں کو فطرہ دینے سے بھی زیادہ عطا فرمائے گا۔ (یعنی فقیر بھی صدقہ فطر ادا کرے۔)

(ابوداؤد ج۱ کتاب الذکوۃ باب من روی نصف صاء من قمح صفحہ ۲۲۵ رقم الحدیث ۱۶۱۹)

فقہ حنفی

صدقۃ الفطر واجبۃ علی الحر المسلم اذا کان مالکا النصاب۔

(ہدایہ اولین ج۱ کتاب الزکاۃ باب صدقۃ الفطر صفحہ ۲۸)

(ترجمہ) صدقہ فطر واجب ہے آزاد مسلمان پر جب وہ زکوۃ کے نصاب کا مالک ہو۔

(فقہ و حدیث ص ۱۳۷)

جواب:

عید الفطر کے دن جو صدقہ دیا جاتا ہے اس کو صدقۃ الفطر اور زکوۃ الفطر کہتے ہیں چونکہ پورے رمضان روزے رکھ کر وہ افطار کا دن ہوتا ہے اس لیے اس کو صدقۃ الفطر کہتے ہیں نیز قرآن کریم میں صدقۃ الفطر پر زکوۃ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ مثلاً قرآن میں آتا ہے قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی (ترجمہ: بیشک اس نے فلاح پائی جو پاک ہوگیا اور جس نے اپنے رب کا نام یاد رکھا اور نماز پڑھتا رہا۔ (سورۃ الاعلیٰ آیت نمبر ۱۴۔۱۵)

ان دو آیتوں میں بہت سے مفسرین کے قول کے مطابق صلوٰۃ سے مراد صلوٰۃ عید ہے اور تزکی سے مراد صدقۃ الفطر کی ادئیگی ہے۔ (دیکھئے تفسیر روح المعانی ج۱۵ ص ۱۲۶ پارہ ۳۰)

سورۃ الاعلیٰ کی آیت نمبر ۱۴۔۱۵ کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے ''تزکی'' ای تصدق صدقۃ وذکر اسم ربہ کبر یوم العید فصلی صلاۃ العید و عن جماعۃ من السلف مایقتضی ظاہرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کے علاوہ بھی اور بہت سے دلائل ہیں۔

احادیث میں بھی جابجا صدقۃ الفطر کو زکوۃ الفطر کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۱) چنانچہ حضرت ابو سعید خدری ؓ کی روایت ترمذی ابواب الزکوۃ باب ماجاء فی صدقۃ الفطر میں موجود ہے اس میں آتا ہے عن ابی سعید الخدری قال کنانخرج زکوۃ الفطر۔

(۲) ترمذی کے اسی باب میں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کی روایت بھی موجود ہے اس میں بھی فرض زکوۃ الفطر من رمضان کے الفاظ موجود ہیں۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر ؓ ہی کی ایک روایت ترمذی باب ماجاء فی تقدیمھا قبل الصلوۃ میں آتی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں۔ یامر باخراج الزکوۃ قبل الغدو للصلوۃ۔

(۴) سنن الکبری بیہقی باب جماع ابواب زکاۃ الفطر ج ۴ ص ۲٦۸ میں ایک رایت جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔ (عن کثیر ابن عبداللہ المزنی عن ابیہ عن جدہ أن رسولَ اللہ سُئل عن قولہ. قد افلح من تزکی وذکر اسم ربہ فصلی آیت نمبر ۱۴۔ ۱۵ سورۃ الاعلی پارہ نمبر ۳۰)

قال ھی زکوۃ الفطر۔

ان دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ صدقۃ الفطر کو زکوۃ الفطر کہنا اور سمجھنا قرآن وسنت اور صحابہ کرام ؓ سے ثابت ہے لہٰذا جب صدقۃ الفطر کو زکوۃ قرار دیا گیا تو اس کا نصاب بھی وہی ہوگا جو زکوۃ کا ہے۔ فقہ حنفی میں صدقۃ الفطر واجب ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں (۱) آدمی آزاد ہو (۲) مسلمان ہو (۳) مقدار نصاب کا مالک ہو۔ شرط نمبر ۳ پر مولانا راشدی صاحب کو اعتراض ہے۔ کہ یہ جو ہدایہ میں لکھا ہے غلط ہے فطرانہ دینے کے لیے غنی کا ہونا ضروری نہیں مسکین فقیر بھی ادا کریں گے۔

حنفی مسلک کے دلائل

حدیث نمبر ۱:

حضرت ابن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسو اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل ؓ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو ان سے فرمایا تم عنقریب اہل کتاب کی قوم کی طرف جاؤ گے سو جب تم ان کے پاس جاؤ تو پہلے ان کو یہ دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں پس اگر وہ اس دعوت میں تمہاری اطاعت کرلیں تو پھر ان کو یہ خبر دینا کہ اللہ نے ان

پر ہر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں پس اگر وہ اس میں تمہاری اطاعت کر لیں تو پھر ان کو یہ خبر دینا کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے۔ (تؤخذ من اغنیا ئھم فترد علی فقرا ئھم) جو ان کے مالدار لوگوں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء کی طرف لوٹا دی جائے گی۔ پس اگر وہ اس میں تمہاری اطاعت کر لیں تو تم ان کے اموال میں سے عمدہ چیزوں سے اجتناب کرنا اور مظلوم کی دعا سے ڈرنا کیونکہ مظلوم کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

(بخاری کتاب الزکوۃ باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء وترد فی الفقراء حیث ما کانواص ۲۰۳ ج اول)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ صدقہ مالداروں سے لیا جائے گا۔ اور مالدار اس کو کہتے ہیں کہ حاجت اصلیہ سے مقدار نصاب مال زیادہ ہو۔

حدیث نمبر ۲:

وقال النبی لا صدقة الا عن ظهر غنی

(ترجمہ) آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ عمدہ صدقہ وہی ہے جس کے بعد آدمی مالدار ہی رہے۔ (یعنی فقیر نہ ہو جائے)

(بخاری کتاب الوصایا باب تاویل قول اللہ تعالیٰ من بعد وصیۃ توقون بھا او دین) تعلیقاً

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الزکوٰۃ میں ایک مستقل باب بھی اس نام سے بندھا ہے:

باب لا صدقة الا عن ظهر غنی

(ترجمہ) باب صدقہ وہی بہتر ہے جس کے بعد آدمی کے مالدار رہنے میں بظاہر کوئی فرق نہ آئے۔

اس باب میں آگے امام بخاری فرماتے ہیں:

اور جو خیرات کر کے خود محتاج و فقیر ہو جائے یا اس کے گھر والے یا خود مقروض ہے تو قرض اتارنا خیرات دینے سے بہتر ہے۔

حدیث نمبر ۳:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا بہترین خیرات وہی ہے جس کے دینے کے بعد بھی آدمی مالدار رہے اور پہلے انہیں خیرات دے جو تری نگہبانی میں ہے۔

(بخاری کتاب الزکوٰۃ باب لا صدقۃ الا عن ظہر غنی)

حدیث نمبر ۴:

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے۔ اور پہلے اپنے اہل وعیال، اعزہ واقرباء کو خیرات دے۔ اور بہترین خیرات وہی ہے، جسے دے کہ بھی آدمی مالدار رہے۔ اور جو کوئی سوال کرنے سے بچنے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بچائے گا۔ جو غناء کی دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے غنی رکھے گا۔

(بخاری کتاب الزکوۃ باب لا صدقۃ الا عن ظہر غنی)

حدیث نمبر ۵:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا اصل صدقہ تو دل کے غناء کے ساتھ ہوتا ہے۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔ اور تم صدقات وخیرات میں ان لوگوں سے ابتداء کرو جو تمہاری ذمہ داری میں آتے ہیں۔ (مسند احمد حدیث نمبر ۷۱۵۵)

ہم نے حنفی مسلک کے دلائل نقل کر دیئے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ غنی پر یعنی صاحب نصاب پر صدقۃ الفطر واجب ہے مسکین وفقیر پر نہیں رہی وہ روایت جو راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔

جواب نمبر ۱:

یہ حدیث قابل حجت نہیں کیونکہ اس کی سند میں نعمان ابن راشد موجود ہے جو سخت قسم کا ضعیف ہے۔ اس کے متعلق امام بخاری نے فرمایا کہ یہ وہمی ہے۔ امام احمد نے فرمایا کہ یہ مضطرب الحدیث ہے۔ امام نسائی اس کو ضعیف اور کثیر الغلط کہتے ہیں۔ (تہذیب)

جواب نمبر ۲:

راشدی صاحب نے حدیث کے الفاظ صرف مما اعطاہ تک نقل کیے ہیں۔ جبکہ ابوداؤد میں اس کے آگے یہ الفاظ بھی موجود تھے زاد سلیمان فی حدیثه غنی او فقیر۔ سلیمان نے اپنی روایت میں غنی اور فقیر زائد کیا۔

جواب نمبر ۳:

قرآن حکیم سے پتہ چلتا ہے کہ زکوٰۃ صدقات جن لوگوں کو دینی چاہیئے ان میں فقیر اور مسکین

شامل ہیں جیسا کہ اس آیت میں ہے:

انما الصدقة للفقرآء والمساكين

صدقے صرف فقیروں کے لیے ہیں اور مسکینوں کے لیے۔

(پارہ نمبر ۱۰، سورۃ توبہ آیت نمبر ۶۰)

اس آیت سے ایک اصول سمجھ آتا ہے کہ ذکوۃ لینے والوں میں فقیر اور مسکین شامل ہیں دینے والوں میں نہیں۔

جواب نمبر ۴: عقلی طور پر بھی یہ بات عجیب سی لگتی ہے کہ فقیر فطرہ دے بھی اور دوسروں کا فطرہ لے بھی۔

اعتراض نمبر ⑨⑨

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: نماز میں تکبیر (اللہ اکبر) کہنا ہے نہ کہ کوئی اور جملہ

حدیث نبوی ﷺ

مسئلہ ۸۲ میں حدیث گذری، جس کے الفاظ ہیں:

تحريمها التكبير

(ترجمہ) نماز میں داخل ہونے کے لیے صرف تکبیر ہے۔

(جامع ترمذي كتاب الصلاة باب ما جاء في تحريم الصلاة وتحليلها رقم الحديث ۲۳۸ ج۱ ص۳۲)

(ابن ماجه كتاب الطهارة وسننها باب مفتاح الصلاة الطهور رقم الحديث ۲۸۶ ج۱ ص۲۴)

نیز ایک اور حدیث میں ہے:

كان إذا دخل فى الصلوة كبر

(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نماز میں داخل ہوتے وقت اللہ اکبر کہتے تھے۔

(بخاري ج۱ كتاب الصلوة باب رفع اليدين اذا قام من الركعتين صفحه ۱۰۲، رقم الحديث ۷۳۹)

فقہ حنفی

فإن قال بدل التكبير الله أجل أو الله أعظم أو الرحمن اكبر أو لا اله الا الله أو غيره من أسماء الله تعالىٰ أجزءه عند أبي حنيفة

(هدايه اولين ج۱ كتاب الصلوة باب صفة الصلوة ص۱۰۰)

(ترجمہ) اگر نماز پڑھنے والا اللہ اکبر کے بجائے اللہ اجل، اللہ اعظم،

الرحمان اکبر. لا الہ الا اللہ یا اللہ تبارك وتعالی کے دوسرے اسماء میں سے کوئی اور نام کہتا ہے تو ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔

فان افتتح الصلوة بالفارسی اوقرا بالفارسية اوذبح وسمی بالفارسية وهو يحسن العربية اجزاه عند ابی حنيفة.

(ھدایہ اولین ج ا کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ ص ۱۰۱)

(ترجمہ) اگر نماز کو فارسی سے شروع کیا یا قرأت فارسی میں کی یا جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ فارسی میں پڑھی اور وہ عربی زبان سے اچھی طرح واقف بھی ہے تب بھی ابو حنیفہ کے نزدیک (اس طرح کرنا) جائز ہے۔

(فقہ وحدیث ص ۱۳۸)

جواب:

راشدی صاحب نے بالکل جھوٹ بولا ہے کہ حنفی ان حدیثوں کو نہیں مانتے ہم ان دونوں حدیثوں پر عمل کرتے ہیں جن کا حوالہ راشدی صاحب نے دیا ہے۔ ہماری ہر فقہ کی کتاب میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ نماز تکبیر سے شروع کرے یعنی لفظ اللہ اکبر سے نماز شروع کرے اور السلام علیکم رحمۃ اللہ پر ختم کرے۔ ملاحظہ فرمائیں علمائے احناف کے حوالہ جات

(۱) حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ حنفی لکھتے ہیں۔

مسئلہ:

تکبیر تحریمہ کے لیے سب سے بہتر الفاظ اللہ اکبر ہیں جن پر آنحضرت ﷺ کا عمل رہا ہے۔ (نماز مسنون ص ۳۱۲)

(۲) مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ حنفی دہلوی لکھتے ہیں:

نماز کی نیت کر کے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاؤ اور اللہ اکبر کہہ کر ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھ لو۔

(تعلیم الاسلام حصہ اول ص ۲۶ و ص ۲۷ تاج کمپنی)

(۳) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حنفی لکھتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ا: نماز کی نیت کر کے اللہ اکبر کہے۔ (بہشتی زیور حصہ دوم فرض نماز پڑھنے کا طریقہ کا بیان ص ۱۱۶)

(۴) مولانا فیض احمد صاحب حنفی نے ”نماز مدلل“ ص ۲۸ پر دو حدیثیں نقل کی ہیں یستفتح الصلوۃ بالتکبیر (مسلم ج ا ص ۹۴) والی اور تحریمها التکبیر (ابوداؤد، ترمذی ج ا ص ۳) والی پھر مسئلہ لکھا ہے۔ نمازی رو بقبلہ ہو کر نماز کی نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہے۔

راشدی صاحب کہتے ہیں حنفی ان حدیثوں کو نہیں مانتے اور ہم نے ثابت کر دیا کہ حنفی ان حدیثوں کو مانتے ہیں اور اپنی کتابوں میں نقل بھی کرتے ہیں۔

(۵) مولانا مفتی جمیل احمد نذیری حنفی رسول اکرم ﷺ کا طریقہ نماز ص ۹۰ پر لکھتے ہیں۔

تکبیر تحریمہ کا مطلب ہے اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھنا۔

(۶) مولانا محمد الیاس فیصل نماز پیمبر ﷺ کے ص ۱۰۰ او ۱۰۱ پر لکھتے ہیں انگوٹھے کانوں کی لو کے بالمقابل ہوں۔ اس وقت اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھ لو۔

(۷) مفتی محمد ارشاد صاحب قاسمی، سنت کے مطابق نماز پڑھیئے کہ ص ۱۴ پر لکھتے ہیں

فائدہ: خواہ کوئی بھی نماز ہو شروع کرنے کے لیے تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کہنا شرط اور فرض ہے علامہ حلبی نے شرح منیہ میں اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ (السعایہ شرح وقایہ ص ۱۰۶)

(۸) حضرت مولانا محمد الیاس گھمن صاحب نے نماز اہل السنۃ والجماعۃ کے صفحہ ۴۶ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ابوداؤد ج ۱ ص ۹۸ سے نقل فرمائی ہے۔ اس میں ہے وتحریمھا التکبیر وتحلیھلا التیم اس سے معلوم ہوا کہ حنفی اس حدیث کو مانتے ہیں اور حنفیوں کا عمل بھی اسی کے مطابق ہے۔

(۹) ڈاکٹر محمود الحسن عارف نماز حبیب ﷺ ص ۸۴ میں ارکان وفرائض نماز کے تحت نمبر ۱ پر لکھتے ہیں۔ تکبیر تحریمہ، تکبیر تحریمہ کا مطلب ہے "ایسی تکبیر جو حلال کاموں کو بھی حرام کر دے اس سے مراد نماز شروع کرتے وقت کہی جانے والی تکبر (اللہ اکبر) ہے۔ پھر مشکوۃ کے حوالہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ والی روایت وتحریمھا التکبیر اور ابن ماجہ، ابوداؤد کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت جس کے الفاظ ہیں کان یستفتح الصلوۃ بالتکبیر نقل فرماتے ہیں۔

(۱۰) مولانا امداد اللہ انور مستند نماز حنفی ص ۱۱۸ پر لکھتے ہیں۔

امام ہو یا مقتدی، اللہ اکبر کہہ کر ناف کے نیچے ہاتھ باندھے۔

(۱۱) مولانا محمد امان اللہ الدلائل السنیۃ فی اثبات الصلوۃ السنیۃ کے ص ۵۴ پر لکھتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا طریقہ نماز پھر حضرت عائشہ کی روایت نقل کی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام تکبیر تحریمہ سے نماز شروع فرماتے۔

(۱۲) مولانا ارشاد احمد فاروقی احکام وآداب طہارت، ''وضواور نماز'' کے ص ۸۸ پر لکھتے ہیں۔

نمبر ۲۱ اللہ اکبر کہنا واجب ہے اور اللہ اکبر کے علاوہ سے افتتاح کرنا مکروہ ہے۔ یہ اصح ہے۔

(شامی ص ۴۸۰ ج ۱، ہندیہ فتاوی عالمگیری ص ۶۸ ج ۱ البحر الرائق شرح کنز الدقائق ص ۳۰۶ ج ۱)

(۱۳) مولانا حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی ''الکتاب المقبول فی صلاۃ الرسول ﷺ کے ص ۲۴۵ میں لکھتے ہیں۔

تکبیر تحریمہ کا مطلب ہے ''اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھنا۔ قرآن حکیم میں ہے **وربك فكبر**

اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر (مدثر: ۳)

(۱۴) مولانا ابوضیاء عبداللہ ہزاروی صفۃ صلاۃ النبی ﷺ کے ص ۱۲۶ پر لکھتے ہی۔

یعنی اللہ اکبر کہہ کر نمازی نماز میں دخل ہوجاتا ہے اور آخر میں السلام علیکم کہہ کر نماز سے نقل جاتا ہے۔

(۱۵) علامہ ظہیر احسن شوق نیموی حنفی، آثار السنن باب افتتاح الصلاۃ بالتکبیر میں حضرت ابی حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کرتے ہیں جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔ حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو قبلہ کی طرف منہ کرتے ہاتھوں کو اٹھاتے اور فرماتے اللہ اکبر یہ روایت ابن ماجہ باب افتتاح الصلوٰۃ میں موجود ہے۔

ہم نے پندرہ حوالے حنفی علماء کے پیش کردیئے جن سے خوب واضح ہوجاتا ہے کہ ہمارے نزدیک تکبیر تحریمہ اللہ اکبر سے کہنا چاہیے۔ اور فتاوی شامی فتاوی عالمگیری۔ بحرلرائق کے حوالہ سے یہ بھی ثابت کردیا ہے کہ اللہ اکبر کے علاوہ اور کسی لفظ سے تکبیر کہنا مکروہ ہے۔

راشدی صاحب نے ہدایہ کی اس عبارت سے یہ سمجھا کہ امام صاحب کے نزدیک علی الاطلاق اللہ اکبر کی جگہ دوسرے ناموں سے نماز شروع کرنا جائز ہے حالانکہ امام صاحب تو اللہ اکبر کے علاوہ کسی اور نام سے نماز شروع کرنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا ظفر احمد عثمانی حنفی لکھتے ہیں:

فقد ذكر القدوري عن ابي حنيفة رحمة الله نصا انه كرة الافتتاح الابقوله الله اكبر قلت لانه يخالف السنة. (اعلاء السنن جلد دوم ص ۱۵۹)

(ترجمہ) امام قدوری نے امام ابوحنیفہ سے صراحت سے ذکر کیا ہے کہ وہ اللہ اکبر کے علاوہ کسی اور کلمہ سے نماز شروع کرنے کو مکروہ کہتے ہیں میں کہتا ہوں مکروہ اس لیے ہے کہ سنت کے خلاف ہے

فتاوی عالمگیری جلد اول ص ۶۸ میں ہے:

وهل يكره الشروع بغيره اختلف المشائخ بعفهم قالوا يكره وهو الاصح هكذا في الذخيرة والمحيط والظهيرية

(ترجمہ) نماز بغیر تکبیر کے شروع کرنے میں مشائخ کا اختلاف ہے بعضوں نے کہا ہے کہ مکروہ ہے اور یہی اصح ہے یہ ذخیرہ اور محیط اور ظہیریہ میں لکھا ہے۔

(فتاوی عالمگیری مترجم اردو ج۱۰۶۱)

فقہ حنفی میں اللہ اکبر کے علاوہ کسی اور کلمہ سے نماز شروع کرنے کو مکروہ لکھا ہے تو لازمی بات ہے کہ ہدایہ کی عبارت میں جو (اجزاہ) ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کسی نے ایسا کیا تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی۔ یا پھر اس کو عذر کی حالت پر محمول کریں گے۔ یا اس کو شاذ کہہ کر ترک کردیں گے۔

باقی رہا اعتراض کا دوسرا اجزء یعنی فارسی میں قراۃ کرنا تو یہ بھی حنفی مسلک میں درست نہیں۔

رہی وہ عبارت جو راشدی صاحب نے ہدایہ سے تعارض کے طور پر پیش کی ہے اس کا جواب خود ہدایہ ہی میں موجود تھا۔ جو راشدی صاحب نے نقل نہیں کیا۔ اس عبارت کے آگے یہ الفاظ بھی آتے ہیں۔

ويروى رجوعه في اصل المسائة الى قولهما وعليه الاعتماد

(ترجمہ) اصل مسئلہ میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع منقول ہے اور اسی پر اعتماد ہے۔ (ہدایہ باب صفۃ الصلوۃ ج۱ ص۸۷)

(۱) نوح ابن مریم رحمۃ اللہ علیہ (شاگرد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) سے منقول ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے آخیر وقت میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع کیا کہ دوسری زبان میں قرأت کرے گا تو کافی نہیں ہوگا۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (اثمار الھدایہ)

(۲) درمختار میں اسی پر فتوی لکھا ہوا ہے۔ (ج۱ ص کتاب الصلوۃ)

(۳) فتاوی عالمگیری عربی جلد اول ص ۶۹، اردو جلد اول ص ۱۰۸ میں لکھا ہے۔

اور روایت ہے کہ انہوں نے (امام ابوحنیفہ نے) صاحبین کے قول کی طرف رجوع کیا ہے اور اسی پر اعتماد ہے یہ ہدیہ میں لکھا ہے اور اسرار میں ہے کہ یہی اختیار کیا گیا ہے اور تحقیق میں ہے کہ عامہ مشائخین کا یہی مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ شرح نقایہ میں لکھا ہے جو شیخ ابوالمکارم کی تصنیف ہے اور یہی اصح ہے یہ مجمع البحرین میں لکھا ہے۔

درمختار اور عالمگیری کے علاوہ امام انصام صاحب رحمۃ اللہ کے رجوع کا ذکر اصول فقہ کی مشہور کتاب نور الانوار میں ہے اور اس کی شرح قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار نمبر ۱۰ ص ۹ میں بھی موجود ہے، اس طرح اصول فقہ کی مشہور کتاب حسامی کے شروع میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے دیکھئے ص ۶، اور اس کے حاشیہ پر بھی اس مسئلہ کی عمدہ تحقیق کی گئی ہے۔ اصول کی ایک اور مشہور کتاب توضیح تلویح ص ۷۹ میں بھی امام صاحب کے رجوع کا ذکر موجود ہے پس جس مسئلہ میں امام صاحب کا رجوع ثابت ہے اور بعد کے فقہائے احناف نے تصریح بھی کر دی اور فقہاء کا فتویٰ بھی اس پر نہیں۔ پھر حنفی مذہب پر یا امام صاحب پر طعن کرنا تعصب نہیں تو اور کیا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

غیر مقلدین جب جواب سے عاجز آ جاتے ہیں تو عوام کے سامنے ایک شبہ یہ پیش کرتے ہیں کہ ایسے مسائل پھر فقہ کی کتابوں میں کیوں لکھے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ۔ کہ قرآن پاک کی منسوخ آیات بھی تو قرآن میں موجو ہیں۔ اور قرآن پاک کی تفاسیر میں بھی ہر قسم کے اقوال پائے جاتے ہیں یہی حال کتب حدیث اور ان کی شروحات کا ہے۔

حدیث کی کتاب کی کوئی شرح لے لیں مثلاً بخاری کی شرح فتح الباری ابن حجر عسقلانی شافعی کی ہی دیکھ لیں۔ اس میں ہر قسم کی روایات آپ کو مل جائیں گی۔ یہی حال سیرت النبی ﷺ کی کتب کا ہے، تاریخ کی کتابوں کا تو حال زیادہ ہی خراب ہوتا ہے۔ مگر آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ ان کتابوں کو چھوڑ دو یا ان سے فائدہ نہ اٹھاؤ۔ یا ان کے مصنفین کو کچھ کہا ہو۔ جو بات قرآن وسنت کے خلاف ہو اس پر عمل مت کرو اور فقہ حنفی کی کتب کے لیے بھی ہم اسی اصول پر عمل کرتے ہیں۔

جو بات زیادہ قرآن وسنت کے مطابق ہو اس پر عمل کریں گے اور جو قرآن وسنت کے صریح خلاف ہوگی اس کو چھوڑ دیں گے۔ مگر غیر مقلدین کی طرح امام ابو حنیفہؒ یا دیگر فقہائے احناف کو بھرا بھلا نہیں کہیں گے۔

اعتراض نمبر ۱۰۰

پیر بدیع الدین شاہ راشدی لکھتے ہیں:

مسئلہ: نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا سنت نبوی ﷺ ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ قال صلیت مع النبی ﷺ فوضع یدہ

الیمنی علی الیسری علی صدرہ

(ترجمہ) سیدنا وائل بن حجر بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ کر انہیں اپنے سینے پر رکھ لیا۔

(راوہ ابن خزیمہ فی کتاب الصلاۃ باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلاۃ رقم الحدیث ۴۷۹، جلد ۱ صفحہ ۲۴۳، طبع المکتب الاسلامی بیروت)

فقہ حنفی

ویعتمد بیدہ الیمنی علی الیسری تحت سرۃ۔

(ھدایہ اولین ج ۱ کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ ص ۱۰۲)

(ترجمہ) نمازی دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھے۔

(فقہ و حدیث ص ۱۳۹)

جواب:

اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں کسی میں آتا ہے تحت السرۃ یعنی ناف کے نیچے کسی میں آتا ہے فوق السرۃ یعنی ناف کے اوپر کسی میں آتا ہے علی صدرہ یعنی سینے کے اوپر فقہائے احناف رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں وارد ہونے والی تمام روایات کی تحقیق کر کے مردوں کے لیے تحت السرہ والی روایات کو ترجیح دی ہے اس لیے فقہ حنفی میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے۔

فقہ حنفی کے دلائل

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ احادیث سے ثابت ہے ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۱:

حجاج بن حسان ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابومجلز ؒ (تابعی) سے سنا، یا ان سے پوچھا کہ نماز میں ہاتھ کیوں کر باندھے جائیں؟ انہوں نے فرمایا کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے اندر کے حصہ کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے اوپر کے حصہ پر رکھے اور دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھے۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۱ ص ۳۹۱)

حدیث نمبر ۲:

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نمازی نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۱ ص ۳۹۱)

حدیث نمبر ۳:

تابعی کبیر حضرت امام ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ وہ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے

نیچے رکھتے تھے۔ (کتاب الآثار امام ابوحنیفہ بروایت الامام محمد ص ۲۸)

حدیث نمبر ۴:

ابوجحیفہ سے روایت کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ نماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔

(۱) سنن الکبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۳۱ (۲) مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۰ (۳) مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۹۱ (۴) سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۸۶ (۵) سنن ابوداؤد نسخہ ابن الاعرابی۔

حدیث نمبر ۵:

حضرت علقمہ بن وائل اپنے والد وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۹۰)

حدیث نمبر ۶:

حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز میں ہتھیلیوں کو ہتھیلیوں پر ناف کے نیچے رکھا جائے۔ (محلی ابن حزم ج ۳ ص ۳۰)

حدیث نمبر ۷:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں نبوت کے اخلاق میں سے ہیں (۱) افطار جلدی کرنا (۲) سحری دیر سے کھانا (۳) اور دوران نماز دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا

(۱) (محلی ابن حزم ج ۳ ص ۳۰ (۲) الخلافیات البیہقی قلمی ج ۱ ص ۳۷ ب (۳) مختصر الخلافیات لابن فرح الاشبیلی جلد نمبر ۱ ص ۳۴۲)

حدیث نمبر ۸:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق میں سے ہیں (۱) افطار جلدی کرنا (۲) سحری دیر سے کھانا (۳) ہتھیلی کو ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا۔

(منتخب کنز العمال بر مسند احمد ج ۶ ص ۳۵۰)

ہم نے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی جو روایات نقل کی ہیں ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین عظام سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے باندھنے چاہئیں۔ ان روایات کا ذکر فقہ حنبلی کی مشہور زمانہ کتاب المغنی ابن قدامہ (جو غیر مقلدین کے ہاں بھی سند کا درجہ رکھتی ہے علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب غیر مقلد اپنی کتابوں میں اس پر اعتماد کرتے ہیں اور اکثر اس کے حوالہ جات اپنی کتب میں نقل کرتے ہیں دیکھئے مسائل قربانی وغیرہ۔)

ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں۔

> ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو مجلز ابراہیم نخعی، سفیان ثوری اور اسحٰق بن راہویہ سے مروی ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت مین سے ہے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا ناف کے نیچے، روایت کیا اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور ابوداؤد نے اور سنت سے مراد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔ (المغنی ج ۱ ص ۴۷۲)

ان روایات سے حنفی مذہب ثابت ہوتا ہے محدثین میں سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی کتاب ترمذی شریف میں یہ طریقہ ہے کہ وہ حدیث نقل کرنے کے بعد فقہاء کے مذاہب بیان کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ کس کس محدث کا کیا کیا مذہب ہے اور کون کون سی حدیث ان کے مذہب کی ہے۔ صحاح ستہ جو احادیث کی چھ معتبر کتابیں تصور کی جاتی ہیں ان میں ترمذی شریف ایک بلند مقام رکھتی ہے اس مسئلہ میں یعنی نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے باندھنے جائیں یا سینے کے اوپر امام ترمذی نے صرف دو مذہب نقل کئے ہیں ایک تحت السرہ والا اور دوسرا مذہب فوق السرہ والا ملاحظہ فرمائیں۔ امام ترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجآء فی وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ ج ۱ ص ۳۴ میں حضرت قبیصۃ بن مھلب کی حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔

> اور کہا بعضوں نے کہ رکھے ان دونوں کو ناف کے اوپر اور کہا بعضوں نے رکھے ناف کے نیچے اور یہ سب جائز ہے ان کے نزدیک۔
>
> (ترمذی مترجم علامہ بدیع الزماں غیر مقلد برادر علامہ وحید الزماں غیر مقلد ج ۱ ص ۱۳۵)

یہ بات یاد رہے کہ امام ترمذی کی وفات ۲۷۹ھ میں ہوئی۔ آپ اگر پوری ترمذی پڑھ جائیں تو آپ کو کہیں بھی نماز کے اندر ہاتھ باندھنے والے مسئلہ کے متعلق دو مذاہب کے علاوہ کوئی تیسرا مذہب نظر نہ آئے گا۔ اگر علی صدرہ والی روایت کے مطابق کسی محدث کا مذہب ہوتا تو امام ترمذی تیسرا مذہب بھی ضرور نقل کرتے۔

انہوں نے بھی ایک مذہب ناف کے نیچے والا نقل کیا جو حنفی مذہب ہے اور دوسرا جو نقل کیا وہ بھی حنفی مذہب ہی کے قریب ہے کیونکہ جو ناف کے اوپر ہاتھ رکھیں گے ان کے ہاتھ کا کچھ حصہ ضرور ناف کے نیچے آ جاتا ہے۔ المغنی ابن قدامہ اور ترمذی کی عبارات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حنفی مذہب کی روایات قابل عمل ہیں اور حنفی مذہب کو حدیث کا مخالف بتانا غلط ہے۔

علامہ وحید الزماں غیر مقلد کا حوالہ:

علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں:

> ابوداؤد میں حضرت علی کا قول مذکور ہے کہ سنت ہے ایک کف کا دوسرے کف پر رکھنا ناف کے نیچے اور ابن ابی شیبہ نے وائل بن حجر سے مرفوعاً تحت السرۃ کو نقل کیا ہے۔ (موطا امام مالک مترجم علامہ وحید الزماں ص ۱۳۲ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور)

رہی وہ روایت جو پیر بدیع الدین شاہ راشدی صاحب نے نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔

پہلا جواب:

یہ روایت بخاری مسلم، ترمذی، ابوداؤد نسائی، ابن ماجہ جو حدیث کی مشہور چھ کتابیں ہیں جن کو صحاح ستہ کہتے ہیں ان میں سے کسی میں بھی نہیں۔ غیر مقلد اکثر ہر مسئلہ میں کہا کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ بخاری میں دیکھاؤ مگر جب اپنی باری آتی ہے تو پھر سب اصول ختم ہو جاتے ہیں۔

دوسرا جواب:

یہ روایت راشدی صاحب نے ابن خزیمہ سے نقل کی ہے مگر سند نقل نہیں کی ہم یہاں پر پہلے اس کی سند نقل کرتے ہیں۔

> اخبرنا ابو طاھر نا ابو بکر نا ابو موسی نا مؤمل بن اسماعیل نا سفیان عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ قال

اس سند میں پہلا راوی مومل بن اسماعیل ہے جو انتہائی ضعیف ہے جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ دوسرا راوی سفیان ہے تیسرا راوی عاصم بن کلیب ہے چوتھا راوی کلیب ہے یہ تینوں راوی کوفی ہیں اور غیر مقلدین کے نزدیک کوفی اور عراقی راویوں کی حدیث معتبر نہیں ہوتی۔ جیسا کہ مولانا محمد یوسف جے پوری غیر مقلد حقیقۃ الفقہ ص ۱۳۵ مطبوعہ اسلامک پبلشنگ ہاوس شیش محل روڈ لاہور میں لکھتے ہیں۔

> عراق والا آدمی اگر ہزار حدیثیں سنادے تو نوسو نوے کو تو چھوڑ ہی دو اور جو دس باقی ہیں ان میں بھی شک رکھو۔

نیز سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ لوگ آہستہ آمین والی حدیث میں غلط کار قرار دے چکے ہیں اور عاصم بن کلیب کو ترک رفع یدین والی حدیث میں ضعیف کہہ چکے ہیں کلیب کو بھی ضعیف کہتے ہیں ان راویوں میں سے ایک بھی کسی سند میں آجائے تو یہ لوگ اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں۔ تو جس حدیث کی سند میں یہ تینوں جمع ہو جائیں تو ان کی نزدیک کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔

تیسرا جواب:

اس حدیث کا مرکزی راوی مومل بن اسماعیل ہے اس روایت کو سفیان سے نقل کرنے میں متفرد ہے جیسا کہ امام بیہقی لکھتے ہیں۔

رواه الجماعة عن الثوری لم یذکر واحد منهم علی صدره غیر مؤمل بن اسماعیل (الخلافیات للبیہقی ص ۳۷ ق)

یعنی ایک جماعت نے امام سفیان ثوری سے اس روایت کو بیان کیا ہے لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی علی صدرہ کے الفاظ نقل نہیں کیے سوائے مومل بن اسماعیل کے۔

امام بیہقی کی اس عبارت سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اس روایت کو امام سفیان ثوری سے ایک جماعت روایت کرنے والی ہے لیکن سوائے مومل بن اسماعیل کے کوئی بھی علی صدرہ ذکر نہیں کرتا۔ (بحوالہ السنۃ الغرۃ)

چوتھا جواب:

مومل بن اسماعیل ضعیف ہے:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں۔

(لسان المیزان جلد ۷ ص ۲۰۶ تہذیب التہذیب جلد نمبر ۱۰ ص ۳۳۹ تہذیب الکمال جلد نمبر ۲۹ ص ۱۷۸ میزان الاعتدال جلد نمبر ۴ ص ۲۲۷)

پانچواں جواب:

خود غیر مقلدین بھی اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں غیر مقلدین کے حافظ محمد ادریس سلفی نے صحیح ابن خزیمہ کا ترجمہ کیا ہے جو چار جلدوں میں کراچی سے شائع ہوا ہے اس کی جلد اول ص ۵۴۴ میں اس حدیث کے متعلق حاشیہ میں ناصر صاحب لکھتے ہیں اس کی اسناد ضعیف ہے، کیونکہ مؤمل وہ ابن اسماعیل ہیں جو کہ بڑے حافظ والے ہیں۔

اس راوی پر بہت سے محدثین نے جرح کی ہے ہم نے صرف امام بخاری کی جرح نقل کی ہے تفصیل کے لیے دیکھئے (۱) السنۃ الغرۃ فی وضع الیدین تحت السرۃ (۲) الدرۃ الغرہ فی وضع الیدین تحت السرۃ (۳) نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا تالیف مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ

قارئین کرام آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ حنفی مذہب الحمد اللہ حدیث کے مطابق ہے نہ کے مخالف۔

تمت

حق سٹریٹ اُردو بازار ○ لاہور
0301-4441805, 042-37360660